

خواتین کے لیے نجات بخشنا کی آریہ

آنچل

aanchalpk.com aanchalnovel.com

قیمت 70 روپے

اچال

جلد نمبر 40
شماره نمبر 04
سال 2018

اشہدات اور دیگر معلومات
0300-8264242



نویسندگان
مضامین
نویسندگان
سہ ماہی
طہرہ امروزی
خبریں
روزانہ

بانیان
مدیران
مدیر
نویسندگان
گروپ ایڈیٹر
مدیران


رکن آل پاکستان فیوچر سوسائٹی
رکن مودل آف پاکستان فیوچر سوسائٹی
رکن جی پی آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

 /Naeyufaq Aanchal &
Hijab official group

 /women.magazine



ابتدائیہ

14	مدیرہ	سرگوشیاں
15	محمد عظیم چشتی	جمہ
15	قصاص علی جمیلی	نعت
16	مدیرہ	درجہ جواب آں

دانش گدہ

20	مشتاق احمد قریشی	الکوتر
----	------------------	--------

ہمدان آنجل

23	ملیجہ احمد	زین شہزادی / بادشاہ جہاں
		منزہ حیدر / عالیہ شرف

سلسلہ وار ناول

56	اقرا صغیر احمد	تیرہ لکھ کھڑے ہونے تک
88	عشنا الکوتر سردار	اکالی

مکمل ناول

128	سمیرا شریف طور	جنون عشق تک
160	صائمہ قریشی	کوئی کوشی میں خواب

ناولٹ

26	رابعہ افتخار	تم میری عید کے چاند
----	--------------	---------------------

افسانہ

46	آمین شام	ذات دی کوڑھ کر لی
80	طلعت نظامی	کب اشک گہر ہوگا
116	نرگس عظیمی	دروازہ دستک
152	نادیہ احمد	بیواؤ

مستقل سلسلہ

208	جویریہ صالک	طلعت نظامی	190	یادگار لمحے	ہومیوکارنر
211	شہلا عامر	میمونہ رمان	192	آئینہ	بیاض دل
217	خدیجہ احمد	طلعت آغاز	194	دل کے نگہ پنچک سنگ	دشمن مقابلہ
219	شائلہ کاشف	روشن احمد	197	بہم سے پوچھیے	بیوٹی گائیڈ
222	ہومیوکارنر شہزاد	ایمان وقار	199	آپ کی صحت	نیرنگ خیال
225	حنان احمد	ہما احمد	204	گامی باتیں	دوست کا پیغام آئے

خط و کتابت کا پتہ: 33 تحصیل، پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200، فون: 021-35620771/2
 فیکس: 021-35620773 کے لیے از مطبوعات نے آئی پی سی کیشنز ای میل: info@aaanchal.com.pk

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن انسن پرنٹنگ پریس
 ہاکی اسٹیم کراچی ڈسٹرکٹ پست: 7 منسٹر یہ جمیل رز عبد اللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا میں کسی تک دست پر آسانی کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا۔
(ابن ماجہ 2417)

سُرگوشنیا

مدنیہ

استقام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جولائی ۲۰۱۸ء کا آنچل بطور عید نمبر حاضر مطالعہ ہے۔

ادارے کی جانب سے آپ سب کو عید مبارک۔ اللہ سبحان و تعالیٰ تمام آنچل و حجاب بہنوں کو بہت ساری خوشیوں سے نوازے سب کا دامن اپنی رحمتوں و نعمتوں سے مال مال فرمادے آمین۔

میں امید کرتی ہوں کہ آپ بہنوں نے رمضان مبارک میں خوب عبادت الہی کی ہوگی اپنے والدین اور تمام متعلقین کے لیے بہت ساری دعائیں کی ہوں گی کیا ان دعاؤں میں اپنی اس بہن کو بھی یاد کیا تھا؟ میں ان تمام بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے رمضان کے روزوں میں مجھے یاد رکھا اور اپنی دعاؤں سے نوازا اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب بہنوں کی دلی مرادیں نیک خواہشات پوری فرمائے، آمین۔ آنچل کا یہ شمارہ عید نمبر کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ آپ کے ذوق اور معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں ہمیشہ کی طرح آپ کے محبتوں بھرے اخبار کا انتظار رہے گا آپ کی آراء ہمیں ہماری کوتاہیوں غلطیوں سے آگاہ کرتی ہیں آپ کی آراء کی روشنی ہمیں آگے بڑھنے کا راستہ دکھاتی ہیں۔

میں اور ادارہ آنچل و حجاب آپ سب بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے بلاتامل قیمت میں اس اضافہ کو قبول کیا ورنہ ایسے حالات میں جبکہ ڈاک ریٹ ایک سو بیس روپے پہنچ گیا ہے کاغذ جو پہلے اسی روپے کلون رہا تھا اب ایک سو پچیس روپے کلو ہو گیا ہے بہر حال آپ سب کا شکریہ ادارے نے ہمیشہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں ہی فیصلے کیے ہیں۔

آئیے اب آنچل عید نمبر کی جانب جو رنگارنگ تحریروں سے سجا ایک خوب صورت گلدستہ کی مانند آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس ماہ کے ستارے

راہد افتخار، یاسمین نشاط، طاعت نظامی، زہرا، جبین ضیاء، نادیا، احسانہ قریشی۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آراء

آنچل جولائی ۲۰۱۸ء 14

حکیم ہمدانی

لائی حمد تری ذات کہ محمود ہے تو

لائی سجدہ تری ذات کہ محبوب ہے تو

انکساری مرا مقصود کہ بندہ ہوں میں

خود غنائی ترا دستور کہ معبود ہے تو

بعد اتنا کہ کبھی آنکھ نے دیکھا نہ تجھے

قرب اتنا کہ مری جان میں موجود ہے تو

ہے وراہ حد تعین سے تری ذات قدیم

کون کہتا ہے کسی سمت میں محدود ہے تو

حسن پردے میں بھی بے پردہ نظر آتا ہے

اتنا چھپنے پہ بھی منظور ہے مشہور ہے تو

میری کیا بود کہ معدوم تھا معدوم ہوں میں

تیری کیا شان کہ موجود تھا موجود ہے تو

لیک اعظم ہی نہیں عاشق ناچیز ترا

سب کا مطلوب ہے محبوب ہے مقصود ہے تو

جناب محمد اعظم چشتی

نعتیں

تابندہ مقدر کا ستارہ نظر آئے

جب آنکھ اٹھے سجدہ خضر نظر آئے

ان آنکھوں کا ورنہ کوئی مصروف ہی نہیں ہے

سر کا طہانہ تھلا رہا رخ زیبا نظر آئے

تم اس کے طرفدار ہو تم اس کے مددگار

جو تم کو شکے سے نکلا نظر آئے

یہ عز و شرف اور کسی کو نہیں حاصل

بالا نہیں بالا سے بھی بالا نظر آئے

اللہ کے ہر وصف کو پایا ہے مجسم

سر کا طہانہ دو عالم ہمیں کیا کیا نظر آئے

ایسا بھی سحر مجھ کو وقار آئے

اک اک سے کہوں میں شہر بظنا نظر آئے

جناب وقار صدیقی اجیری

آنچل جولائی ۲۰۱۸ء 15

در جواب

مدیر

اقبال پانوں..... وباری

بیاری بہن! سدا سہاگن رہو آپ کی دو خوبصورت کتابیں ہمارے سامنے ہیں۔ خوب صورت سرورق اور بہترین انداز ہے حد جاذب نظر لکے اور پسند آئے ویسے بھی آپ کے پڑھنے والے ہمیشہ آپ کو یاد رکھتے ہیں اور کتابی صورت میں یہ شاندار حد خوشوار ہوگا۔ غلطی آپ سے چھپی رکھنے والوں کے لیے آپ کی یہ دونوں کتابیں گراں قدر سرمایہ ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ اسی طرح شہرت و کامیابی کی منازل طے کرتی جائیں اور آپ کا تمام اس ادب کے روشن ستاروں میں ہمیشہ جگمگائے آئیں۔

نزہت حبیبی ضیاء..... کراچی
عزیزی نزہت! سدا سہاگن رہو آپ کی جانب سے ارسال کردہ تحفہ کتابی صورت میں موصول ہوا۔ "محبت اب بھی باقی ہے" کے عنوان سے یہ کتاب اپنے خوب صورت سرورق کے حوالے سے بھی بے حد پسند آئی۔ اس میں شامل ہونے والے ناول بھی آچل و قباب کی نزہت بن کر قارئین کی پسندیدگی کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ امید ہے یہ کتاب بھی اسی طرح شہرت و ادا حاصل کرے گی۔ آپ کی پہلی کتاب کی صورت میں آپ کا میری خوب پورا ہوا ہے حد خوش ہوئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے آئیں۔

نذا القصار..... چشتیان
ڈیزنڈ! سدا سہاگن! آپ کی نگارشات موصول ہوئی ہیں لیکن عید نمبر کے لیے آچل پہلے سے مکمل ہو گیا تھا اور آپ کی نگارشات تاخیر سے موصول ہونے کے سبب آچل میں شائع ہونے سے محروم ہیں اس لیے قباب کے عید نمبر میں شامل کر لیں گے۔ آپ وہاں اپنی نگارشات

دیکھ سکتی ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

انعم خان..... آسٹریلیا

عزیزی انعم! سدا سہاگن رہو آپ کی تحریر کا تہرہ آئینہ میں شامل نہ ہو سکا اور یہ تہرہ دیگر مصنفین کی تحریروں پر بھی نہ تھا۔ جب یہ رہی کہ سالگرہ نمبر کے لیے پورے سال کے مکمل اور جامع تہرے کا کہا گیا تھا جس میں تمام بارہ پڑچوں کا تہرہ شامل تھا اسی وجہ سے قارئین نے اس بات کو غلط نظر رکھ کر مودودہ پڑچے کو اپنے تہروں میں شامل نہیں کیا۔ بہر حال یہ سالگرہ نمبر تک ہی محدود تھا اور جہاں تک آپ کی تحریر پر قارئین کی رائے کا سوال ہے تو ہم بتا دیتے ہیں کہ آپ کی تحریر کافی پسند کی گئی اور ویسے بھی قارئین آپ کو پسند کرتے اور آپ کی تحریروں پڑھنا چاہتے ہیں۔ دیگر تحریروں پڑھنے کے بعد جلد اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔

سیما بخت عاصم..... کراچی
عزیزی سیما! سدا آ یاد رہو عید کے حوالے سے لکھا آپ کا ناولت جلد شامل کر لیں گے۔ جبکہ نوشتوں پر مشتمل دوسرے قسط وار ناول کے لیے بھی نہیں گے کہ جیسے ہی محنتیں بنے گی آچل یا قباب میں لگا دیں گے۔ فی الحال قسط وار کے لیے جگہ بنانا مشکل ہے۔ البتہ جیسے ہی کوئی تحریر اپنے اختتامی مراحل پر آئے گی تو ضرور آپ کو شامل کر دیں گے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عاصمہ بی..... طور جہلم
ڈیز عاصمہ! سدا خوش رہو آپ کے تعارف موصول ہو گیا ہیں اور کوشش کریں گے کہ تین دوستوں کے ایک ساتھ ہی تعارف شائع کر دیں! بس اب باری آئے گا انتظار کریں۔ ان شاء اللہ جلد قباب یا آچل کے صفحات کی زینت بن جائیں گے۔ آئندہ بھی شریک محفل رہے گا۔ آپ کی تحریر "میرے نصیب کا جائز" ناقابل اشاعت ٹھہری وجہ انداز تحریر غلط تھا۔ سبب کہ دوسری تحریر پڑھ کر جلد اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔

یاسمین کنول..... پسرور
عزیزی یاسمین! جتنی رہو سالگرہ نمبر کی پسندیدگی کے لیے مشکور ہیں۔ کوشش تو ہر بار ہی ہوتی ہے کہ ہر پڑچ آپ کے ذوق اور معیار کے مطابق ہو لیکن ہر مصنف کا ایک الگ

انداز اور مزاج ہوتا ہے اور اسی طرح ہر پڑھنے والے کا بھی اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے۔ بہر حال ہمارے لکھاری آپ کے دل تک اترنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں یہ خوش آئندہ بات ہے۔ صدف آصف تک آپ کی تحریف ان سطور کے ذریعے پہنچ جائے گی۔ آپ کو بھی عید کی مبارک باد۔

مدیحہ کنول سرور..... چشتیان
بیادی مدیحہ! جگ جگ چوہیہ جان کر بے حد خوش ہوئی کہ سالگرہ نمبر آپ کو پسند آیا اور پڑچ آپ کو سوروے کا پڑ جاتا ہے وجہ آپ کے بھائی کا بانی پیسے اپنی جیب میں رکھنا ہے بہر حال بہن بھائی میں ایسا ہی مذاق تو عموماً نظر آتا ہی ہے! طے! اچھا ہے اس بہانے وہ خوش خوشی آپ کو آجیل یا تو دیتے ہیں۔ آپ کی نگارشات جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ عید نمبر کی تیاری کے لیے ہر کام پہلے سے مکمل کرنے کی کوشش کی گئی تھی اسی بنا پر بعض بہنوں کی نگارشات شامل نہ کر سکے لیکن جلد یہ شکوہ بھی دور ہو جائے گا۔ آپ افسانے ارسال کر دیں پڑھ کر دیکھیں گے اگر آچل یا قباب کے مطابق ہوئے تو جلد ہی شائع کر دیں گے۔

جویریہ مریم..... نا معلوم
ڈیز جویریہ! آ یاد رہو آپ کو نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوا ہے کہ دورہ ہر مصنف اپنے الگ انداز اور سوچ کے مطابق لکھتی ہیں! کیا نیت تو نہیں ہے البتہ سالگرہ نمبر میں سب نے سالگرہ کے حوالے سے نفرد لکھا۔ ہو سکتا ہے اس وجہ سے آپ کو کیا محسوس ہوئی بہر حال آپ کی تجاویز نوٹ کرتی ہیں! ہمارا جلد قباب میں اپنی تحریر کے ساتھ شامل ہوں گی! آپ انہیں قباب کے صفحات پر پڑھ سکتی ہیں۔ برائے مہربانی آئندہ تحریر اور خط ارسال کرتے وقت نام اور مکمل پتہ ضرور ارسال کریں۔

مقتدیں زہرہ..... جھنگ
عزیزی مقتدیں! جتنی رہو آپ کے خط سے اندازہ ہوا کہ آپ مثبت سوچ کی مالک ہیں اور نگارشات کے حوالے سے مایوس اور اُمید نہیں ہیں اور ایسا ہوتا بھی ہے کہ جلد یا بدیر سب کو شامل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس مرتبہ جو غلطی آپ نے کی ہے اس کی نشاندہی

ضروری ہے۔ آپ نے ایک ہی صفحے پر بیاض دل اور در جواب آس لکھ دیا ہے۔ اب خط کا جواب حاضر ہے اور بیاض دل کے لیے آپ کے اشعار وہاں تک نہ پہنچ سکے کہ اشاعت کے مراحل طے کرتے۔ اسی لیے آپ سب سے کہا جاتا ہے کہ ہر سلسلہ کے لیے علیحدہ صفحہ کا استعمال کریں تاکہ متعلقہ شعبے میں پہنچایا جاسکے۔ امید ہے آئندہ ان باتوں کو پیش نظر رکھیں گی۔ خوش رہیں۔

ارم کمال..... فیصل آباد
عزیزی ارم! سدا سہاگن رہو خط سے آپ کی علالت کے متعلق جان کر بے حد دکھ ہوا۔ بے شک اس بیٹھائیہ بخار میں پریز اور آرام بے حد ضروری ہوتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ آپ جلد از جلد صحت مند ہو کر ماہ رمضان کی فحش و برکات حاصل کریں اور اگر آپ کی صحت بے توانی شاہ اللہ حالات کیسے بھی ہوں ضرور آپ روزے بھی رکھ جائیں گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم سب کو ماہ رمضان کا احترام کرنے اور اس مہینے کی بابرکت ساعتوں میں عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ آپ سے بات کر کے ہمیں بھی بے حد خوشی اور اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ جب تک یہ پڑچ آپ کے ہاتھ میں آئے گا شوال کا مہینہ شروع ہو چکا ہوگا۔ ہماری جانب سے آپ کو بھی عید کی مبارک باد! اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔

انعم زہرہ..... ملتان
عزیزی انعم! جگ جگ چوہیہ آپ سے مصطفی ملاقات سے حد اچھی لگی۔ بے شک ہمارا اور آپ کا ساتھ طویل عرصے پر چھٹ نہیں ہے لیکن اس مختصر عرصے میں بھی دلی وابستگی کافی گہری ہو گئی ہے۔ آپ کی لکھی سطور سے آپ کا حال جان کر اچھا لگا اور جب انسان جیسے دل سے کسی اچھے کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ بھی اپنے اس بندے کی مدد فرماتا ہے اور ایسا ہی آپ کے ساتھ بھی ہوا! آپ نے اس شخص کی نفرت کو بھی اپنے دل سے نکال دیا۔ اچھی بات ہے بے شک کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے نفرت اور عداوت کا رشتہ بھی نہیں رکھنا چاہیے اور اس سب سے آپ کے دلی کو اطمینان بھی حاصل ہوا یہ خوش آئندہ ہے۔ اسی طرح مثبت خیالات کو

اپنا نہیں اور اللہ سے اپنا ہر دکھ درد کچھ کر کے اس کی ذات سے لوگائیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو ان شاء اللہ بہت سی خوشیاں عطا فرمائے گا کہ کبھی ان دکھوں اور تکلیف وہ گھڑیوں کا خیال بھی چھو کر نہ ٹرے گا۔ ہماری جانب سے آپ کو ماہ رمضان اور عید کی دھڑوں مبارک باد۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عاشقہ نور عاشقہ نور
بیاری علیہ! جک جک جیو آپ کی تحریر ”آدھی ادھوری روٹی“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ انہی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ گوکہ موضوع حقیقت سے قریب تر ہے۔ عموماً لڑکیوں کو پہلی بار بچن کے کاموں میں مشکل ضرور پیش آتی ہے اور خاص کر روٹی پکانے میں اور ایسے میں والدہ کا کہنا کہ تو کھن پینا سانسے آتا ہے جبکہ آپ کی تحریر میں صرف غصہ ہی سانسے آ رہا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اپنا مشاہدہ وسیع کریں تاکہ لکھنے میں مدد ملے امید ہے لکھی ہوئی ہوگی۔

شبیم حنیف لاہور
ڈیز شبنم! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ”اپنے جسے کا دیا“ موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ انہی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ موضوع اور انداز تحریر دونوں ہی کمزور ہیں۔ انہی صرف مطالعہ پر زور دیں اور نامور مصنفین کی تحریریں اپنے مطالعہ میں شامل کریں تاکہ آپ کو لکھنے میں مدد ملے۔ امید ہے باپس ہونے کے بجائے ان باتوں پر عمل کریں گی۔

نعیم حیدر خان ملتان
ہوئی نصیم! خوش رہیں آپ کی جانب سے خوب صورت کتاب ”بصیرت قرآن“ موصول ہوئی۔ جس طرح آپ نے اسے ترتیب و اشاعت کے مراحل سے گزار کر قارئین کے سامنے پیش کیا اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ بے شک ہمیں اس وقت دین سے معلومات کی اندر ضرورت ہے بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہر دور میں دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اللہ سبحان و تعالیٰ ہمیں توفیق دے تاکہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کی بہترین تربیت کر سکیں۔ ہم اس کتاب سے اقتباسات منتخب کر کے آج کل و حجاب کی زندگی بنائیں

گے۔ اس طرح آپ کا پیغام ہر خاص و عام تک پہنچ جائے گا۔

مدیحہ نورین مہک گجرات
ڈیز مدیحہ! سدا شاد رہو آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی کی۔ آپ کا کہنا بجا ہے یہاں کراچی کا موسم کافی گرم ہے لیکن اس گرمی میں بھی روزے اور ہجر پور انداز میں روزوں کا اہتمام کرتے ہیں اور عبادات بھی اپنے عروج پر ہیں۔ جہاں تک عید کا احوال پوچھا ہے تو عید آنے میں ابھی کافی وقت ہے جب تک بے سطر آپ کی نظروں سے گزر رہی گی تب تک عید باسی ہو چکی ہوگی۔ اس لیے آپ کو عید کی مبارک باد پیش کرتے ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں نصیب فرمائے آمین۔

سمیرا غفرل کراچی
ڈیز سمیرا! سدا سہان رہو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے آپ کو اپنی نعمت سے نوازا۔ ہماری جانب سے آپ کو اس ننھے مہمان کی آمد پر بے حد مبارک باد۔ بے شک بچوں کے ساتھ زندگی کی مصروفیات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر شاید نصف ملاقات نہیں ہو پائی بہر حال امید ہے کہ آئندہ بھی آج کل و حجاب سے تعاون برقرار رکھیں گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید خوشیوں اور کامیابیوں سے نواز سکے آمین۔

سنیہ صفدر ڈھل ٹاروٹن
ڈیز سنیہ! سدا دوا دار ہو نیک خیال کے لیے آپ کی ارسال کردہ غزل ”سمجھ نہیں آتی“ کے عنوان سے موصول ہوئی۔ محفل شعبہ والوں کی طرف سے یہ غزل درگدوئی کی ہے۔ اس سے معذرت خواہ ہیں۔ غزل میں ربط نہیں ہے ابھی آپ دیگر شعراء کے کلام کو بغور پڑھیں اور اس کے بعد طبع آزمائی کریں۔ امید ہے کوشش جاری رکھیں گی۔

موریح کنولی لاہور
ڈیز موریح! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ”میلے موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ انہی مزید محنت کی ضرورت ہے۔ آپ کا انداز تحریر اور موضوع دونوں ہی کمزور ہیں جسے کی ادائیگی اور چند بات احساسات دوسری مصنفین کی تحریروں کو سامنے رکھ کر اپنی تحریر سے ملا کر دیکھیں فرق سامنے آ جائے گا۔ موضوع پر گرفت برقرار رکھنے کے لیے

بہت مختصر موضوع قلم بند کریں اس سے آپ کے لکھنے میں بھی نکھار آئے گا۔ امید ہے آئندہ ان باتوں پر عمل کرتے تحریر ارسال کریں گی۔ اس تحریر کے لیے معذرت چاہتے ہیں۔

طلیبہ خاور سلطان وزیر آباد
بیاری علیہ! سدا دوا دار رہو آپ سے نصف ملاقات اچھی رہی جس طرح آپ ہمیں یاد دلاتی ہیں اسی طرح ہم بھی آپ کو بھولے نہیں انتظار میں رہیں کہ کب آپ کی طرف سے پہل ہوئی ہے اور ہم اپنی محفل میں آپ کو شامل کرتے ہیں۔ اس وقت آپ کی محفل کے مراحل میں ہے اس لیے نگارشات سنبھال کر رکھ لی ہیں۔ حجاب یا آج کل میں جہاں جگہ بنی آپ کی نگارشات شامل کر لی جائیں گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو خوشیوں بھری زندگی عطا فرمائے آمین۔

اسماء صدیقہ عبدالحکیم
بیاری اسما! خوش رہو آپ کا نام موصول ہوا جس طرح آپ اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر آج کل کا مطالعہ کرتی ہیں جان کر خوشی ہوئی۔ یہ آپ کا اپنا ماہنامہ ہے۔ اس سے آپ کی نگارشات سے ہی سچا پتہ چلتا ہے۔ رہی بات کہ آپ کو محفل میں شامل نہیں کیا گیا تو بات یہ ہے کہ آپ کی طرف سے ارسال کی گئی ڈاک ہمیں موصول ہی نہیں ہوئی۔ ورنہ جن بہنوں نے آئینہ اور سروے میں شرکت کی انہیں ترتیب وار شامل کیا گیا۔ اس وقت آپ کی محفل کے مراحل میں ہے اور آپ کی ڈاک تاخیر سے موصول ہوئی ہے لیکن پھر بھی آپ کو شامل کر لیا۔ امید ہے آئندہ بھی شامل محفل رہیں گی۔ محبت و خلوص کے لیے جزاک اللہ۔

تانیہ الطاف راولپنڈی
عزیز تانیہ! سدا مسکراؤ آپ کی تحریر ”وطن کی محبت“ پڑھ ڈالی۔ کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہری وجہ انداز تحریر کی کمزوریاں کافی نمایاں رہیں۔ مطالعہ و مشاہدہ وسیع کرتے دیگر مصنفین کو بغور پڑھیں اچھا لکھنے کے لیے پڑھنا ہے ضروری ہے امید ہے محنت جاری رکھیں گی۔

فاہیل اشاعت: اپنے اپنے ہوتے ہیں تجھ سے

لاگی جو گن تماشہ عبرت میرے رشک قرۃ زندگی بن گئے بوڑھا صحرا دھوپ چھاؤں جہاں روشنی ہو غلوں کی کارڈ زرد رنگ محبت کا کانوں کا کپکا پری وں پری ویپ چلنے لگے رزق ضرورت سے بہر مند تیک کر ب مسکراہٹ نکھیرتی عید اپنے حصہ کا دیا ”مچلے“ آتش زندگی زندگی کا راز در نہ جانی سے نجات رمضان میں اصراف پنگ سوٹ یہ راہ مشکل نہیں بیاسن بھائے بھولی ببری یادیں بساط دل عاجزی دل آشنا نصیب بساط موت پیشیاں وطن کی محبت منزل طلب آدھی ادھوری روٹی ”محول“ مجھے اداس کر گیا خواہشوں کے خار زنا خدا کا سایہ تنگی کا چندہ اونٹ آیا۔

فاہیل اشاعت: مجھے خوابوں میں رہنے دو درد ہائی ہے ہر عید تیرے سنگ ہوگی گھر کی ملکہ تم میری عید کے چاند خط کیسے میرے وطن تو عظیم ہے محبت جیت ہوئی ہے دام تیرا اک تیرے نام کی چاہ روپ بہر پ میراث پیارنگ پیارا کفارو۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کر کے اپنے پاس رکھیں۔
☆ خط دار کا دل لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی کھیری پنیں کوشش کریں پہلے انسانی لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو ناولٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
☆ کوئی بھی تحریر نئی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے پہلے صفحہ پر کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام اور رابطہ نمبر خوش خط تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر جسٹر ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7 فرید جمبر عبداللہ بارون روڈ۔ کراچی۔

☆ اپنے اپنے ہوتے ہیں تجھ سے

دانش کدہ

سورة الکوش

سورة الکوش

نماز کی پابندی عام لوگوں کے لیے گراں ہے لیکن مشغول و مغمض کرنے والوں کے لیے نہایت آسان بلکہ اطمینان و راحت کا باعث ہے۔ نماز پڑھنے والے کو وقایعت و آخرت اور اس کے بعد کی دائمی زندگی پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ یقین انسان کے اعمال خیر کو آسان کرویتا ہے اور آخرت کی فکر نہ کرنے والے کے فکر بے عمل انسان کو باطل بنادیتی ہے۔ نہ اسے قیامت کی فکر رہتی ہے نہ آخرت کے بعد کی دائمی زندگی کی فکر۔ مسلمان کی دائمی زندگی کا فریضہ ہے نماز انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور برائی کو دور کرتی ہے جیسا کہ سورۃ الاحکام میں فرمایا جا رہا ہے۔

ترجمہ: جو کتاب آپ کی طرف دی گئی ہے اسے پڑھیں اور نماز قائم کریں یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے بے شک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔ (سورۃ الاحکام: ۳۵)

تفسیر: اس آیت مبارکہ میں نماز کی فضیلت و اہمیت کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اللہ کا ذکر یعنی نماز کی تاثیر صرف یہی نہیں کہ دنیاوی امور سے روکے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے کہ وہ نیکوں پر ایمان دینے والی اور بدعت الہی الخیرات پر آمادہ کرنے والی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد بذات خود بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ خیر اعمال میں ہے۔ انسان کا کوئی عمل اس سے افضل نہیں اللہ کو یاد کرنا سب سے بہتر اور بڑا عمل ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۳ میں فرمایا جا رہا ہے کہ ”تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا“ جب بندہ نماز کی حالت میں اپنے رب کو یاد کرے گا تو ضروری ہے کہ اس کا رب بھی اسے یاد کرے گا اور یہ یقینی بڑی فضیلت ہے کہ اللہ اپنے بندے کو یاد کرے۔

قرآن حکیم کی تلاوت کی مقاصد کے لیے مطلوب ہے محض اجزائے اب کے لیے اس کے معانی و مطالب پر توجہ و تکرر کے لیے تعلیم و تدریس کے لیے وعظ و نصیحت کے لیے۔ لیکن نماز میں تلاوت سے اللہ تعالیٰ سے تعلق خاص پیدا ہوتا ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے اس لیے قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ آیت ۱۵۳ میں فرمایا جا رہا ہے کہ ”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو“ اگر عمومی طور پر دیکھا جائے تو نماز اور صبر کوئی مرئی چیز نہیں کہ انسان اس کا سہارا رکھے۔ اس سے مدد حاصل کرے چونکہ نماز میں انسان براہ راست اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہوتا ہے اور اس کا اپنے رب کے ساتھ خصوصی رابطہ و تعلق پیدا ہوتا ہے اور اللہ قدم قدم پر اپنے بندے کی دیکھ بھال اور رہنمائی کرتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تنہائی میں تہجد کی نماز ادا کیا کرتے اور اپنی نیت کو بھی تاکید فرماتے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عظیم ذمے داری سونپی گئی تھی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی مدد بہت زیادہ ضرورت رہتی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر و نہی پیش ہوتا تو نماز کو اہم ترین مانتے۔ (مسند احمد و ابوداؤد)

نماز بے حیائی اور برائی کو دور کرنے کا سبب اور ذریعہ ہے جس طرح مختلف دلوں کی مختلف افادیت ہوتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوائی فلاں بیماری یا مرض کا علاج کرتی ہے اور دوا افعا ایسا ہوتا ہے ایسا اس وقت ہی ہوتا ہے جب ڈاکٹر حکیم یا معالج جیسا اور جس وقت دوا کا استعمال بتائے اور جیسا پرہیز بتائے ویسا اس پر عمل کیا جائے اور ہر ایسی چیز سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو خدشہ لگنے والی ہو۔ بالکل اسی طرح نماز میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی ہی تاکید رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اگر نماز کو نیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے اور سلیقے اور تمام تر آداب و شرائط کو ملحوظ رکھ کر پڑھا جائے جو اس کی صحت و قبولیت کے لیے ضروری ہیں یعنی سب سے اہم اور پہلی چیز اخلاص و دوسری طہارت قلب یعنی نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف التفات نہ ہو اور باجماعت اور مقررہ اوقات میں ادا کی جائے اور ارکان صلوٰۃ یعنی قرأت رکوع و قنوت

تجدید وغیرہ سب کے سب نہایت اطمینان و اعتماد و مشغول و مغمض اور رقت کی کیفیت میں ادا کیے جائیں اور انسان اپنے لیے اپنی آہل اولاد کے لیے رزق حلال کا اہتمام کرے۔ چونکہ ہماری آج کی نمازیں ان آداب و سلیقوں سے عاری ہیں اور ان میں ظاہرین اور دکھاوا شامل ہو گیا ہے اس لیے وہ تاثیر ہمیں محسوس نہیں ہوتا نہ ہی وہ تاثیر دکھائی دیتا ہے کہ ہم کہیں کہیں نماز نے برائی بے حیائی سے روکا کہیں یہ بات بھی اپنی جگہ بڑی اہم ہے کہ انسان جب تک نماز میں مشغول ہوتا ہے وہ ہر گھم کی برائی بے حیائی سے بچا رہتا ہے اور ہر رقت و سادگی اسے ہر برائی سے مدد دیتی ہے۔

اس آیت مبارکہ کا عمومی نگاہ سے جائزہ لیں تو اس آیت مبارکہ میں نماز کی دو خوبیاں یاد دہانہ بیان کیے گئے ہیں۔ ایک وصف لازم اور دوسرا وصف مطلوب۔ وصف لازم تو یہ ہے کہ نماز خش اور منکرات سے روکتی ہے اور وصف مطلوب یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا واقعی خش اور منکرات سے رک جائے۔ جہاں تک روکے کا تعلق ہے نماز لازم کام کرتی ہے جو شخص بھی نماز کی نوعیت پر غور کرے تو وہ تسلیم کرے گا کہ نماز برائیتوں سے روکتی ہے کیونکہ ہندو ہر روز پانچ وقت اللہ کو یاد کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات تازہ ہو جائے کہ وہ اس دنیا میں آزاد خود مختار نہیں ہے بلکہ اللہ کا بندہ ہے اور وہی مالک و مولا ہے جو ہر ایک انسان کے عمل اور چلنے والے اعمال میں اس کے دل کے ارادوں اور نیتوں تک سے پوری طرح واقف ہے۔ نماز کے ذریعے ملامت ہر نماز کے وقت انسان کو اس بات کی بھی مشق کرائی جاتی ہے کہ وہ صحیح رکھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے کیونکہ نماز پڑھنے کے لیے اٹھنے سے لے کر نماز ختم کرنے تک اسے مسلسل وہ کام کرنا پڑتا ہے جس میں سے اس انسان اور اللہ کے سوا کوئی تیسرا واقف نہیں ہوتا کہ اس شخص نے اللہ کے قانون کی پابندی کی ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص بغیر وضو کے نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو اس شخص اور اللہ کے سوا کون ہے جسے یہ معلوم ہو کہ یہ شخص بغیر وضو کے نماز کے لیے کھڑا ہوا ہے اور اگر وہ شخص نماز کی نیت ہی نہ کرے اور بظاہر رکوع و سجود قیام کرے اور لڑکا نماز پڑھنے کے بجائے خاموش کھڑا رہے یا چپکے چپکے پوچھا اور پڑھنے کوئی گیت یا پوچھا اور اول قول بھی اس شخص اور اللہ کے سوا کون ہے جسے یہ معلوم ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے اس کا راز اللہ کے سوا کس پر فاش ہو سکتا ہے اور اگر نماز کو نماز کے درست طریقے سے پڑھئے جہم اور لباس کی طہارت سے لے کر نماز کے ارکان و اذکار قانون الہی کے مطابق تمام تر شرائط و قواعد کے مطابق ہر روز پانچ وقت ادا کرتا ہے تو یوں وہ نماز کے ذریعے روزانہ اپنی پابندی میں ضمیر میں زندگی پیدا کرتا ہے اور وضو و ارکان کا احساس کرتا ہے یوں اس میں فرض شاکس کا احساس پیدا ہوتا ہے نماز انسان کو اس بات کی بھی مشق کرائی ہے انسان میں جذبہ باطاعت و بندگی پیدا ہوا اور وہ اعلان اپنے اور خفیہ ہر حال میں قانون الہی کی پابندی کرنے والا ہے۔ کیونکہ نماز پڑھنے والے شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے ارادے کے اختیار کو استعمال کر کے اپنی اصلاح نفس کرے اور اپنے ارادے سے قانون الہی کی پابندی و پاسداری کرے اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوگا تو پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنے حکم سے نماز پڑھنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ نماز کے لیے نیک اعمال کے لیے قانون الہی پر چلنے کے لیے انسان کو خود کوشش کرنا ہوگی تب ہی وہ اپنی اصلاح کر سکے گا تب ہی اس پر نماز کے مفید اثرات اثر انداز ہو سکیں گے۔

حدیث شریف میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جسے اس کی نماز نے خش اور برے کاموں سے بندھوا اس کی نماز نہیں ہے۔“ (ابن ابی حاتم) ایسا ایک مضمون حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے نماز کی اطاعت کی اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی خش و منکر سے رک جائے۔“ (ابن جریر ابن ابی حاتم) حضرت جعفر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے روک دے برائی کرنے سے رک گیا تو اس کی نماز قبول ہوئی ورنہ نہیں۔“ (روح المعانی)

نماز کے لیے جمع ہونے یا ملانے کے لیے ہر نماز سے پہلے اذان دی جاتی ہے جو اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ آوازے رب کی طرف ہم سب مل کر عبادت کریں آؤ کہ یہی فلاح کی راہ ہے یہی بھلائی کی راہ ہے اللہ کی کبریائی و بڑائی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت کا اعلان بھی ہر بار کیا جاتا ہے تاکہ نماز پڑھنے والے کا ذہن تیار ہو جائے کہ وہ اپنے رب کی عبادت

ہملا آنچل

محمد احمد

درباب کنول

ڈیڑ قارئین، اسلام علیکم آپ سب اودا چل کے لیے ذمہ ساری دعا میں لیے رب کنول انصاری حاضر خدمت ہے، اس امید کے ساتھ کہ میرا یہ چھٹا سالخارف آپ کو سنا دے گا، تو جی جناب ایک بڑی بہن (سرسین صدف) اور چار بھائیوں کے بعد ہمارا نمبر ہے۔ 14 اگست کو اس دنیا میں آئی۔ بچپن بھی بچوں کی طرح شرارتوں سے مزین تھا جواب تک اسی طرح موجود ہے۔ مجھ سے چھوٹی ایک بہن مام نور ہے، جو میری طرح پایہ کہتا ہے جانہ ہوگا کہ میں اس کی طرح آپ چل کی دلدادہ ہوں۔ مام نور میری بہن پلس دوست ہے، ویسے دوستوں کی فہرست بہت طویل ہے، تاہم عروسہ اینڈ ماہور رسالوں کی وجہ سے ٹاپ پر ہیں، باقی اور فریڈ زکا ڈائجسٹ وغیرہ پڑھنے کا رچان نہیں ہے، میری امی میری سب سے اچھی دوست اور وہ واحد دوست جن سے میں ہر بات شیئر کرتی ہوں، اب آتے ہیں خوبیاں اور خامیوں کی طرف تو میری سب سے اچھی خوبی جس کی دوسرے بھی تعریف کرتے ہیں وہ یہ کہ میں ہر ایک سے محبت اور عزت کے ساتھ پیش آتی ہوں، خامیاں بہت ساری ہیں لیکن جو مجھے خود پسند ہے وہ یہ کہ میں ایک غیر متعلقہ مزاح لڑکی ہوں۔ میرا شوق مطالعہ کرنا، ریڈیو سنا اور کرکٹ کھیلنا ہے۔ سیاست سے گہری دلچسپی ہے، وطن سے محبت میرا نصب العین ہے، جتنی کہ سچے اور بہترین نظر بالی لوگ پسند ہیں۔ بزرگوں اور بچوں سے خاص نسبت ہے شعر و شاعری سے شغف ہے۔ ایک کوئی کتاب پسند ہے۔ فیروز کی رنگ مٹی کی خوشبو، کس کریم، برائی، سیر و تفریح اور موسم بہار دل کو بھاتے ہیں۔ مصروفیت اچھی لگتی ہے، فرصت کے لمحات میں مام اور میں بچپن کو یاد کرتے اور ان باتوں، حقاقتوں پر تادیر ہنستے ہیں، فیورٹ سکرز عابدہ پروین صاحبہ اور سجاد علی ہیں، پسندیدہ لباس وہ جس سے آپ کی حیا اور پاکیزگی کی جھلک عین عین شخصیت نکلتی ہے، حضرت علی اور محمد علی جناح ہیں۔ میری کامیابی میرے والدین کی خدمت

کرنے کی تیاری کر رہا ہے جو ہمارا پروردگار اور مالک و آقا ہے کوئی دوسرا نہ تو اس کی مانند عبادت کے لائق ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا اس کی طرح ہر چیز پر قادر ہر چیز سے ہر وقت باخبر ہے۔ اذان سننے کے بعد انسان روحانی اور دینی طور پر نماز کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیتا ہے اور پھر اس تیاری کی تکمیل کے لیے پہلا عملی قدم اٹھاتے ہوئے وضو کر کے اپنے تمام اعضاء کو پاک صاف کر لیتا ہے گو کہ وہ بحیثیت ایک مسلمان ہر قسم کی ناپاکی سے پہلے ہی صاف ہوتا ہے لیکن ہر نماز کی تیاری کے لیے سنت نبوی اور احکام الہی کے مطابق جیسا کہ قرآن حکیم میں سورۃ الباقہ کی آیت میں طریقہ وضو بتایا جا رہا ہے۔ ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہیں سو میتھو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور اپنے پاؤں کو گھٹنوں سمیت دھو لو اور اگر چنانچہ اس حالت میں ہاتھ غسل کر لو۔ (سورۃ الباقہ: ۶)

نماز کے لیے وضو کرنے سے انسان عملی طور پر خود کو نماز کے لیے تیار کر لیتا ہے۔ اب وہ ذہنی و جسمانی طور پر خود کو تیار کر کے اپنے رب کے حضور اپنی اطاعت و بندگی اور خیر و برائی کے اظہار کے لیے پوری طرح تیار ہو کر کھڑا ہوتا ہے پھر نماز کے لیے تیار ہو کر نماز کی نیت کے لیے تیار کر لیتا ہے اور ہر فرض نماز جماعت سے ادا کرتا ہے تو اس جماعت سے قبل اقامت کی اذان دی جاتی ہے ایک بار پھر اللہ کی گہرائی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دے کر ہر نماز کی کو معزید ذہنی اور جسمانی طور پر اللہ کے حضور حاضری کے لیے تیار کر دیا جاتا ہے اس کے بعد تکبیر تحریر کی جاتی ہے جس کے بعد نیت مکمل ہو جاتی ہے اور انسان نماز میں مشغول ہو جاتا ہے۔ تکبیر تحریر کے معنی ہیں حرام کرنا عزت کرنا اور نماز کی نیت باندھنے کے وقت پہلی وقیعہ ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہنا۔ تکبیر تحریر کہنے کے بعد ہر وہ عمل جو اس سے پہلے حلال تھا اب حرام ہو گیا جب تک کہ نماز مکمل نہیں ہو جاتی اور نماز میں سلام نہیں پھیر لیتا۔ وہ کون سی چیزیں ہیں جو تکبیر تحریر کہنے سے ۱۷ نمبر ہوتی ہیں۔ ادر اور دیکھنا ہونا، ہٹنا، آگے پیچھے ہٹنا کسی کی باتیں سننا۔ یہ سب عمل حالت نماز میں فعلی نہیں کرنا چاہئیں کیونکہ اللہ نے انہیں کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ نماز پوری توجہ اور اخلاص سے اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو سکے اور جب وہ ان تمام باتوں کا دانستہ خیال کرے گا تو یقیناً نماز کا فیض بھی اسے حاصل ہوگا اور وہ اپنے ارادے کو استعمال کر کے ہر قسم کی نفس اور منکرات سے بچے گا۔ یہی نماز کا انجاز ہے۔ نماز کو اس کے پورے آداب اور طریقے سے ادا کرنے سے ہی نماز ادا ہوئی ہے اور اس کا اثر نماز کی پر راہ راست ہوتا ہے اور اس کا تعلق اپنے رب سے ہو جاتا ہے ہی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تم نماز پڑھو تو یہ سمجھو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے تو اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اگر ہم اپنے ارد گرد نظر ڈالیں اور دیکھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جب کسی زمین کی حاکم یا پڑے آفیسر سے ملنے میں جاتے جاتے ہیں تو کسی طرح کی تیاریاں کرتے ہیں، نہ ہاتھ دھو کر صاف ہاتھ کرتے ہیں نہ کہ جاتے ہیں خوب بن سورا کر جاتے ہیں اور اس کے سامنے بڑے ادب سے ڈرتے ڈرتے پیش ہوتے ہیں اور اس کا خوف دل پر طاری رہتا ہے۔ ذرا سوچئے کہ جب ہم سب حاکموں کے حاکم اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو کیا ہم کسی قسم کا اہتمام کرتے ہیں؟ کیا ہمارے دلوں میں خوف الہی ہوتا ہے؟ اکثر تو صرف مجبوراً فرض ادا کرنے کے لیے نماز کو ادا کرتے ہیں اور کچھ تو قطعی پروا نہیں کرتے نماز پڑھتے ہیں نہ اپنے خالق و مالک اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور کبھی گمراہی میں جھلا رہتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی بہت زیادہ تاکید و تاکید فرمائی ہے اس لیے کہ نماز ہی وہ ذریعہ ہے جس سے بندہ ممکن صراطِ مستقیم پر چلتا ہے اور تمام احکام الہی پر عمل کرتا ہے اور اللہ سے ایسے ہی ڈرتا ہے جیسا کہ اللہ نے اس کا حکم ہے۔ سورۃ النور کی دوسری آیت مبارکہ کی تشریح کے سلسلے میں اب تک ہم پہلے حصے پر روشنی ڈالتے رہے ہیں اب اس آیت

راک کے دوسرے حصے وغیرہ یعنی قرآنی کرو کے سلسلے میں غور و فکر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔



اجھی ہوں، درگزر کرتی ہوں۔ دوستی کرنا اچھا لگتا ہے اور کوئی دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویکم شپ بھری پہلی بارش نارے کنول تازی کی یہ خبر بہت ہی پسند ہے۔ ویسے سب ہی اچھا سمجھتی ہیں۔ مجھے بارش بہت پسند ہے۔ ویسے مجھے اپنا اخلاق بھی بہت پسند ہے۔ میں پہلی بار لکھ رہی ہوں، پتہ نہیں لکھ سکے تھے یا نہیں اب اجازت چاہتی ہوں۔ ”اچھا سوچئے۔“ اچھی باتیں کرتا یہ بھی صدقہ جاریہ ہوتا ہے۔

ثنا نواز

اسلام علیکم آج کل کے تمام قارئین کو میری طرف سے پیار بھر اسلام، سنائے کیسے ہیں آپ سب بیٹھنا ٹھیک ہوں گے۔ میں ہر بار کوشش کرتی ہوں، لیکن پتا نہیں کیوں کچھ نہیں پاتی لیکن آخر میں نے ہمت کر لی اور ایک راز کی بات بتاؤں، میں یہ لکھ کر کلاس میں بیٹھ کر لکھ رہی ہوں۔ اسٹوڈنٹ پوچھ رہے ہیں، پتھر جی آپ اپنا کام کر رہی ہیں اور ہم نے کہا یہاں کچھ لکھو، اچھا تو آپ نے میرا نام لو پر تو پڑھ ہی لیا ہوگا، لیکن پھر بھی بتائی چلوں میرا نام نہ بولنا ہے، میں 1998ء کو اس دنیا میں حاضری لگانے آئی۔ میں بی بی اے پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ ہوں اور نیچر بھی ہوں فیوچر میں، میں نے ڈیزائنر بننا ہے اور یہ میرا ب ہی نہیں بلکہ میرا جنون ہے۔ میں جھٹک کے گاؤں شریف میں رہتی ہوں۔ اب بات ہو جائے فضیلت کی تو ہم سات، بہن بھائی ہیں، چار بھائی اور تین بھائی ہیں اور میں سب سے چھوٹی ہوں، میرے علاوہ سب کی شادیاں ہو چکی ہیں اور سب اپنے بچوں کے ساتھ مل کر خوش زندگی جی رہے ہیں، بس ایک بھائی اور سسر کی اولاد نہیں، اللہ ان کو صاحب اولاد کرے۔ آمین۔ اب مزے کی بات بتاؤں جب میری بڑی آئی کی شادی ہوئی تھی تب میں دو سال کی تھی۔ مجھے میری بھائی جو بی بی امین تین چار سال کا فرق ہے اس کی اور میری آپس میں بہت جتنی ہے، ہر بات ایک دوسرے سے شیر کر لیتی ہیں۔ اس کی آنکھیں بہت پیاری ہیں، گہری نیلی ہنسی، ان میں ڈوب جانے کو من کرتا ہے، کیونکہ وہ ہے ہی اتنی پیاری۔ ہائے کہیں دوسری آئی ناراض ہی نہ ہو جائے یہاں بھی ان کی بیٹیاں جانیہ شرم اور متاں بھی بہت پیاری اور کیوت ہے اور میرے بھائیوں کی بیٹیاں بھی بہت پیاری ہیں، سعدیہ نادیہ خدیجہ کھڑا اور میرے بیٹے عدنان فیضان اور احمد فراز ہیں وہ بہت مائی بوائے ہیں اور بھانجے حسان اور شہزاد ہیں، سب ہی مجھے پیارے لگتے

لکھائی بھی تھی، میں سوچتی تھی کہ میری خراب لکھائی کا غفاق اڑا میں گے۔ میں جب انھیں جماعت میں بھی تو کس عفت نے مجھے کہا تھا کہ کتاب ایگزٹیشن میں ہانگوں سے نہ لکھ دینا بلبلہ آپ لوگوں کو بھی ملتی آ رہی ہوگی۔ میری فیورٹ نیچر خود شید موبل، مس راجہ صاحب، مس عذرا، مس عصمت اور مس سندس تھیں، وہ بہت اچھی نیچر تھیں۔ اچھا اب آپ لوگ بھی اور ہو گئے ہوں گے، اس آخر میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں کہ انسان جتنی بھی کوشش کر لے اور لاکھ ہاتھ پاؤں مارے کہ میں نے زندگی میں ہر چیز حاصل کر لی ہے اور کچھ نہ کر لکھا ہے، لیکن ہوتا وہی ہے جو قسمت میں ہوتا ہے اس لیے میں کسی سے حسد نہیں کرتا چاہے کس کس کے پاس ہے میرے پاس نہیں، کیونکہ حسد نہیں کرنا کوئی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، یعنی راکھ کر دیتی ہے۔ ہاں میں نے ایک بات رسالے سے سونٹ لی تھی ایک لڑکی نے لکھا ہوا تھا کہ اپنی عزت کی حفاظت کرنا اور اپنے کردار کو بلند رکھنا، کیونکہ دنیا میں ہر چیز واپس مل سکتی ہے، مگر عزت نہیں۔ تو اس نے بالکل اچھا لکھا تھا کہ لڑکیوں کو اپنے دل کی عزت کا خیال رکھنا چاہیے اور میں دھوکے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اگر پاکستان میں اس طرح کی لڑکیاں پیدا ہو جائیں تو ہمارا معاشرہ سنواری جائے اور شاید لڑکیوں کی کچھ مٹ جائے۔ دل کی عزت کتنی اہم ہوتی ہے، خاص کر ہماری اپنی عزت کیونکہ ان محبت نما لوگوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ والسلام۔

مصباح بتول

اسلام علیکم آج کل ان شاء اللہ راز اور شاز اور تمام چاہنے والوں کو مایوسیت کی طرف سے پیار بھر اسلام نہیں ہوا اور ڈھیروں دعا نہیں مجھ تاجز کو مصباح بتول کہتے ہیں، میں آج کل کی خاموش قاری ہوں، میرے آج کل سے تقریباً آٹھ نو سال کا پرانا اور گہرا تعلق ہے۔ تمام ڈائجسٹوں میں سے مجھے آج کل پسند ہے آج کل سے مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا، ہم باپ کی بھائی ہیں، چار بھائیوں کی، انکلی بہن ہوں، والد محترم کا انتقال ہو گیا۔ میرے ابو جان مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ دوبر دو ہزار سالہ میں مجھ پر یہ پہاڑ ٹوٹا، میرے والد محترم چپکے سے ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ اللہ تعالیٰ میرے والد محترم کو جنت الفردوس کی تمام نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔ میری

تعلیمی قابلیت میٹرک ہے۔ میری امی جان ذہنی مریضہ ہیں، امی جی کی بیماری کی وجہ سے مزید پڑھ نہ سکی۔ پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن انکلی بہن ہوں، والدہ کی بیماری اور گھر کی ذمہ داری کی وجہ سے مزید تعلیم نہ حاصل کر سکی، اللہ میری والدہ کو جنتی عطا فرمائے۔ ہماری والدہ کا سایہ ہم پر سلاست رکھے۔ ہماری کاسٹ جٹ ہے۔ اب بات ہو جائے پسند و ناپسند کی، تو مجھے پھولوں میں سرخ گلاب پسند ہے، اور لکھانے میں مجھے بریانی، سموسے، بہت پسند ہیں اور آٹس کریم بہت شوق سے کھاتی ہوں اور کھانے میں جو ملے کھا لیتی ہوں پتھر نہیں کرتی۔ گھر والوں کو تنگ نہیں کیا بھی اور نہ ہی کسی چیز کے لیے حسد کی اور ڈیسر میں مجھے فراک بہت پسند ہے اور کمرز میں رنگ اور پنک کمرز بند ہیں۔ چودھویں کا چاند اچھا لگتا ہے۔ بارش بہت پسند ہے۔ چوبلی میں لاکٹ، چوڑیاں، رنگ بہت پسند ہے۔ دوستی کے رشتے کو مانتی ہوں، اسکول لائف میں رضیہ، سعدیہ، ارم، امیا، شائلہ، فضلہ، سامیہ سے میری اچھی دوستی رہی، اب بھی ہے۔ اب بھی وہ میری بیسٹ فرینڈ ہے اب تے ہیں اچھائی اور برائی کی طرف۔ برائی یعنی خانی یہ ہے کہ غصہ بہت جلدی آتا ہے، کنٹرول نہیں ہوتا ویسے جلدی ختم ہو جاتا ہے، جب غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ غصہ نہیں کرنا چاہیے، لیکن کیا کروں غصہ کا کوئی علاج بھی نہیں اور بھروسہ بہت جلد کرتی ہوں اور نقصان اٹھاتی ہوں۔ اچھائی یہ ہے کہ بقول صائمہ کے خوش اخلاق ہوں، اچھے اخلاق سے برکی سے بات کرتی ہوں۔ اور میں کسی سے حسد نہیں کرتی، نہ کسی کا بھی برا سوچا ہے۔ اچھا ہوں، بہت جلد شادی ہونے والی ہے بلکہ اب تو چھ دن ہی رہ گئے ہیں شادی میں۔ میری فیورٹ جگہ خانہ کعبہ ہے، میری دعا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور میری امی جان کو اپنے پیار سے لڑکی زاریات نصیب فرمائے آمین۔ اور میری فیورٹ نیچر زینس نیچر میرا اور صائمہ اور نیچر فرج ہیں۔ میری دعا میں ان کے ساتھ ہیں۔ مجھے پیار ہے ان کے ساتھ ہے۔



مَرمِیَ عَیْلِ کَچاند

رابعہ افتخار

جب	بھی	اس	کی	صورت	دلکشی
میں	نے	ہاتھ	پہ	رکھا	چاند
جانے	کس	کو	بھونڈ	رہا	ہے
اک	مدت	سے	تہا	چاند	

تھے ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ ممانی انوسے بہت لگاؤ رکھتی تھیں ممانی کا اپنا پار تھا وہ صبح نو بجے پار پر چلی جاتیں اور شام پانچ بجے آتیں جب کبھی کوئی برائید آ جاتی تب وہ رات گئے پار میں ہی رہتیں ممانی نے اس کے تعلیمی اخراجات کے لیے ایک دو پار کہا مگر اس نے بڑے ماموں کی ناراضگی کے در سے انہیں بھی انکار کر دیا تھا۔

❖.....❖.....❖.....❖

شب برأت سے ایک دن پہلے بڑی خالہ کی آمد ہوئی تھی خالہ کا بیٹا احسن اور بیٹی ناچہ بھی ساتھ ہی تھے خالہ کا ارادہ عید تک نہیں رکنے کا تھا اس کے بعد وہ ایک بڑھ مہینہ اپنے سرسرا رہنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ ناچہ کے لیے ان کے چینھ نے رشتہ بھی مانگا تھا اور اسی سلسلے میں وہ سنجیدگی سے سوچ رہی تھیں۔

”ماں! احسن سے پوچھ کر اگر اس کی مرضی ہو تو میں انوسے بات کہی کروں۔“ وہ شام کی چائے کے لیے بلائے جارہی تھی جب خالہ کی آواز پر رک گئی۔

”کمال کرتی ہو..... ہوش کے ناخن لو..... انوکا کیوں؟ شام یا ہما کا مانگو..... بھائی کا بوجھ ہلکا کر شام تو چلو ایک دو سال بڑی ہوگی مگر ہاتھ پھونکی ہے احسن سے اور انوکا نے پڑھائی بھی چھوڑ دی بیچ میں ہی اوپر والی (چھوٹی ممانی) نے لاکھ کہا آگے بڑھ لے پار کا کام سیکھ لے مگر ایسے تو بس بھارو پونچے سے عشق ہے۔“ ممانی کے سچے کی کئی جہن بار ساعت میں اتر رہی تھی اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

”ماں!.....“ خالہ نے حیرت سے ماں کی سمت دیکھا۔

”پندرہ سال ہو گئے پڑھایا کھایا کھلایا اچھا لباس پہنایا ہر خوشی کا خیال رکھا میرا بیٹا پہلے ہی دو بیٹیوں کا باپ تھا ایک اور آگئی مجھے اسی دن کا خوف تھا جس دن یہ اس گھر کی اصل بیٹیوں کا حق کھائے گی ابھی چند دن پہلے ہی تمہاری بھابی (بڑی ممانی) بتا رہی تھی اس کی ایک بیٹی کے توسط سے رشتہ آیا ابھی صرف لڑکے کی ماں آئی تھی

شب برأت سے ایک ہفتہ پہلے ہی گھر میں رنگ و روغن کا کام مکمل ہوا تھا بڑے ماموں نے گھر کو ایسے چمکا دیا جیسے بالکل نیا بنا ہو پورے گھر میں پردے بھی نئے لگے۔ پرانے پہلے بلب اتار کر نئی ایل ای ڈی لائٹس لگوائی گئیں اور چچی خانے کی لان والی کھڑکی نکال کر وہاں جانی کا دروازہ کھولایا گیا۔ گھر میں ہر شے نئی نکھری اور صاف نکھری تھی وجہ ایک نہیں بلکہ دو تھیں ایک تو رمضان المبارک کی آمد سے پہلے سب کام ہونے ہی تھے اور دوسری وجہ بڑی خالہ کی مع چھٹی پاکستان آمد بھی بڑی خالہ عید دروازے سے آسٹریلیا میں مقیم تھیں اسی کی وفات پر جب وہ پاکستان آئی تھیں تب ہی انہوں نے انہیں دیکھا تھا ان کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا اسی کا جنازہ انھوں نے دھسالی سے نہسالی تک لانے میں وہ پیش پیش رہیں گلے سے لگا کر ہاتھ چومے اور خوب روئیں تب اسے خالہ کے پاس سے

آئی تھی اب خالہ کی آمد کا سن کر بڑے ماموں کی اور ہما کے ساتھ ساتھ وہ بھی بہت خوش تھی اور ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی شام نے بی بیس سی کے بعد پڑھائی کو خیر باد کہہ دیا تھا اس نے مختلف کورسز کیے ہوم ڈیکوریشن، کوئنگ ٹیکنگ، فٹا اور میکانک اور اب بی بی اس کی دنیا تھی۔ ہما ایم ایس سی کی کیمسٹری کے بعد ایک چھ ماہ میں پچھرا رہی اسے یوں بھی گھر کے کاموں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی (اُم) نے بی بیس کے بعد پڑھائی کو خیر باد کہہ دیا ایسا نہیں تھا کہ وہ فوجین نہیں تھیں یا اسے پڑھنے کا شوق نہیں تھا۔ بس وہ بڑے ماموں کے اخراجات کا سوچ کر خاموش ہو گئی ماموں نے آگے

ایڈیشن لینے پر بہت زور دیا مگر وہ ان کا احساس کرتے خود ہی انکار کر رہی ماموں کا ایک اچھا ڈپارٹمنٹل اسٹور تھا جو ٹھیک ٹھاک چلتا تھا مگر وقت کے وقت بڑھتی ذمہ داریاں اخراجات اور ان کی گرتی صحت سے گھبرا کر اس نے یہ کہہ کر انہیں مطمئن کر دیا کہ جب آگے پڑھائی کا ارادہ ہوا تو آپ کو بتا دوں گی انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ چھوٹے ماموں اور ممانی اوپر کے پورشن میں رہتے



اسے پسند کر گئی مگر جا کر فون کر دیا کہ ہمیں تو اہم پسند ہے۔" مانی کی نفرت کی وجہ سامنے آ گئی۔

"یہ تو نصیب کی بات ہے اماں۔ بڑی خالہ نے انہیں سمجھا نا چاہا۔"

"نصیب کی نہیں عقل کی بات ہے فوزیہ (امی) کے مرنے کے بعد جب سر پر باپ پہلے سے نہیں تھا محسوس ہوئی کہ وہ ہم ساتھ لے گئے نہ دادی نے سر پر ہاتھ رکھا نہ تائی نے۔" مانی کے دل میں کب سے اس کے خلاف نفرت اور جھگی ایسا کیوں تھا کیا اس کی ماں ان کی سگی اولاد نہیں تھی۔

"توبہ ہے اماں۔ اس وقت یہ ضروری تھا اگر ہم بھی بچی کے سر پر ہاتھ نہ رکھتے تو وہ لوگ ڈال آتے کسی یتیم خانے فوزیہ کو تو وہ لوگ صرف اس لیے برداشت کر رہے تھے کہ بیوگی کے چند سال جو وہ زندہ رہی سسرال والوں کی نوکرائی بنی ہی رہی۔ میں نے ماماں کو فوزیہ کی دوسری بیوی کی اولاد بھی آپ کو اس سے جو نفرت اور عناد رہا وہ اپنی جگہ مگر اماں اس وقت اپا کی روح کے سکون کے لیے بھی تو ضروری تھا یہ سب؟" بڑی خالہ کے الفاظ نے دل میں ایک اور تیر پوست کر دیا تھا۔

"ابا کا سکون اور جو اس کو دیکھ دیکھ کر میرا سکون غارت ہوتا ہے سکون کی بیٹی تو صرف ایک سال اس گھر میں رہی اور بیاہ کر چلی گئی تیرے ابا کی وفات کے بعد اس نے بیوگی کے باوجود ادھر کا رخ نہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ مجھ سے اس کا وجود برداشت نہیں ہوتا مجھے اپنے ساتھ کی گئی زیادتی اور دھوکا یاد آ جاتا تھا اس کی صورت دیکھ کر خود تو مر گئی مگر اسے مسلط کر لئی۔" مانی کی ہر آواز سناؤں کو بہرہ کرنے والی تھی ہاتھ میں پکڑی ٹرے گرنے کو بھی جب قدموں کی آہٹ سے وہ چوکی ہوئی۔

"کیا ہوا انو یہاں کیوں کھڑی ہو؟" ثناء بچن سے نکلی اور اسے کھڑا دیکھ کر پوچھے ہتا نہ رہ سکی اس کے چہرے کی اڑی رنگت اور بھرائی ہوئی آنکھیں دیکھ کر ثناء گھبرا سی گئی۔

"کیا ہوا انو تم ٹھیک ہو؟"

"ہوں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ یہ مانی اور خالہ کو چائے دینے آئی تھی تو چکر سا آ گیا۔" وہ واپس بچن کی طرف مڑ گئی چائے بھی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"یہ مجھے دو۔۔۔۔۔ چائے میں گرم کر کے دے سکتی ہوں تم آرام کرو کانی دونوں سے صفائی کا کام بھی تم کچھ زیادہ ہی دلچسپی سے کر رہی ہو۔" ثناء نے اس کے ہاتھ سے چائے کے کپ لے کر اسے جانے کو کہا۔ اس گھر میں بڑے ماموں چھوٹے ماموں ممانی ثناء ہاں کبھی کسی نے اسے احساس ہی نہ ہونے دیا تھا کہ وہ اس گھر میں زبردستی رہ رہی ہے کبھی بھی بڑی ممانی کے رویے سے دل دکھتا تھا مگر

وہ یہ سوچ کر نظر انداز کر دیتی کہ ان پردہ بینوں کی ذمہ داری ہے شاید اسی لیے اس کا وجود انہیں اذیت پہنچاتا ہو مگر آج مانی کی باتیں سن کر دل اندر سے چھلکیں ہوا تھا نا ابا نے مانی کو سوتن کا تختہ دیا تھا فوزیہ اسی سوتن کی اولاد تھی جو اپنی ماں کے مرنے کے بعد باپ کے ساتھ اس گھر میں آ گئی تائی کو سوتن کی بیٹی برداشت نہ ہوئی تو انہوں نے جھٹ پٹ اسے بیاہ دیا بیٹی کو اپنے گھر کا ہوتا دیکھ کر نا ابا بھی عدم سدھار گئے ان کی وفات کے چند ماہ بعد ہی فوزیہ بھی بیوہ ہو گئی مگر اب میکے میں باپ نہیں تھا بلکہ سوتیلی ماں اور اس کے بیٹے بہو بن چکے بیوگی کی خبر سن کر وہ لوگ رسم دنیا نبھاتے تھے اسے امید تھی کہ جاتے ہوئے وہ اپنے ساتھ چلنے کو کہیں گے مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا گوشت بکری میکے سے بندھی امید بولی تو سسرال والوں کی خدمت پہلے سے زیادہ کرنے لگی پہلے بہو کی حیثیت سے کرتی تھی اب نوکرائی بن گئی۔ مسئلہ دیکھ سوچ اور کم خوراک کی وجہ سے دق کا مرض لگ گیا۔ کون اپنا تھا جو کچھ ڈاکٹر دیکھا تا علاج کراتا بات بڑھنے لگی بستر سے جا لگی تو ساس نے میکے میں فون کر دیا کتا کر لے جائیں اپنی بیٹی کو مگر وہ کسی کی

"اچی" ہوئی تو کوئی آ تا بس بڑی خالہ نے کسی کے ہاتھ کچھ رقم بھجوا دی جو اس کے علاج پر خرچ کرنے کی بجائے دادی نے اپنے پاس رکھ لی۔

"بستر مرگ پر پڑی ہے رقم برباد کرنے والی بات

ہے۔" تب وہ چھ سال کی تھی فوزیہ بیماری کے ہاتھوں ختم ہو گئی اس کا جنازہ اٹھا تو بڑی خالہ نے روتی سسکتی انوکو ساتھ لگا لیا۔

"اماں۔۔۔۔۔ اسے ساتھ لے چلیں یہاں کون ہے اس کا نہ باپ نہ ماں وادی کب تک زندہ رہے گی؟" جب اماں نے گھور کر بیٹی کو دیکھا۔

"تو لے جائے گی ساتھ آ ستر لیا؟"

"آ ستر لیا کیوں اماں یہاں گھر میں رہے گی سب کا بچا کچا کھالیا کرے گی میں اس کے اخراجات کے لیے کچھ نہ کچھ بچتی رہوں گی۔۔۔۔۔ مان جاؤ۔۔۔۔۔ ابا کی روح کے سکون کے لیے۔" بڑی خالہ نے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

"دیکھ لے فوزیہ اس عورت کی بیٹی تھی جس نے ہمارے حق پر ڈاک ڈالا تھا اور یہ فوزیہ کی بیٹی ہے وہاں اس گھر میں اس کے وجود کو میں تیری خاطر برداشت کر لوں گی مگر کل کو یہ جوان ہوگی اور کوئی مسئلہ ہو گیا ناں تب میں تجھ سے پوچھوں گی۔" اور اب اتنے برسوں بعد جیسے وہ مسئلہ ہو گیا تھا شکا کے لیے آنے والا رشتہ اس کا طلب گار بن گیا خود بڑی خالہ اپنے احسن کے لیے ہما کی بجائے اسے بہو بنانا چاہتی تھیں مانی کی نفرت جا کر بھی غالباً۔

❖.....❖.....❖.....

بڑی خالہ نے احسن کے سامنے دو کام رکھے تھے ہما اور انو اس نے فوراً انوکا نام لے دیا مانی الحال خالہ نے یہ جواب سن کر خاموشی اختیار کر لی مانی کی خاموشی اور سرود مہری ان کی ناراضگی کی غماز تھی۔ رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا وہ ثناء کے ساتھ بچن میں مصروف تھی جب بڑی خالہ آ کر وہیں کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"انو۔۔۔۔۔ چٹا بات سنو۔"

"جی خالہ۔" وہ جو مہری کے لیے آ تا گوندھ رہی تھی ہاتھ صاف کر کے ان کے پاس آ بیٹھی۔

"میںنا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے؟" ثناء کے باہر جاتے ہی انہوں نے اسے پیٹھے کا اشارہ کیا۔

"جی خالہ کہیں کیا بات ہے؟" وہ جو سب سن کر ہر

حقیقت سے آگاہ ہو چکی تھی ان کے سامنے کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہی تھی۔

"میںنا تمہاری چھوٹی ممانی نے اماں کے سامنے تمہارے لیے اپنے کزن کا رشتہ رکھا ہے لڑکا پرائیویٹ جاب کرتا ہے اپنا گھر ہے مگر بیٹا وہ پہلے شادی شدہ تھا اولاد نہیں ہے اور بیوی کے ساتھ بنی نہیں اس لیے علیحدگی ہو گئی۔ اماں جی کا خیال ہے کہ ایک یتیم بچی کے لیے جس کے سر پر ماں بھی نہ ہو اور جو یوں دوسروں کے در پر زندگی گزار رہی ہو اسی طرح کے رشتے آتے ہیں۔ یہ سب کہتے ہوئے میرا بھی دل دکھ رہا ہے میںا مگر یہ زندگی ہے اور دنیا بہت ظالم ہے یہ سب باتیں میں تمہارا دل مضبوط کرنے کے لیے بھی تم سے کہہ رہی ہوں اور اس لیے بھی تاکہ تم سمجھ سکو کہ تمہارے لیے سبکی بہتر ہے کہ تم اپنی زندگی کا یہ فیصلہ اپنی مرضی سے کرو فرض کرو اگر تم اس رشتے پر راضی ہو جاؤ تو جو شخص پہلی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکا اس کے بارے میں کیا گارنٹی ہے کہ وہ تمہیں خوش رکھ سکے گا ایسی صورت میں اگر شادی ٹوٹتی ہے تو تمہارے لیے اس گھر میں واپسی کے راستے ویسے ہی بند ہو جائیں گے جیسے فوزیہ کے لیے ہوئے تھے اب دوسری بات۔۔۔۔۔ خالہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے انوکی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"میں نے احسن سے ہما اور تمہارے بارے میں اس کی پسند پوچھی تھی ہما ابھی لڑکی ہے مگر انو تم مجھے شروع سے عزیز ہو انا نے سوتیلی ہی کسی مگر فوزیہ کی شکل میں میری بہن والی خواہش پوری کی گئی میری کچھ بھاریاں تھیں انو دن میں تمہیں ساتھ آ ستر لیا لے جاتی اب احسن نے بھی تمہیں پسند کیا ہے مگر اماں جی اعتراض کر رہی ہیں اگر تم احسن کے لیے ہاں کر دو گی تو اماں جی اور تمہاری چھوٹی ممانی اپنی اپنی جگہ تم سے ناراض ہو جائیں گی اور اگر تم اپنی چھوٹی ممانی کے کزن کے لیے ہاں کر دو گی تو زندگی نئے امتحان لے لگی یہاں تو سب ذمہ داری ادا کر کے اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو جائیں گے مگر وہاں تمہارے ساتھ جو ہوگا

خود نہیں سمجھ سکتی تھی۔

”تم پیکنگ کر لو انو جاؤ بیٹا اپنے تایا بابا سے بھی مل آؤ یہ لوگ بتا رہے ہیں کہ وہ بہت بیمار ہیں۔“ ماموں نے اس کی آنکھیں آسان کی وہ چندرہ منٹ میں ہی بیک لے کر آگئی۔

”آپ لوگ افطاری کر کے جائیے گا کچھ ہی دیر رہ گئی ہے۔“ ماموں نے مروانا کہا ورنہ وہ جانتے تھے کہ آج تو اس سارے معاشرے میں افطاری کی تیاری رو ہی گئی ہوگی۔

”جی نہیں شہزیہ ہم لوگ راستے میں افطاری کر لیں گے ہم لوگ آؤ رمضان سے پہلے چاہو رہے تھے کس اس کے والد کی بیماری کی وجہ سے رہے ہوئے۔“ سہیلی اپنا پس سنبھالتی اٹھ گئیں۔

”چلو بیٹا سفر بہت لمبا ہے دیر ہو جائے گی۔“ ثانی امی نے اسے چلنے کا اشارہ کیا سب سے مل کر وہ ان کے ساتھ ہوئی کیسے چند گفتگوں میں وہ یہاں سے جاری تھی کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یوں آنا فنا ٹھکانہ بدل جائے گا ماموں سے ملنے ہوئے وہ روئی پڑی۔

”تمہارا کزن تو بڑا شامدار ہے انو۔“ ہما نے شرارت سے کان میں سرگوشی کی ثانی اور ممانی کے چہرے اڑی رنگوں کے ساتھ دیکھنے کی ہمت نہیں اٹھائیں۔

”ایک مہینہ..... ایک مہینہ کیسے گزرے گا آپ نے جانے کیوں دیا آگے حق دار بن کر۔“ ممانی نے ان کے جانے کے بعد اپنا غصہ نکالا۔

”کوئی زمین کا ٹکڑا نہیں ہے انوکہ ہم حق ملکیت کا دعویٰ کریں اور یہ ہی ہماری ذاتی اولاد ہے کہ ہم چلا کر جانے سے منع کریں اپنی خوشی سے گئی ہے۔“ وہ غصے سے کچھ افطاری کا سامان لینے بازار چلے گئے اذان میں ہونے لگی والی تھی۔

❖.....❖.....❖

سکندر نے افطاری کے لیے گاڑی روکی، کھجوریں پکڑے اور پانی وغیرہ لے کر دوبارہ گاڑی میں بیٹھا۔

”دیر بہت ہو گئی ہے فی الحال ایسے ہی افطاری کر لیں

اس طرح واپسی کے روزانے بند ہو جائیں گے ہنی مجھے احسان فراموش سمجھیں گی۔“ وہ پھر اٹھنے لگی۔

”نی لال تم کچھ مت سوچو انو وہ میرے ایک خط پر آگئے انہوں نے میرا نام رکھا تم جلی جانا نہیں سنا تھا۔“ کچھ ہنسا۔

”جی نا۔“ اس نے ریسپونڈ کر دیا۔

دو دو بارہ نی لال کوغور میں آئی تو وہاں کا منظر عجیب تھا ثانی اور بڑی ممانی پر ہر نظر آ رہی تھیں ماموں کو بھی یاد آیا تھا۔

”اسنے سال یاد نہیں آئی آپ کو انوکے۔“

”اب آگئی یا تو آگئے لیکن اتنے سال ہم نے کھایا پلایا پڑھایا تب کہاں تھے آپ لوگ؟“ ثانی کی بات پر سکندر اٹھ کھڑا ہوا۔

”آپ اخراجات کا سارا حساب لکھ کر دے دیں ہم کلیئر کریں گے۔“ جوان خون تھا غصہ کیا فیاض ماموں نے اٹھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

”برخوردار میں معذرت چاہتا ہوں یقیناً ہم کسی ایک کی سزا سب کو نہیں دے سکتے انہم کے سر پر اس کی داوی نے ہاتھ نہیں رکھا اس کے لیے ہم لوگ آپ کو قصور وار نہیں کہہ سکتے انہم آپ لوگوں کا خون ہے پھر بھی اس کی سے پوچھ میں وہ اگر جانا چاہتی ہے تو ٹھیک ہے۔“ ماموں نے معاملہ سنبھالا۔

”کیوں انو؟“ ثانی نے کشمکش نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

”میں سمجھتی ہوں کہ یہ نہیں گئی کبھی دوبارہ انوکے گھر نہیں گئی ایک بار ہوا وہاں اب یہ لوگ آگئے ہیں تو عید کے بعد جاؤں گی۔“ وہ بہت ڈرے سہمے لہجے میں بولی۔

”عید کے بعد..... گھر کون سنبھالے گا انو..... کمال کرتی ہو۔“ بڑی ممانی نے سب کی پروا کیے بغیر کہہ دیا

سکندر کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

مسکراہٹ تھی۔ کچھ ہی دیر میں سب نی لال کوغور میں بیٹھے تھے بڑی خالہ کوغور ملایا گیا تھا۔

”آپ..... انوکہ ثانی اور اس کا بیٹا آئے ہیں انو سے اور آپ سے ملنے یہ کیا معاملہ ہے پانچ سالوں بعد انہیں کیسے ملایا گئی؟“

”اچھا وہ لوگ آگئے؟“ ان کے لہجے سے خوش نمایاں تھی۔

”کیا مطلب آپ؟“ بڑی ممانی نے مڑ کر ثانی کو دیکھا۔

”ہاں بس یہی کہ ان لوگوں کو خیال آ گیا ذرا انوکہ کو دینا فون۔“ ان کے اصرار پر بڑی ممانی نے اسے فون چھما دیا۔

”جی خالہ۔“

”انوکور سے میری بات سنتا ان لوگوں کو پچھلے سال میں نے تمام حالات سے مطلع کیا تھا اور یہ ضروری تھا بعض اوقات ہم اپنے حالات اور مجبوریاں شرم کے مارے دوسروں سے چھپا کر خود کو دکھانا ہی نقصان کرتے ہیں بہر حال وہ تمہارے اپنے ہیں انوکور کی کشش کبھی نہ کبھی ضرور محسوس ہوتی ہے۔“ تمہارے ابو کے خاندان والے ہیں وہ انہوں نے آنے میں دیر ضرور کروی مگر انو وہ تمہیں ساتھ

چلنے کو کہیں تو ایک منٹ کی دیر نہ لگا نہ یہاں تمہارا مستقبل گھر کی ملازمت بن کر رہنا ہی ہے اور اگر فیاض بھائی کے اصرار پر نہیں رشتہ ہو بھی گیا تو سوچ لو اماں یا بڑی بھائی کی اچھی جگہ تو رشتہ ہونے نہیں دیں گی اگر وہ تمہارا بھلا

چاہتیں تو جب میں نے احسن کے لیے تمہارا نام آیا تھا وہ خوشی سے اس رشتے کی حمایت کرتیں خیر جو ہوتا تھا وہ ہو گیا تم انہیں بھی آزمائو۔“ خالہ کی ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

”میں نے بہت سال پہلے تمہاری داوی کے گھر کے ایڈریس پر کسی کے ہاتھ فون پر کے علاج کے لیے پیسے بھجوائے تھے اسی ایڈریس پر خط لکھا تھا۔ ایک کوشش کی تھی دیر سے یہی کسی مگر رنگ لے آئی آخر آئی گئے وہ لوگ۔“

خالہ خوش تھیں وہ بھی خوش تھی اور اس خوشی کی وجہ کیا تھی وہ

پسند ہو گئی تھیں۔ رمضان المبارک اپنی رحمتیں اور برکتیں بھرا کر گزرا تھا وہ اس سال بھی اپنے لیے سانی اور بہتری کی دعا کریں گریں دوسرا عشرہ تھا وہ عصر کی نماز کے بعد تلاوت کر رہی تھی جب گیسٹ پر گاڑی کا بارن سنائی دیا کچھ ہی دیر بعد ڈور بیل بجی تھی اس نے قرآن پاک

جزوان میں لپیٹ کر رکھا اور گیسٹ تک آئی تھی دروازہ کھولنے پر جو شخص نظر آیا وہ اس کے لیے قطعی انجان تھا اونچا لمبا قد کسرتی جسم اور چہرے پر سنجیدگی۔

”یہ فیاض احمد صاحب کا گھر ہی ہے ناں۔“ اس نے بڑے ماموں کا نام لیا۔

”جی..... ان کا گھر ہی ہے۔“

”میں لاہور سے آیا ہوں میرا نام سکندر ہے سکندر اعجاز۔“ اس نے تعارف کرایا اور اس نام سے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا یہ نام اس کے ماضی کا حصہ تھا جب وہ بہت چھوٹی تھی۔

”سکندر اعجاز.....؟“ اس نے اس کے چہرے کے نقوش کو غور سے دیکھا۔

”مجھے صالحہ آگئی سے ملنا ہے۔“ اس نے بڑی خالہ کا نام لیا۔

”جی وہ تو یہاں نہیں ہوتیں وہ تو آسٹریلیا میں رہتی ہیں آپ کو کیا کام تھا ان سے؟“ وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

”اوہ..... اچھا..... تو پھر میں انہم اعجاز سے مل سکتا ہوں۔“ وہ کچھ سوچنے کے انداز میں لکھ بھر کور کا اور پھر اس سے اسی سے ملنے کی اجازت لے رہا تھا۔

”جی میں ہی ہوں انہم اعجاز۔“ ایک عرصے کے بعد کسی نے اسے مکمل نام سے پکارا تھا اس کے خود کو تعارف کرانے پر مقابل کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

”انہم..... اوہ..... آجائیں امی۔“ وہ وہیں سے گردن سمٹھا کر گاڑی میں بیٹھی شخصیت سے مخاطب ہوا اور ایک باوقاری خاتون کا ڈی سے اتر کر اب اسی طرف رہی تھیں وہ پہچان گئی ثانی امی تھیں وہ ان کے چہرے پر بڑی نرمی

نماز بھی عشا کے ساتھ ادا کر لیجے گا۔“ اس نے انظار کی سامان تائی امی کو پکڑ لیا۔

”ہاں سفر تو ابھی باقی ہے گھر میں اطلاع کر دی تم نے کہ انہم ہمارے ساتھ رہی ہے۔“

”جی کر دی۔“ اس نے تمام تر توجہ رانیوٹنگ کی طرف مرکوز کر دی دس منٹ بعد اذان مغرب ہوئی روزہ گاڑی میں ہی انظار کیا گیا تھا۔

”اتنی خاموش کیوں ہو بیٹا لو اور کھاؤ..... ابھی بہت سفر باقی ہے اور تم روزے سے بھی تھی اوپر سے یہ بیوقوفی تناؤ خیر جو ہوا سو ہوا اب تم ٹھیک سے کھاؤ۔“ تائی نے بات کے آخر میں گھر کی۔

”جی۔“

”سر میں بہت درد ہو رہا ہے سکندر ذرا اچھی سی چائے بھی پیلو اور۔“ تائی نے ہٹکا سا رہا۔

”جی ضرور آگے سے لیتے ہیں۔“ اس نے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر دی تائی امی تسبیحات میں مصروف ہو گئیں وہ گاڑی سے باہر بھاگتے مناظر کو دیکھنے لگی پیچھے سب کیا سوچ رہے ہوں گے خالہ نے ایسا کیوں کیا یہ لوگ اتنے سال کیوں نہیں آئے سوچ سوچ کر سر دھننے لگا تو اس نے آنکھیں موندھ لیں۔

”چائے۔“ سکندر کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں۔ شاید اس کی آنکھ لگ گئی تھی باہر اچھا خاصا اندھیرا چھا ہوا چکا تھا اس نے چائے کا کپ تمام لیا۔

”ای آپ کی بغیر چینی کی چائے۔“ اس نے اب تائی امی کو مخاطب کیا۔

”ہاں ابھی بہت سخت ضرورت تھی چائے کی؟“ انہوں نے مگ تمام لیا وہ لوگ جی لی روٹ کے راستے جا رہے تھے اس راستے پر بہت نریٹک تھی۔ رات گہری ہو رہی تھی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس اور سڑک کی لیمپس پوسٹس اور گاڑیوں کے ہارنوں کی وائزس ان کی زندگی کا یہ پہلا تجربہ تھا۔

”تھک گئی ہو؟“ چائے پی کر وہ بارہ سفر کا آغاز ہوا۔

”جی کبھی سفر کیا نہیں پہلی مرتبہ گھر سے دور جا رہی ہوں۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”گھر سے دور نہیں گھر جا رہی ہو بیٹی تم اپنے ابو کے گھر اپنے گھر جا رہی ہو۔“ تائی امی نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

”میرا گھر.....؟“ اس نے بے حد حیرت سے تائی امی کی طرف دیکھا سکندر نے بیک سرر سے پیچھے دیکھا اس کی آنکھوں میں گرب واضح تھا۔

”ہاں جب جاؤ گی تو سب سمجھ جاؤ گی۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا وہ خاموشی سے ایک بار گھر یا ہر دیکھنے لگی۔

تقریباً چار گھنٹے کے سفر کے بعد وہ لوگ شہر میں داخل ہو گئے سکندر نے فون کر کے کسی کو کھانا تیار کرنے کے لیے کہا کچھ ہی دیر میں وہ لوگ پوش ایریا میں ایک شاندار سی عمارت میں داخل ہو رہے تھے۔

✧✧✧✧✧✧✧✧

قورمہ شامی کباب اور تازہ روٹیاں وہ فریش ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آئی تو کھانا تیار دیکھ کر ہموک چمک اٹھی۔

”آ جاؤ بیٹا۔“ تائی امی نے اشارہ کیا اس نے تاپا باکی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا مگر ڈائننگ ٹیبل پر سکندر تائی امی اور سر میں وہ آئی جو کھانا سرور کر رہی تھیں۔

”کیا ہوا کیا دیکھ رہی ہو بیٹا؟“

”تاپا اب کہاں ہیں؟“

”تمہارے تاپا ابو اسپتال میں ہیں انہی کی خراب حالت کی وجہ سے ہم لوگ تمہیں لینے نہیں آ سکے اور اب انہی کی خواہش تھی کہ تمہیں لے کر آئیں مگر یہاں سے جانے بابا کے پاس میری بیٹی سکندر کی چھوٹی بہن ہم لوگ بھی صبح چلیں گے چلو اب کھانا کھاؤ۔“ انہوں نے اسے ساری بات بتا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کھانا واقعی بہت مزے کا تھا کھانا کھا کر سکندر اسپتال جانے کے لیے اٹھ گیا۔

”صبح چلے جانا بیٹا اتنا سفر کر کے آئے ہو تھک گئے ہو گے ابھی فون کر کر کے پوچھ لو۔“ تائی امی نے فکر مند سی

سے اس کی سمت دیکھا۔

”جی امی بس بابا کو دیکھ کر اور مظہر بھائی کو اسپتال ڈراپ کر کے آتا ہوں۔“ اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور اپنے بھائی کا ذکر کیا۔

”الٹا چل کرے مظہر کا بہت ساتھ دے رہا ہے تاپا کے میاں کی بات کر رہی ہوں۔“ بات کے آخر میں وہ ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”ٹھیک ہے میں بس ایک گھنٹہ تک آیا۔“ وہ باہر نکل گیا۔

”آپا ایک کپ چائے لے جائے گا گھر کی چائے کی اور یہ بات ہے۔“ تائی امی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی سے اٹھ کر نئی وی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئیں دوسری آئی اثبات میں سر ہلاتی برتن سینے لگیں وہ شاید کوئی پرانی با اعتماد ملازمہ تھیں۔

”آ جاؤ اہم بیٹی۔“ تائی امی نے صوفے پر اس کے لیے جگہ بنائی۔

”چائے پی کر نماز پڑھ لو اور پھر سو جاؤ تھک گئی ہو گی سحری کے وقت بھی اٹھنا ہے۔“

”سحری کے وقت میں اٹھ جاؤ گی سحری بنانے کے لیے۔“ اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں آ باور میں مل کر بنائیں گے تمہیں آتے ہی کام پر لگا دوں ہم دونوں بچن کا کام کر لیتی ہیں گھر کے باقی کاموں کے لیے ملازمہ آتی ہے جب تک چائے آتی ہے تم اپنی تائی یا ماموں کو اطلاع دے داتے کی۔“ انہوں نے ریسیٹ سے لی وی آں کیا۔

”جی تائی امی۔“ اس نے ان کے اشارے پر فون اٹھا لیا فون ماموں نے ہی اٹھا لیا تھا وہ شاید نماز تراویح پڑھ کر آئے تھے۔

”فون رہو بیٹا جب دل چاہے فون کر دینا ہم لینے آ جائیں گے۔“ انہوں نے بہت شفقت سے بات کر کے فون رکھ دیا تھا حالانکہ فون کرنے کا ارادہ تھا ان کا نام یہاں سے پانچ گھنٹے آگے تھا وہ یقیناً اس وقت آرام

کر رہی ہوں گی چائے پی کر وہ تائی امی کے ساتھ کمرے

میں آ گئی اس کا کمرہ بہت کشادہ صاف ستھرا اور ہوا دار تھا۔

”چلو بیٹا اب تم آرام کرو میں بھی نماز پڑھ لوں۔“ وہ اسے کمرہ دکھا کر چلی گئیں یہ وہ گھر نہیں تھا جہاں اس کا بچپن گزارا تھا یہ ایک ایسا کمرہ تھا جسے وہ بچپن سے ہی اپنے لیے سب لوگوں کو بچپن اور بھی مشکل لگنے لگا تھا۔

✧✧✧✧✧✧✧✧

سحری کے وقت آپا نے سحری لگا کر سب کر چکا یا نماز فجر کی ادائیگی اور قرآن پاک کی تلاوت کے بعد تائی امی کی ضرورت کا سب سے پہلے میں چلی گئیں شاید تاپا ابو کے لیے سوپ وغیرہ وہ خود بنائیں ہوں یا سحری پرانی ملازمہ تھیں سکندر نے انہیں ایک گھنٹہ تک تیار رہنے کو کہا تھا۔

”تم تیار ہو جاؤ بیٹا میں تمہارے تاپا ابو کا کھانا اور کپڑے بیک کر لوں پھر چلتے ہیں۔“ وہ بچکن کے دروازے میں آ کر مصروف سے انداز میں بولیں اسے کچھ دہمائی کا خیال آ گیا آج انہوں نے کیسے سحری بنائی ہو گی؟

”جی تائی امی۔“ وہ کمرے میں چلی گئی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ اسپتال میں تھے تاپا ابو کی حالت اب کافی بہتر تھی اسے دیکھتے ہی وہ خوشی سے رونے لگے پھر اسے اشارے سے بلا کر سر پر ہاتھ رکھا مانیہ بھی بہت محبت سے ملی اسے دیکھ کر انوکو ہوا اور شاید آگئی۔

”بہت اچھا لگتا ابو نے تمہارا۔“ مانیہ نے اس کا ہاتھ تمام کران کے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا اس نے غور سے ان کا چہرہ دیکھا ابوی جھلکتی ہوئی ان میں وہ جیسے اس کی بات سمجھ گئے تھے۔

”بابا کی آنکھیں اور سانس (سکڑا ہوا) بالکل چوڑے جیسی ہے مجھے چوتھوڑے بہت یاد آتی ہیں اور ہمارے پاس پرانی اہم بھی ہے۔“ سکندر نے جیسے دل کی بات پڑھ لی تھی تائی امی انہیں سہارے سے بٹھا کر سوپ پلانے لگیں۔

”اب میں یہاں رکوں گی تم مانیہ اور مظہر کو گھر چھوڑ آؤ“

خواب دیکھتے تھے اب وہاں جانے کا سوچتی رہتی۔ وہ باہر دیکھنے لگی گلابی رنگ کے شیفون کے سوٹ میں سر پر دوپٹہ اوڑھے وہ بہت سادہ اور بہت اچھی لگ رہی تھی۔

”تم ایسے مت سوچا کرو انو ہم لوگ تم سے لا تعلق رہے اس پر شرمندہ ہیں مگر اب تم سے سہارا نہیں ہو اور نہ ہی تمہیں ٹھکانے کے لیے ادھر ادھر بھاگنا پڑے گا۔“ وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولا اور دھیان سامنے مرک پر مرک رکھا۔

مغربات سے مٹھائی لی تھی وہ گاڑی میں ہی بیٹھی رہی سکندر نے نماز کے لیے گاڑی روکی تو اس نے تائی اکی کو فون ملا لیا وہ نماز ادا کر کے آیا تو اس نے موبائل اس کی سمت بڑھا دیا۔

”سوری میں نے آپ کے موبائل سے تائی اکی کو کال ملائی تھی۔“ اس کی وضاحت پر وہ دھیرے سے مسکرایا۔

”اٹھس اوکے اور تم میرا موبائل پوچھے بغیر استعمال کر سکتی ہو۔“ وہ دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے بولا۔

”ہوں۔“ وہ سر جھکائے درود شریف پڑھنے میں مشغول ہوئی۔

”تم جاؤ میں عشاء کی نماز کے بعد جاؤں گا پھر جیسے تمہاری مرضی اگر رکنا ہو تو رک جانا اور اگر چلنا ہو تو۔۔۔“ اسے گیٹ کے باہر اتار کر وہ دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر کے لگا۔

”آپ نہیں آئیں گے کم از کم سب سے مل تو لیں۔“ وہ سب کے گفت اور مٹھائی نکالتے ہوئے بولی۔

”تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے۔۔۔“ اس نے بات ادھوری چھوڑی اور اس کی جگہ کے لیے گاڑی سے اتر آیا اس دوران انو نے ڈور بکل بجائی تھی۔

”کیسے مطلب؟“ وہ اس کی مسکراہٹ کا مطلب نہ سمجھ پائی۔

”ابہر آئیں۔“ انو۔۔۔ میری بچی۔“ وہ آتے ہی اس سے لپٹ گئیں اس کا بہترین سوٹ کانوں میں سونے کی بالیاں ہاتھ میں پکڑا بیگ۔۔۔ وہ تو بدل ہی گئی تھی۔

”آ جاؤ۔“ وہ اسے لیے اندر بڑھنے لگیں اس نے مرکز دیکھا سکندر باقی سامان اٹھائے پیچھے رہا تھا۔

”بھول ہی گئی ہو تم تو ہمیں میں نہ بولی تو کہاں یاد آتے ہم تمہیں میرے تو ہاتھ پاؤں ہی پھولنے لگے تھے یہ سوچ کر کہ میری انو واپس آ رہی ہے۔“ وہ مسلسل بول رہی تھیں اس دوران انہوں نے ایک بار سر کر سکندر کی سمت دیکھا تھا۔

”میں چل رہی ہوں انو عشاء کے وقت میں آؤں گا۔“ وہ سامان رکھ کر براہ راست اس سے مخاطب ہوا۔

”کیوں آ جاؤ گے عشاء کے وقت؟“ ممانی نے مھوری ڈال کر اس کی سمت دیکھا سکندر نے بڑی مشکل سے غصے پر قابو پایا انو کو بھی اچھا نہیں لگا تھا وہ اتنی دور سے اسے لے کر آیا تھا کم از کم وہ اسے افطاری کے لیے بھی روک لیتیں۔

”اسے لینے آتا ہے اسی لیے خیر انو تم جیسے چاہو۔“ وہ واپس مڑ گیا اس وقت انو کو اپنے آپ پر بے حد غصا آیا وہ آئی ہی کیوں اب پتا نہیں وہ کہاں جائے گا افطاری کہاں کرے گا اس کی وجہ سے اچھی خاصی بے عزتی برداشت کرنی پڑی تھی اسے۔

”آ جاؤ اندر اماں بھی تمہارا انتظار کر رہی ہیں اور آج تو تمہاری چھوٹی ممانی بھی نیچے ہی افطاری کریں گی۔“ (ماشاء اللہ بڑی پیاری لگ رہی ہے) چھوٹی ممانی نے نیچے آتے ہوئے سوچا مگر کہہ نہیں سکی بڑی ممانی نے ان کی نظروں میں متاعش دیکھتے ہوئے پہلے ہی جملہ داغ دیا۔

”کتنی کمزور ہو گئی ہو انو۔“ اسے شانوں سے تمام کر سامنے کھڑا کیا ج تو یہ تھا کہ اس کی ہمتی رنگت اور بدلا ہوا روپ انہیں اندر ہی اندر بے چین کر رہا تھا نانی بھی بڑی محبت سے ٹی ٹھیں اچانک سے بدلے ہوئے پیر رویے

بڑے بتاؤنی لگ رہے تھے وہ بچپن سے جن رویوں کی عادی تھی وہ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

افطاری میں بہت اہتمام کیا گیا تھا زیادہ تر سامان باہر سے منگوا تھا سو سے اور کباب چھوٹی ممانی اوپر سے بنا لائی تھیں افطاری کے دوران اسے سکندر کا خیال آتا رہا مغرب کی نماز کے بعد ماموں نے اس سے سکندر کے بارے میں پوچھا تو اس نے بھی صاف کہہ دیا۔

”ممانی نے روکا ہی نہیں افطاری کے لیے۔“ اور اس کی اس بات کے جواب میں بھی اسے ساتھ لینے سے روک دیا۔

”میں تو اپنی چچی کو دیکھ کر اتنی خوش تھی کہ کسی بات کا کوئی ہوش ہی نہیں رہا۔“ اور ان کی اس اور ایکٹنگ پر ماموں بس گھور کر رہ گئے تھے کھانے پر بھی خوب اہتمام تھا اسی دوران ممانی مدعا پرائی۔

”بھئی اب عید کے بعد گھر میں شادی بھی ہے تمہاری بڑی خالہ بھی آ رہی ہیں اور ج پوچھو تو تمہارے بغیر گھر میں بالکل بھی رونق نہیں ہے اب میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی بس کر لیا ان لوگوں نے شوق پورا۔“ وہ اس کی پلیٹ میں بیگ پیس ڈالتے ہوئے بولیں۔

”ممانی میں۔۔۔“ اس نے کچھ کہنا چاہا تو نانی نے روک دیا۔

”صحیح تو کہہ رہی ہیں تمہاری ممانی ویسے بھی تمہارے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہے اب ہم تمہاری ایک نہیں سنیں گے اتنا اچھا لڑکا ہاتھ سے نکل گیا تو بعد میں پچھتاؤ گی۔“ ان کی اس بات پر اس نے بے اختیار ہی بیرونی دروازے کی طرف دیکھا تھیں یہ اتفاق تھا یا قدرت کی طرف سے کوئی دعا قبول ہونے کا وقت اسی وقت سکندر اندر داخل ہو رہا تھا شاید اس نے بھی یہ بات سن لی تھی ہما جو گیت کھولنے لگی تھی وہ بھی سکندر کا کر بیٹھے کا نہ کہہ سکی۔

”السلام علیکم۔“ اس نے ماموں کو سلام کیا۔

”وعلیکم السلام بیٹا بھی میں بہت شرمندہ ہوں تم آئے بھی اور افطاری کے لیے نہیں روکا تمہیں آؤ کھانا کھاؤ۔“

ماموں واقعی شرمندہ تھے۔

”جی نہیں شکریہ میں کھا کر آیا ہوں انو کیا ارادہ ہے تمہارا؟“ وہ سہولت سے انکار کرتا انم سے مخاطب ہوا وہ کرسی تھپت کر اٹھ گئی سب نے ہی حیرت سے دیکھا چھوٹی ممانی تو دل ہی دل میں اسے اہتمام کا خرچ نقصان میں جانے کا درد بھی محسوس کر رہی تھی۔

”جی نہیں کافی دیر ہوئی ممانی یہ سب تائی امی نے آپ لوگوں کے لیے عید کے گفت بھیجے تھے اور یہ مٹھائی ہے۔“ اس نے صوفے پر اسی طرح رکھے تو مہ شام بڑی طرف اشارہ کیا۔

”کیا مطلب تم جاری ہو؟“ وہ بھی کرسی تھپت کر اٹھ گئیں۔

”جی ممانی آپ لوگوں سے منا تھا آپ نے افطاری کا کہا تو میں انکار نہیں کر سکی وہاں تا یا اب بھی پیار ہیں اور میں رہنے کے ارادے سے نہیں آئی تھی۔“ وہ دوپٹا درست کر لی بیگ اٹھانے لگی۔

”رات کے وقت یوں اکیسے سفر کرنا ٹھیک نہیں تم اسے جانے دو اب دو دن رہ گئے عید میں عید کے بعد چل جانا ہوا تو۔۔۔ ویسے بھی عید کے بعد شادی بھی ہیں پھر تمہارا رشتہ۔۔۔“ ان کی بات پر سکندر کو یونانی پڑا۔

”یہ رشتے کا کیا معاملہ ہے انو۔۔۔ تم نے انہیں بتایا نہیں۔“

”معاملہ یہ ہے میاں کہ ہم نے انو کا رشتہ دیکھا ہے بس اسی سلسلے میں بات کر رہے تھے اور رامت ماننا بیٹا اس وقت رات کو ہم انو کو تمہارے ساتھ سفر پر نہیں بھیج سکتے۔“ دو ذرا نرمی سے بولیں۔

سکندر کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی اس کی اس مسکراہٹ پر انہوں نے شکی نظروں سے انو کی سمت دیکھا۔

”ممانی میں شادی پر ضرور آؤں گی مگر ابھی میں واپس جاؤں گی اور ہاں میں بھی آپ کو شادی کا کارڈ بھیجوں گی۔“

ستائیس رمضان کو یعنی کل شام ہمارا نکاح ہوا تھا سکندر کو ملی

غیر نہیں ہیں ان کے ساتھ سفر کرتا میرے لیے بھی مناسب بات نہیں تھی مگر کل شام رشتہ ہی بدل گیا۔ وہ شرمیلیں مسکراہٹ کے ساتھ سکندر کی سمت دیکھتے ہوئے بولی اور سب کو سانپ سونگھ گیا۔

”ایسے کیسے نکاح ہو گیا میاں..... ہم بھی کچھ لگتے ہیں انوکے؟“ مارے خفت کے وہ اور کچھ نہ کہیں ماسوں نے گھور کر دیکھا۔

”وہ چھوٹی بچی نہیں ہے اس کی رضا مندی سے ہی نکاح ہوا ہوگا..... خوش ہے ماشاء اللہ۔“ ماسوں نے انہیں خاموش کرایا۔ وہ سب کل کر مگڑی میں جہنمی اسے اور اس کے بھائی کے لیے وہ گرم جوش مفقود تھی جو استقبال سے لے کر اب تک تھی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے وہ تمہیں شادی پر انوائٹ کریں گے؟“ وہ راستے میں ذریعہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”وہ ناراض ہوگئی ہیں سکندر ہمارا نکاح بھی تو اتنی غلط میں ہوا نا۔“ وہ رو دینے کو کبھی سکندر کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوگئی۔

”ویسے ایک بات تو بتاؤ تم ایک دم سے نکاح کے لیے راضی کیسے ہوگئی جیسے کہ پہلے سے ہی تیار نہیں تھی کہ کب ای تم سے پوچھیں اور.....“ وہ شرارت سے بولا۔

”میں کوئی آپ سے شادی کے لیے مری نہیں جا رہی تھی وہ تو امی (تائی امی) نے جب مجھ سے بات کی تو میں سوچ میں پڑ گئی ایک وہ لوگ تھے جو خالہ کو میرا رشتہ کرنے سے منع کر رہے تھے میرے لیے دوسری شادی والے رشتے دیکھے جا رہے تھے اور ایک تائی امی تھیں جنہوں نے مجھے جانے بغیر میری عادات کو پرکھ کر مجھے بھڑکانے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے دل میں ایک ڈر تھا کہ کہیں لوگ یہ نہ سوچیں کہ جائیداد کا حصہ گھر میں ہی رہے اسی لیے بہونا لیا تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ لوگ تو ہر صورت باتیں بناتے ہیں میرے حصے کا پیسہ میرے اکاؤنٹ میں ہوگا آپ کا ضمیر مطمئن ہے تو پھر آپ کو لوگوں کی پروا کرنے کی

ضرورت نہیں بس تائی امی کا خلوص دیکھ کر ہی مجھے اس رشتے کے لیے ماننا پڑا میں اب اس ٹھکانے کو چھوڑ کر اور کہیں جانا نہیں چاہتی۔“ وہ بات کے آخر میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی چہرے پر سکون اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

”یعنی ہم بچی خوش نہیں کا شکار ہو رہے تھے۔“ وہ سر جھٹکے ہوئے بولا۔ انہم کو اس کا یوں کہنا بہت اچھا لگا تائی امی کے خاندان میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی تھی مگر سکندر نے اور خود تائی امی نے اس میں کچھ تو دیکھا تھا سب سے بڑھ کر سکندر نے اسے پہلی بار میں ہی پسند کر لیا تھا اور دل و جان سے نکاح کے لیے رضا مند تھا رات گہری ہو رہی تھی سرگرم پرنٹنگ کی چلتی روشنیاں ماحول کو بڑا خواب ناک بنا رہی تھیں وہ رمضان کا احترام کرتے ہوئے کسی بھی قسم کا اقرار کرنے کے بجائے درود شریف پڑھنے لگی سکندر کو اس کی یہی بات تو پسند آئی تھی اس کے بہنے لہوں کو دیکھتے ہوئے اتنی نیک بیوی پر فخر محسوس ہوا تھا۔

”چائے پیوگی؟“ اس نے گاڑی روکی۔ ”ہوں..... ذرا اسٹرونگ سی۔“ اس نے سر کو ہاتے ہوئے کہا۔

”یعنی تم وہاں ٹینشن لینے بھی گئی تھی اور دینے بھی۔“ وہ گاڑی سے اتر کر چائے لینے چلا گیا۔ راستے میں جب کچھ چوڑیوں اور ہندی کے اسٹال گئے تھے دو دن ہی تو وہ گئے تھے عید میں اور یہ بھی عید میں ممکن تھا کہ کل ہی چاند رات ہو جاتی وہ چائے لے کر آیا تو اونٹنی محویت سے باہر چوڑیوں کے اسٹال کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ”کیا ہوا۔ کیا دیکھ رہی ہو؟“ اس نے اس کی طرف چائے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

”یونہی عید کی روٹی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا اور پھر چائے تھا ملی۔ ”اب دیکھو چاند کب نظر آتا ہے پھر لے چلوں گا

تمہیں بھی تم بھی چوڑیاں اور ہندی لے لینا۔“ وہ چائے پینے لگا۔

”میری عید کا چاند تو میرے سامنے ہے کل کا انتظار کون کرے۔“ اس نے بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہا۔ ”مطلب.....“ وہ بے اختیار اس کی سمت دیکھنے لگا اتنا خوب صورت امتزاف کل رات سے وہ منظر تھا کہ انوکھوں نے نکاح کے بعد۔

”اوہ۔“ باؤ لگی آئی امیر۔“ وہ ہنستا چلا گیا۔ ”تمہیں بتا رہا ہوں محبت نکاح کی محتاج ہوتی ہے اس سے پہلے جو ہوتی ہے وہ محبت ہوتی ہی نہیں تم مجھے پہلی نظر میں ایک اچھی لگی ہوئی تو بیٹیوں کو بڑی ہوئی لڑکی تھی عمر جب امی نے نکاح کی بات کی تو مجھے لگا اللہ نے تمہیں میری زندگی میں شامل کرنے کے لیے ہی یہ سب حالات پیدا کیے اور پھر میں نے باں کر دی بنا مہلت مانگے اور پھر کل رات نکاح مانے پر دستخط کر کے گلے پڑھ کر اللہ اور رسول ﷺ کو گواہ بنا کر جب میں نے تمہیں شرعی طور پر اپنا تبا مجھے احساس ہوا کہ محبت ہوتی کیا ہے کیا تم بھی یہی سب محسوس کر رہی ہو انوکھا؟“ وہ سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھنے لگا۔

”کل رات نکاح کے بعد مجھے اپنا آپ بہت محفوظ لگ رہا ہے یوں جیسے میں کسی مضبوط قلعے کے حصار میں آ گئی ہوں۔“ اس کا امتزاف دل کو خوش کر گیا۔ ”ایک مسئلہ۔“ وہ اتر کر سامنے چوڑیوں کے اسٹال پر گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چوڑیاں اور ہندی لے لیا تھا۔

”دیکھو کبھی میں؟“ ”بہت اچھی اور بہت شکر ہے مجھے یہی مریدہ کسی نے یہ سب اتنی محبت سے لے کر دیا ہے۔“ وہ رو دینے کو کبھی سکندر نے محبت سے یہ تحائف اس کے نذر کیے اور ذرا نیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

”ہوگئی ناں چاند رات آج رات ہی۔“ اس نے گاڑی اشارت کی۔

”میں نے کہا تھا ناں میری عید کا چاند تو میرے

سامنے ہے۔“ وہ چوڑیوں پر ہاتھ پھیرنے لگی زندگی بہت خوب صورت ہونے والی تھی۔

”میں نے زندگی میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے کو خوشی سے قبول کیا ہے وہ رب جو کرتا ہے ہمارے لیے بہت اچھا کرتا ہے ہم بھی کبھی اچھوں کے رویے سے دل برداشتہ بھی ہو جاتے ہیں جو ہوتا ہے اچھا ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے تمہارا بھی دل دکھا سب کے رویوں سے غمران حالات میں تمہاری خالہ نے ہمیں یاد کیا ہمیں بھی احساس ہو گیا کہ کچھ فرض ہمارا بھی بنتا ہے نہ یوں تم وہاں سے یہاں آ گئی میری زندگی میں آ کر میری زندگی کا حصہ بن گئی۔ اللہ کے فیصلے بہت پیارے ہوتے ہیں انوکھ۔“ وہ ذرا نیونگ کرتے ہوئے بڑے دھیمے لہجے میں محبت سے چور لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ سکون سانس لے لے کر مڑی سے باہر دیکھنے لگی رمضان کے اسی مہینے میں وہ پہلی بار اتنے سر سے بعد ملا تھا اور اسی بابرکت مہینے کے آخر میں وہ اسے ہمیشہ کے لیے مل گیا تھا۔ اس نے بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کا مہربان رب اتنا کچھ اس کے دامن میں ڈال دے گا سکون سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار اپنے چاند کی سمت دیکھا اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

”اللہ کے فیصلے واقعی بہت پیارے ہوتے ہیں۔“ وہ چوڑیاں پہننے لگی یہ عید زندگی کی پہلی خوب صورت عید تھی انکی تو اس نے ہندی سے سکندر کا نام بھی اپنے ہاتھ پر لکھتھا تھا بس آسمان کے چاند کا انتظار تھا۔



ذاتی کوریڈور

یاسمین نشاط

تہہ نگہیں بار سنگ گراں ہے دل کہ ہے خاک انا ہوا
کنہیں فرد فرد سے رابطے کہیں شہر بھر سے کٹا ہوا
مجھے بھیجے ہو سمندروں کے سفر پہ کس لیے دوستو
میری ناؤ کھن ہے چھدی ہوئی میرا باد بان بھی پھٹا ہوا



سب بچے بشمول نجمہ شاہد کی درگت
تھے اماں کی چپ بھی بیڈ کے نیچے سے نکل آئے
راہی تھی سکنا کا جن قابو ہی بند رہا تھا اور بھی اس کے منہ پر
زبانے دار چھتر پڑا وہ ایک لمحہ کو کھسکی اس سے پہلے کہ کچھ کہتی
دوسرا پھر ترسٹھوٹے لاشیں عجیب تماشا ہی شروع ہو گیا تھا
اب وہ شاہد کے بال چھو کر اپنا بچا کر رہی تھی اور ساتھ میں
مغالطات کیا رہی تھی بشرطیکہ اندازاً یا کسی کو کانوں کو خبر
نہیں ہوتی تھی۔ بشرطیکہ کیا سکنا کو کہتے ہوئے کمرے سے
باہر نکلا۔

”کھادی اوقات اپنی عزت میں نہیں آئی تھی۔“ دھکا
دے کر ایک اور کمرہ رسید کی اور وہیں لیکن کی دیکھ کر کہنے
چاہیے تھیں بچوں کو کمرے میں کمرے میں چلی گئی سکنا
دیں پڑی سکتی رہی کوئی اس کے قریب نہ گیا صبح ہوتے ہی
جو پہلا شور مچا وہ یہ کہ سکنا میں کی بشرطیکہ لگ گئی ڈھونڈنے
گئی پر نہیں ہی وہ اپنے کسی بھی ٹھکانے پر نہیں تھی اس کا دل
افسردہ ہوا لیکن زیادہ دن نہیں رہا۔ نظر التفات پھر سے نجمہ پر
مركز ہو گئی کھڑی کیوں ہو تھیں کیوں ہو؟ نمک زیادہ چینی کم
ماں کی خدمت بچوں سے الغرض سارے الزامات مزید
شدت سے چپکتے دیکھتے واپس آ گئے۔

عزم ہوا بچوں کو لے کر واپس چھٹا جاؤ اس کا دل نہیں مانا
انکا ر کردیا وہ مطمئن تھی وہ اس بستر پر کیسے سو سکتی تھی جہاں اس
کے شوہر کی محبت سوتی رہی تھی کاٹنے نہ آگ آتے اس کے
وجود میں سلیں زندہ وجود تو گوارہ تھا مگر۔

وقت بگڑا اور گڑ گیا بچے بچے ہو گئے اور خود بھی کسی
کے کمرے میں نہ تھے پڑی آ باہر کی چادر اوڑھ لے اپنے چھ
بچوں کے ساتھ چار سال پہلے نہیں آ کر آ باہر ہوئی تھیں اب
اس پر نظر عنایت اور بڑھتی تھی اماں بشرطیکہ اور شاہد اس کا دل
کرتا تھا کہ نوں میں پٹلی والے اپنے آپ کو نہیں پھینک
آئے لیکن کھربچوں کی چیخ و کار سے میدان جنگ نہ ہوا تھا۔
چادروں آ پس میں لڑنے لگانا ہورہے تھے۔

بیڈ پر بیٹھی ساجدہ چیخ و پکار سن کر انہیں چپ کرانے میں
ناکام ہوئی تھی۔ تانیہ نے لڑتے ہوئے بھائی روا کی فراک
کھینچی تو وہ اوڑھتی چلی گئی۔ اس نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اب
ردا جوتا اٹھا کر تانیہ کے پیچھے پیچھے اس کمرے سے اس کمرے
پھر مرن اور پکن میں بھی تھی پھر رہی تھی۔ پھر جیسے ہی وہ نشانے

پہا کی ردا نے جوتا کھینچ مارا تانیہ تو جھک گئی اور جوتا سیدھا داخل
دروازے سے اندر آتے بشرطیکہ سینے پر جا لگا۔ وہ دونوں تو در
کر اندر بھاگ گئیں۔ اس شاندار استقبال پر وہ دھاڑے بنا
رو نہ سکا۔

”کیا بد تمیزی ہے یہ؟“ نجمہ جو چھت پر کپڑے پھیلا کر
بیٹھا رہی تھی چھٹس گئی۔ بشرطیکہ ہا آسانی تو یوں کا رخ ادھر
مڑ گیا۔

”کوئی تمیز کوئی سلیقہ کھسا بھی سکتی ہو تم ان بچوں کو کہ نہیں
بر وقت بد تمیزی ہر وقت اچھل کود ڈھکوب۔ دیکھو راپا کو کسٹام
کے بجائے جوتے چپس کے چارے ہیں۔ یہ اوقات ہے
میری اس گھر میں۔ اس اولاد کے لیے سارا دن دھکے کھا کر
کھڑا ہوں میں لیکن تم۔۔۔ تم کیا کھاؤ گی اس آداب
تم تو خود ناواقف ہو۔“ وہ بکلتا بھٹکا اندر چلا گیا۔ جب کہ نجمہ کا
ایک سر بیڑھی اور دوسرا ہوا میں ہی معنی رہ گیا تھا۔ اس نے
اپنے کپڑے وجود کو سینا اور کپڑوں کی نوکری لے کر واشنگ
مشین کی طرف بڑھ گئی۔

بشرطیکہ بھوک لگی ہوئی۔ اس نے سوچتے ہوئے مشین
آف کی رہ جانے والے کپڑے باسکٹ میں ڈالے اور اچھ
دھو کر اندر آئی جیسا کہ اسے امید تھی بشرطیکہ کو نہ بارودا بھی ختم
نہیں ہوا تھا اور بیڈ پر پڑی بیمار ماں بھی کھاس کھاس کر اس کا
ساتھ دے رہی تھیں۔

”کھانا کھا لیں گے یا چائے لاؤں؟“ دوپٹ کے پنو سے
اس نے پہلے بچہ اور پھر منہ پوچھا۔ اس کا ایک ایک عضو بشرطیکہ
کی طرف متوجہ تھا جب کہ اب وہ ہولے ہولے ماں کی
ناہیں دباتے ہوئے اسے سسر نظر انداز کر رہا تھا۔ اس نے
دوبارہ پوچھا اور جواب نہ پا کر بچوں کا پھیلایا سامان سینے لگی۔
بچے شرارتی بھی بہت تھے۔ سارا دن اوڑھ پچائے رکھتے اور
گھر کے سارے کام نہ کرتے ہوئے جب اسے پھلانا بھی
سین پڑتا تو بیسے بس اس ہو جاتی۔ پھر وہ بڑبڑاتی پھرتی۔
”اے بچو۔۔۔ یہ سینا ضرور ہی ہو گیا۔ جب سارا دن گھر

میدان جنگ کا نقشہ پیش کرتا رہتا ہے تو وہ گھٹنا اور کسی۔ شوہر
باہر سے دھکے کھاتا آیا ہے۔ اس کو کھانا پانی تو دے دے۔“
اماں نے ہمیشہ کی طرح نیل والا کام کیا۔ بشرطیکہ آنکھوں میں
آگ جھڑکی اور اس سے قس کے الفاظ کے شعلے اسے اپنی لپیٹ
میں لیتے۔

”لائی ہوں“ کہہ کر فوراً نکل گئی۔ کھانا گرم کرتے اس نے سبک میں پڑے چائے کے برتن بھی دھو لیے، بشر کے ساتھ ساتھ اس نے اماں کے کھانے کی بھی ٹرے تیار کی۔ ابھی اس کا بہت کام باقی تھا کرنے والا۔ یہ دونوں کھانے سے فارغ ہو جاتے تو وہ اطمینان سے سمیٹ لیتی۔ خود اس نے دوپہر کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ بچوں کو کھانا کرانے مشین لگا لی تھی۔ اس دوران شام کی چائے کے ساتھ ساتھ اس نے بچوں کو ہوم ورک کروایا اور ابھی بہت سارا کام اور بھی تھا جس کے متعلق سوچ کر اسے وحشت ہو رہی تھی۔ تھکن سے اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا اور جی چادر ہاتھ کا سب کچھ چھوڑے اور بڑکھڑو جاتے۔ بچے اب سکون میں تھے۔ اس نے اماں کے کھانے کی ٹرے تیار کی پر رگی اور بستر کے لیے لانے کے واسطے مڑی ہی تھی کہ بمشراٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”بڑی آبا اور ان کے بیٹے آرہے ہیں۔ کھانا ادھر ہی کھائیں گے کھانا کالو..... گوشت رکھا ہے بالادوں؟“ اس نے بتا کر پوچھا۔ بشر کے الفاظ چابک کی طرح برستے محسوس ہوئے۔ اس کا جواز جواز دکھ رہا تھا اور اس کا قطعاً موڈ نہیں تھا اسنے لوگوں کا کھانا نئے سرے سے پکانے کا۔ اس کا چہرہ واٹر گیا۔

”کیا ہوا..... سانپ کیوں سوکھ گیا آپا کے آنے کا سن کر؟“ بشر کی عقوبتی نظروں سے اس کی بیزاریت چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

”نہیں وہ میں کہہ رہی تھی کہ آج مشین بھی لگائی تھی صفائی بھی کی۔ تھکاوٹ..... تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے تو.....“

”تو کیا مع کر دوں؟“ دو تھپتھپے چوتھوں سے اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا بشر۔ بہت تھکاوٹ ہوئی..... میں کہہ رہی تھی کھانا اگر باہر.....“ بات اب بھی پوری نہیں ہونے دی گئی۔

”تو کون سا نوکھا کام کیا؟“ اماں کا بھڑکتا اعتراض آیا۔ ”مجھے تو آج تک سمجھ نہیں آئی یہ غریب گھروں میں کلوہ کے قتل کی طرح جتنی لڑکیاں اچھے خاندانوں میں آتے ہی اپنی اوقات کیوں بھول جاتی ہیں۔ یہ سب تو تم اپنے گھر بھی کرتی

آئی ہو کون سے نوکر تھے وہاں یہاں دو کام کر کے تمہاری تھکن بڑھ جاتی ہے۔ کھانا صفائی دھلائی تو ہم چٹنی بچاتے کر لیا کرتے تھے۔ تم سے دو دو گھنٹہ بڑی نہیں لگائی جاتی۔ دو مہمان آجائیں تو دواو بلا شروع کر دیتی ہو۔ سید کی طرح جو میری بیٹی کا آتا کھلتا ہے۔ ہائے بشر میں مرکوبیں نہیں چلیں سب سے بڑا وجہ تو میں ہی ہوں اس کے لیے۔“ اماں کے بین شروع ہوئے۔ بشر نے غصیلیں نظروں سے اسے گھور اور ”دفع ہو جاؤ“ کا اشارہ دیا اور خود بمشرا فوراً ماں کا سر گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور دبانے لگا۔

”کیوں ایسی باتیں کرتی ہیں آپ؟ کیا کچھ کہا اس نے؟ آپ کی خدمت میں کوئی بات کی؟“ وہ پوری امید سے پوچھ رہا تھا اور ماں نے اس کی امید توڑی نہیں۔ ”ارے نہ بھی کہے تو اس کا ایک ایک شل گواہ دیتا ہے کہ معذور کو سنبھالتے ہوئے اسے کتنا غصہ آتا ہے۔ ایسی ایسی شکلیں بناتی ہے کہ الہامان۔“ وہ کہہ کر اپنے گلیں۔ نجمہ جو کہ منتظر کھڑی تھی اگلے حکم کے لیے حریص رہ سہ نہ سکی اس حالت میں بھی بہتان طرازی سے باز نہیں آئی تھیں۔ اللہ گواہ تھا اس نے بھی ان کی خدمت میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ پھر بھی وہ اس سے خوش و مطمئن نہیں تھیں۔

دل کی سلین زدہ دیواروں پر کچھ اور پانی گرا تھا اور ذات کی سفیدی پورے وجود پر بکھری تھی۔ اس نے خاموشی سے ٹرے اٹھائی اور واپس کچن میں آگئی۔ بشر نے کب تک اور کیسے ماں کے دکھے دل کی تسلی و تسکین کی۔ اسے جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ بشر تکا تے ہوئے سے رات کے تھکاوٹ بچ گئے تھے۔ بڑی آبا بھی دیر سے گلیں۔ ان کے جاننے کے بعد سارے برتن سمیٹنے کچن صاف کر کے اماں کو دوائیاں کھلانے کے بعد وہ صرف اتنا ہی کر سکی کہ اوپر سے جا کر کپڑے اتار لائی۔ اس کی ساری کرنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ کھانا بھی تو فراموشی کا تھا۔ چار گوشت، سبزی، بریانی، کوئٹے اور ٹرائل یاد کرنے ہوئے آنکھوں میں دھیر سا پانی جمنا تھا۔

”بیٹیاں تو بس اپنے گھر میں ہی مہارائیاں ہوتی ہیں“ چاہے غریب ہوں چاہے سائبر سسرال میں آ کر وہ بابائہ خواہ لینے والی ملازمہ سے بھی کم حیثیت کی بنادی جاتی ہیں۔ سسرال والوں کا دل چیتنے کی خاطر ایک ایک کی خدمت کرکٹ کیا ان پر مفت کی ملازمہ کا سبیل لگ جاتا ہے۔ وہ خود جان

نہیں باتیں۔“ بستر پر لیٹ کر اسے خندلانے میں زیادہ تک و دوئیں گزرتی۔ دو منٹ میں بے سمدھ بڑی تھی آکھ بمشرا کے چلانے پر کھلی صبح ہو چکی تھی اللہ رم بچ کر خاموش ہو گیا تھا اور بچے اسکول سے لیٹ وہ چٹنی بھی جلدی کر لیتی ان کو وقت پر اسکول نہیں لے جاسکتی تھی۔ یونیفارم پر لیس کرنا تھا تاہم شروع اوپر سے ابھی ان کو جگانے کی ضرورت تھی۔ رات کو تو اس کی ہمت نہیں رہی تھی یونیفارم پر لیس کرنے کی سوجنا تھا جس کی جلدی اٹھ کر کر کے کی تھکاوٹ نے اسے ہوش ہی کہاں لینے دیا تھا۔ بمشرا چلا رہا تھا اماں ہائے ہائے کر رہی تھیں صبح چھپنے والی چائے جو بس ہو گئی تھی۔ وہ منافقت اٹھی منہ بریانی کے دو چار چھینٹے مار کر کچن میں آئی۔ چائے کا پانی چڑھا کر بشر کے پڑے اسٹری کیسے اٹھا تو اس دودھ کا کھانا بشر کے آگے رکھا۔ اماں کو چائے بکٹ دے کر وہ کرم اور معظم کے لیے راتھے لگانے لگی کہ پھر سے صور پھونکا جائے لگا۔ وہ ہاتھ میں لیکن لیے کچن کے دروازے میں آئی کہ دیکھے یہ کیا ہوا۔ تو بشر کے آگے دھڑی تاشے کی پیٹ اس کے قدموں میں آگئی۔ اٹھا تو اس پیٹ سب کچھ بکھر گیا۔ کتنی بے رحمتی کرتا ہے یہ شخص رزق کی۔

”دھیان کہاں رہتا ہے تمہارا۔ زہر کر دیتی ہو کھانا“ اماں نے نمک کی کان خرید لی ہے جو یوں ہاتھ کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ ایک دن ڈھنگ سے کھانا نصیب نہیں ہوا جب سے تم آئی ہو میری زندگی میں جانے کس گناہ کی سزا ہو تم۔“ وہ ٹرے پر بے دھکیلا دھب دھب کرتا باہر نکل گیا۔ اماں کے دل میں حلوئی کی دکان کھل گئی تھی۔

”ارے نبھو۔ ارے نبھو.....“ حلاوت زبان تک آگئی تھی۔ ”دھیان رکھا کر۔ شوہر کو ڈھنگ سے کھانا تو دے دیا کر اے سارا دن خوار ہوتا ہے تم لوگوں کے لیے اور کن ایک پیالی چائے کی اور لا دے بہت اچھی بنائی آج تو۔“ اس نے ٹرے سمیت رزق میں ڈالے اور جب اماں کی خالی پیالی لے کر کچن میں آئی تو پراٹھا تو سے پر پڑا چل کر سیاہ ہو چکا تھا۔ کچن کا حوالہ اس کی آنکھوں میں ہی بکھر گیا۔ لے گا آخری بیڑ اٹھا اور دونوں میں سے جس کو پراٹھا نہ مٹا اس نے مشکل کر دی تھی۔ اس نے خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کیا۔ اسے اور کچھ نہ سمجھا تو وہ کچن زمین پر بیٹھ کر بے آواز رونے لگی۔ غریب گھر کی تھی ناں آو گئی آواز میں رونا زیب نہیں دیتا تھا۔

وہ روکتی ہی نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

بشر سے جب اس کی امیر کبیر خالد زاو نے شادی کے ساٹھویں دن بعد طلاق مانگی تو سب ہکا بکا رہ گئے۔ وہ بشر کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ بمشرا سرت رنگی تھیں کا ولدا وہ تھا۔ آوارہ منش اماں نے بھانجی سے بیاہ دیا کہ اکلوی تھی دولت چاندیار ہاتھ لگے گی لیکن بمشرا سیدھا ہوا کے نہ دیا۔ سیدھا سیکے جا کر بیٹھ گیا بمشرا کو ساری دنیا کی عورتوں میں دیکھ کر بھی سوائے اس کے وہ کوئی غریب خاندان کی تو بھی نہیں جو جب چاہے پروا نہ کر لیتی شور مچا رہا۔ ساجدہ کو اپنی عزت بچانی مشکل ہو گئی۔ دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر مضاف کے لیے گئی۔ بہن بہنوں نے تو سنا نہیں سونا نہیں۔ سید کا بھائی بھی خوب بے عزت کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی زندگی برباد کرنے میں خالد کا ہاتھ ہے۔ جب وہ اپنے بیٹے کے متعلق اچھی طرح جانتی تھیں تو انہوں نے کیوں دھوکے میں رکھ کر اس کی شادی کروائی۔ ساجدہ نے بہتری تسلی دلا سے دیے لیکن سید کا بھائی انہیں گھر سے طے جانے کا کہہ دیا۔ ساجدہ بیگم تو تڑپ ہی اٹھی ان کی کٹی بھانجی گھر سے نکال رہی تھی اور بہن بہنوں خاموش تھے۔

گھر آتے ہی انہوں نے بشر کے خوب کان بھرے اور کہا کہ وہ سید کا کونوں کرے اور اسے دھمکائے کہ اگر وہ گھر واپس نہ آئی تو وہ اسے طلاق دے دے گا۔ جیسے ہی بشر نے فون کیا تو وہ تو جیسے پہلے ہی تیار کھڑی تھی۔ فوراً شروع ہو گئی۔ ”تم کیا طلاق دو گے؟ میں خود تمہیں ٹولس بھجوا چکی ہوں..... انتظار کرو کچھ دن۔“ اس نے کھڑا ک سے ریسیور رکھ دیا۔

ساری تدبیریں اٹھی ہو گئی تھیں۔ دولت کی باندی دروازے سے آ کر مڑ گئی۔ ساجدہ بیگم کا رخ تیار لازمی تھا۔ انہوں نے بشر کو خوب برا بھلا کہا۔ بھائی بھادوچ کے پاس نہیں لیکن سے معافی مانگیں مگر سید کا بھائی کو جانے کیا بات تھی کہ وہ بشر کے ساتھ بیٹے کو تیار ہی نہیں تھی۔ خود بشر بھی کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا اور یوں یہ شادی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اماں کو تو ایسا صدمہ پہنچا کہ چار پائی پر ہی پڑ گئیں۔ ہاتھ آئی دولت الگ گئی اور بہن سے رشتے داری بھی ختم ہو گئی۔

چند دن بعد ہی بشر ایک لڑکی کی تصویر اٹھائے چلا آیا۔ پرانا عشق تھا۔ اماں کی جلد بازی کی نذر ہو گیا تھا۔ جان پھٹی تو رابطے پھر بحال ہو گئے۔ بڑی مشکل سے ساجدہ کو منایا اور رہا باب کے گھر لے گیا۔ رہا باب کے بھائی تو بشر کو دیکھ کر ہی آگ بگولہ ہو گئے۔ ایک تو کمن نکال لایا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگے۔ رہا باب کی بھی اچھی خاصی خبر لی اور اس کے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی گئی۔ ساجدہ نے بشر کے دو لٹے لیے کما کھلے چھوڑ دیے بشر کو کسی شخص کے گھر سے نہیں کاٹا لیکن ساجدہ ماں تھی۔ بیٹے کا گھر تو بسا نا ہی تھا۔ پھر سے لڑکیاں دیکھنا شروع ہیں۔ خاندان برادری میں تو کوئی ان کو رشتہ بنو پڑا۔ مادہ نہیں تھا۔ باہر سے بھی جو ساجدہ کو پسند آتیں وہ بشر کو رنجیت کر دیتی تھیں۔ پڑی آپا نے اماں کو برا بھلا کہا۔ اب کی بار لڑکی غریب گھر سے لائی جائے وہی ایڈ جسٹ کرے گی بشر کے ساتھ اور پھر جو مرضی کر لو اس کے ساتھ۔ نہ وہ بول پائے گی نہ اس کے گھر والے۔ کچھ ”نواذہ“ اماں کو یاد تھے۔ کچھ حریفان کو ”ازیر“ کرادیے گئے۔ یوں قرعہ قال نکلا۔ نجمہ کے نام اور۔۔۔ واقعی آپا کی ”دور اندیشی“ صحیح ثابت ہوئی تھی۔ نجمہ کو انہوں نے جو عطا چاہا تھا وہ بین گئی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بشر کے کاٹ دار جیلے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھ رہے تھے تو نجمہ کی قوت برداشت کم ہوتی جا رہی تھی۔ برتن بھر کر یا تو چمک جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے اور نجمہ اب اس کیفیت میں جتنا رہنے لگی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا۔ اپنی ماں کی ”ایک چپا سوکھ“ والی نصیحت پر لات مار دے اور بشر کو کھری کھری سناڈا لے اس کی بہت وہ مسلسل سوچتے رہنے کے باوجود بھی خود میں نہیں پاتی تھی۔ سلیں زودہ یواریں بہت خستہ ہو چکی تھیں۔ آنکھیں خشک تول نہ رہنے لگا تھا۔ پتہ نہیں اماں نے اس کا کیا وہ ان لوگوں جھمیریں (بھیمیریں) والے گھر میں کیوں کیا تھا؟ اب اس کی مخالفت کی بھی امتزاض کیا تھا کہ جس نے سکی خالہ کی لڑکی نہیں بسا کی وہ غریبوں کی لڑکی کو کیا اہمیت دے گا۔ لیکن اماں کے لیے یہ رشتہ نعمت غیر مترقبہ تھی۔ اماں کی تو آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں پوری برادری خاندان میں کسی کا اتنی اونچی منگ سے رشتہ نہیں آیا تھا۔

”تجھے تو بے کار کے وہم ہیں۔“ اماں نے سر جھٹکا تھا۔ ”دیکھ مجھے خیر دین نے بھی بتایا اس کا آتا جاتا ہے مراد

صاحب کے ہاں۔“ اہاراضی نہ تھے۔ ”کوئی غریبوں میں رشتہ لینے ہی تب آتا ہے جب انہیں اپنے دھنکار دیتے ہیں یا پھر کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔ لڑکے کے چمچن ٹھیک نہیں سنا ہے میں نے مت جھوٹا آگ میں بیٹی۔“ ابا جتنا سمجھا سکتے تھے سمجھا۔ لیکن اماں کے بقول سب ان سے مل رہے تھے۔ وہ جانتی تھیں کہ لڑکی ملائی خود مرچیں۔ بارہا اس نے خالہ کو کسی رشتے کا غلط دیکھا۔ لوگ بونہی باتیں کرتے۔ وہ ساجدہ نجمہ کے رکھ رکھاؤ سے اور بشر میاں کی وجاہت سے بری طرح گھٹا لے ہو چکی تھی۔ اتنی اچھی قسمت تو مقدر والوں کو ملتی ہے لیکن وہ بھی سمجھ سکتی کہ ان بن کر بشر کے گھر آنے کے بعد اس کی اچھی قسمت ابا کی پاست میں ہی پڑی ہو گئی۔ وہ پاست جس میں ابا اس کے لیے پانیاں بھی کھینک بھی لگتی برنی چھپا کر لایا کرتا تھا۔ یہاں دوست کی فراوانی تھی خوشیاں چٹک نہیں میں نہیں۔ کسی کی وہ پکٹ بھی ایسی نہیں جہاں اس کی خوشیاں سما سکیں۔ اس کی شادی کے کچھ دن بعد ساجدہ ہاتھ روم میں پھسل کر گری اور کوہ لپے کی ہڈی توڑا۔ بھٹی پڑی آپا نے نحوست کا تاج نجمہ کے سر پر رکھ دیا اور نگے میں ملازمہ کا طوق پہنا دیا۔ وہ طوق جو ماہانہ نغواہ لینے والی بھی اپنے نگے میں نہیں پہنتیں۔ ان کے بھی سو نگرے ہوتے۔ عزت نفس ہوئی۔ لیکن بیویوں کو یہ سب کرنے کی اجازت نہیں ملتی نہ اجرت نہ تنخواہ نہ سال بعد نغواہ میں اضافہ۔ نجمہ کے ذمے بیمار ساس کو سنبھالنا اس کی خدمت دیوروں کا خیال رکھنا نندا نے تو اس کے آگے بچھ بچھ جانا ان کاموں کے علاوہ تھا جو اس نے روٹین میں کرنے تھے صفائی کپڑوں کی دھلائی استری کھانا ناشہ پینے اور ایک بد مزاج شوہر جس کے ماتھے پر ہر وقت تل اور زبان پر انگارے دھرے رہتے تھے اس کو بھی اچھی طرح نبھانا تھا۔ جتنے کام اس کے ذمے تھے۔ اسے ضرورت ہی کہاں تھی کہ رک کر دو منٹ سو رہے۔ عجب بھاگ دوڑی اس کی زندگی تھی۔ بچوں تک کو دیکھ کر پانی ٹپکی۔ جلدی جلدی آنکھیں کھانا کھانی ہوم ورک بھی بھاگ بھاگ کر ہو رہا ہوتا اور رات کو بشر کے گھر آنے سے پہلے بچوں کو سلا دینے کی کوشش تاکہ اس کو امتزاض کرنے کا موقع کم سے کم ملے۔ پھر بھی گھر آتے ساتھ ہی اس کا پہلا امتزاض یہ ہی ہوتا کہ وہ اماں کا خیال صحیح طرح سے نہیں رکھتی۔ اس کی ذات اس کے خاندان کی وہ وجہاں اڑاتا کہ وہ سوچتی اس نے کب

کہاں اور کس کا خیال نہیں رکھا۔۔۔ کب مکرم اور معظم ہو کر مگے گھرے؟ کب بڑی آپا آئیں تو اس نے ان کا شاپلا استقبال نہیں کیا؟ کب ان کے بچوں کے ناز نگر۔ اٹھئے؟ اس کے جسم کے ہر عضو دکھ رہا ہوتا جب وہ بستر پر کر لیتی تھی اور ابھی وہ پوری طرح ٹھکنے اتار بھی نہیں پاتی تھی کہ صبح کاموں کی جلی غبرست پھر اس کی منتظر ہوتی تھی۔ باقی ساری چیزوں کی طرح اس کا سکون بھی شاید ابا کی پاست میں بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ان دنوں وہ عجیب سی تکلیف میں تھی۔ ہر وقت جسم دکھتا تھا۔ طبیعت گری گری تھی۔ کوئی کام کرنے کوئی نہیں کرتا تھا۔ تو کاؤٹ اتنی نہیں لگی اور کام ستر نہیں ہوتے تھے۔ اس کا جی چاہتا تھا سب کچھ چھوڑ چھوڑ کر تین چلی جائے۔ کام کرنے کا خیال ہی اسے جتنی جیسے عذاب میں مبتلا کرنے لگا تھا۔ بچوں کے استخوانات بھی شروع ہوئے والے تھے اور وہ بچوں کو ذرا بھی ناگرم نہیں دے پاری تھی۔ یہ تو کوشش کر رہی تھی خود سے مگر ردا کو پکڑ کر نضام پڑتا تھا۔ اسکول سے پرنسپل پرنسپلنگ کا نوٹس بھی آیا ہوا تھا۔ اس کا جانے موزا نہیں تھا۔ دوسرے اس کے پاس زحمت کا ایک جواز بھی نہیں تھا۔ جو وہ کہیں سراسول جاتی۔ چھٹی بار بھی تانبے نے اسے ٹوکا تھا کہ وہ ہر بار ایک ہی سوٹ پہن کر اسکول کیوں آتی ہے۔ سب کی ماما اتنے اچھے اور فیشن میں کپڑے پہنتی ہیں۔ اس نے نوٹس بشر کے آگے رکھا اور بتایا۔ اس بار وہ اسکول نہیں پائے گی۔ حسب عادت وہ سچ یا ہوا پھر چلا گیا۔ واپس آیا تو جیسے کوئی شہر تھا۔ ردا کی کچھلے اس کی خوب شکایتیں کی تھیں۔ اس کی فوج بڑھتی پرانے ٹیکسٹ بک۔ کلاس میں ہر دوسری لڑکی سے اس کا جھگڑا چل رہا تھا۔ پچھری چیز پریشانی گراوی کسی کا جی پکس چھپا دیا اور تو اسکول بیک سے بیس کی جگہ جوتے اور صبر کے رتن نکلتے ہیں۔ وہ اس سے اس کی ”مصروفیت“ پوچھ رہا تھا اور ”وجہ“ جاننے کے درپے تھا کہ وہ کیوں بچوں کی طرف سے اتنی لاپرواہ ہے۔ وہ چپ کی پٹائے کو بہت چھوٹا مگر کھٹنے والا دارغ کسی کے پاس نہیں تھا۔ اس کی خاموشی نے بشر کے غصے کو مزید ہوا دی۔

”تمہیں کچھ خبر بھی ہے تمہاری اولاد کیا کرتی پھر رہی ہے کون سے کام ہیں تمہارے جو بچوں کی تربیت کے لیے وقت

نہیں تمہارے پاس تربیت۔ لیکن تم کیسے کر سکتی ہو تربیت تمہاری تو خود کسی نے تربیت نہیں کی۔۔۔ خنزروں سڑکوں پر مٹنے والیاں پتہ نہیں اماں نے تمہیں میرے لیے باندھا کیوں شکل صورت عقل سے کیا تمہارے پاس؟ تمہاری کلاس کی لڑکیوں کو بس ایک ہی شوق ہوتا ہے کسی طرح امیر مرغا پھنس جائے اور وہ مہارائیاں بن کر زندگی گزاریں۔ ہونہذا ذات دی گورہ کر لی تے پختہ ال لوں چھٹے۔“ وہ ساری ہمساری اس پر کر رہا۔ وہ خاموشی سے بیڈ کی پائنتی پر سر جھکا کے دونوں ہتھیلیاں پھیلائے بیٹھی رہی۔ بہت کچھ بولا تھا اس نے بہت کچھ سنا ہے اپنے نصیبوں کو کوسا۔ جو اس بھی عورت اس کے گلے پڑ گئی تھی۔ اپنی ماں پر تھا ہوا اس نے ایک غریب عورت کو اگر اس کے عالی نسب خون میں گندا خون شامل کر دیا تھا۔ نجمہ کا وہ ترخ رہا تھا۔ لیکن زودہ وجود بھی کالی ایک بار پھر سے ہری ہو رہی تھی اور وہ مر جھانے لگی تھی۔

دن تو جیسے تیسے بیت گیا۔ رات آتے ہی اس نے صبح کی بجی بے عزتی اس کے سپرد کی۔ پتہ نہیں سارا دن یہ سب اندر کیسے رکھا تھا۔ وہ بول رہا۔ بولتا رہا پتہ نہیں وہ اتنا کیسے بول لیتا تھا۔

”بشر میں اب جھک جاتی ہوں۔ مجھ سے اتنا کام نہیں ہوتا۔ کوئی ملازم رکھ لیں تو۔۔۔“ وہ جواب میں صرف اتنا بولی۔ وہ رپ ہی تو گیا۔

”بابا۔ ملازمہ چاہے مگر مگر کھیری ماں بو جھگتی ہے تجھے۔“ ماں اصل بات تو یہی ہے۔ اس کا ڈھکن پھر کھل چکا تھا اور جلدی بند ہونے والا نہیں تھا وہ تکیہ اٹھا کر بچوں کے گھر سے مل گئی۔ بشر بچوں کو اپنے کمرے میں سلائے پر ردا نہ تھا۔ اسے ان کے آدھی رات میں اٹھ کر روٹنے پر امتزاض تھا اور جو ساری رات ساتھ پڑے روٹی تھی اس کی سسکیاں بھی دنتی دیں۔ بشر نے بھی چپ نہ ہوا اسی طرح بکنا جھٹکا اس میں کیا اور اماں کو لکڑ پڑنی۔

”کیوں دیکھی کر رکھا ہے۔ جب سے عیاہ کر لی ایک دن کا سکون نصیب کس ہوا ہے۔ پتہ نہیں کون سا بار وقت تھا جو میں شادہ کی باتوں میں آ گئی۔ ڈھیر لگا تھا رشتوں کا اور۔۔۔“

”تو کیا کیوں نہیں؟“ وہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ساجدہ نے ہکا بکا اسے دیکھا۔ وہ بول رہی تھی اور از کے

مقابل کھڑی تھی۔

”بتائیے ہاں اتنے اچھے رشتے موجود تھے تو پھر کیوں چٹا مجھے اپنے راجہ بیٹے کے لیے؟“ اس کے صبر کا بیان نہ لبریز ہو چکا تھا۔ کل سے جتنی باتیں وہ بشری کی سن رہی تھی اس نے نیکر کا دماغ کھولا کر رکھ دیا تھا۔

”مت ماری مٹی مٹی میری ... ہائے ... دن بھی دکھنا تھا۔ اے مکرم، معظم ذرا بشر کو فون لگا جتا اسے اس کی بیوی پوچھ رہی ہے کہ ہم اسے کیوں بیاہ کر لائے۔ اسے مجھے اس جھوٹے بیوی سے نکال کر اس محل میں رکھا اور تو اپنی اوقات بھول گئی۔ تیرا قصور نہیں کھائے کو پیٹ بھر اور بیٹش و آرام مل رہا ہے۔ ہاں اس لیے پیٹ بھٹکے ہوئے تھوڑا سا سجادہ بھی کہاں کم کھی ماں بیٹا جانے کسی کی تربیت کے زیر اثر تھے۔“

”پھٹ جائے پیٹ، دماغ کی لیس پھٹ جائے جا ہے۔۔۔۔۔ آپ لوگوں کی جان تو چھوٹے مجھ سے۔“ وہ بھی اونچا نہیں بولی تھی عادت نہیں تھی اسے لیکن حالات اور ان کے عجیب کا زہر اس کی رگ رگ میں پھیل گیا تھا۔ وہ جاہرا آئی اور محنت میں رہی کرسی پر بیٹھ گئی آج وہ کوئی کام کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ ذرا ان لوگوں کو پتہ چلے۔ آخر یہ گھر چل کس طرح رہا ہے۔ ساجدہ بولی رہی اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا بولنا چلانا نہ برا گیا مگر وہ چپ ہی رہی پھر اس نے ماں کا غبر ملایا اور پوچھنے لگی۔

”ایک بات بتانا، ایک آدمی گھر میں جانور رکھتا ہے تو اسے کھانا دیتا ہے خیال رکھتا ہے آتے جاتے پیار سے چھٹی بھی دیتا ہے۔ تو ایک عورت جو سارا دن گھر کے کام کرنے شوہر اور ساس کی خدمت کرے بچوں کو سنبھالے شوہر کے بہن بھائیوں کا خیال رکھے کیا اس کو پیار محبت کی ایک چھٹی کی ضرورت نہیں ہوتی؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ شوہر بھی کبھار اس کو محض استعمال نہ کرے صرف پیار کے دوپول بول دے۔ انسان نہیں تو جانور بھی ہے۔ اس کے اندر کی جھوک ترخنے لگی تھی۔ ماں زور سے ہنس دی۔

”جھلی نہ ہو تو انسان انسان ہوتا ہے جانور جانور۔“

”ضمیم ہاں انسان جانور سے بھی نچلے درجے پر ہوتا ہے۔ اگر اس کی زندگی کا اختیار کسی ایسے کے ہاتھ میں آ جائے جو اپنے اور خدا کے اختیارات میں فرق نہیں رکھتا۔“ اس کا لہجہ بے حد ناپا ہوا تھا۔

”کیوں ایسی باتیں کر رہی ہے آج؟“ ماں کو تشویش ہوئی۔

”تو انہی جانوروں میں رہ رہ کر ذرا اندر کا انسان کھوکے لگا رہا تھا۔“ وہ ہنس دی۔ ان کی تشویش کم نہیں ہوئی۔

”اس وقت اس طرح کی بات کیوں کرتی ہے۔ تو عورت ہے تیرا فرض ہے شوہر ساس کی خدمت کرنا۔ بچے سنبھالنا تیرا مگر ہے وہ۔“ ماں سمجھانے لگی خوف زدہ ہو گئی تھی مٹی کی ایسی باتیں سن کر۔ ”غریبوں کو کب زیب دیتی ہے یہ لہجہ شور والی باتیں۔ غریب اور جانور تو ایک برابر ہوتے ہیں۔“ اس نے ایک شہنشاہی سانس لی اور بولی۔

”جس گھر میں تو نے بیٹا ہاں بھٹکے اس کی جھڑپوں میں بدن اونچی اور اونچی ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اس مجھے خوف آئے لگا ہے۔ ماں ان جھڑپوں میں گھٹ کر میرا دم نہ نکل جائے۔“ آواز درودھ گئی۔

”پاکل نہ بن جو کس طرح کی باتیں کرنے لگی ہے تو؟ بشری بیوی ہے تو اور جو بھی تو کر رہی ہے یہ تیرا فرض ہے۔“ بیوی کا دل نہیں ہوتا ماں؟ ”ایک اور کھانا سوال کیا۔“ نہیں ہوتا۔“ ماں نے بات ختم کی لیکن اس کے سوال تو شروع ہی اب ہوئے تھے۔ وہ کیسے ان پر پھر سے لگاتی۔

بشریات کو گھر آیا تو ایک ڈوٹھی ساتھ تھی۔ اٹھارہ انیس کی ہوئی ناک میں تختی سر پر پہلے پھولوں والا جامنی دوپٹہ رنگ گورا اور نین نقش تھکے۔ جس انداز سے بشری اس کو اندر لایا نچر کو کھینچنے میں دیر نہیں لگی۔ نیچے اترتے معظم نے پاس آ کر بغیر جائزہ لیا۔ پھر بھائی کی طرف منہ کر کے بولا۔

”دوسری دفعہ مٹی چل ہی ماری۔“ نچر پھر مٹی ہوئی۔ ”مکواس بند کرو۔“ وہ ڈانٹتا بیڑہ دم کی طرف چلا گیا۔ ڈوٹھی لٹک مٹک کر اس کے پیچھے ہی چل دی۔

پھر اسی رات اسے اور بچوں کو اوپر والے کمرے میں شقت ہونا پڑا۔ کسی نے نہ پوچھا۔ وہ کس کو پتہ آیا کہ گھر اور کیوں؟ سب خاموشی بشریوں کی ساری مٹی کیسے غائب ہو گئی تھی۔ سارا دن اس جھمک جھمکے آگے پیچھے گزر جاتا۔ صبح وہ دروازے پر چھوڑنے آتی تو تک سب سے تیار شام کو بشری گھر آتا تو کمرے میں بند ہی ہی ہاں عجیب طرح سے ہنسی تھی۔ سارے گھر میں ہر وقت قہقہے بھرے رہنے لگے۔ نچر اپنی ذات میں ڈوٹھی ہو گئی۔ ماحول بدل گیا۔ گھر

سے تک تک جھک جھک ہی ختم ہو گئی۔ ساجدہ کی ہائے ہائے چپ کی ہلکے مارے بند کے نیچے ہی کھنکھ چھپ گئی۔ اس کی مصروفیت میں ایک لخت کی داغ ہو گئی تھی۔ وہ آرام سے سب کا ناشتہ بنا کر کچن میں رہ گئی اور بچوں کو اسکول بھیجنے کے بعد خود اوپر آ جاتی۔ ڈوٹھی اپنے کھلونے کے ساتھ باتیں کرتی باہر نکلتی ناشتہ کرتے ہوئے کھینچے چلتے، بشری آفس اور ڈوٹھی ساس کے پاس بیٹھی اپنی دلجو کی داستانیں سناتے جاتی۔ شادیوں کے لیے کھینچوں کی لڑائیاں اور ساجدہ کا دل کرتا اس کی نزدیکی تھا کر اس کے سر پر دے مارے۔ لیکن یہ نچر نہیں تھی، ”سنبھالنا“ تھی۔ پھلے بشری اس کو بازار سے پکڑ کر لایا تھا لیکن لاپرواہی تو بشری تھا تاں اپنی پسند ہے اسے کوئی کیسے پکڑ کر لے سکتا تھا۔ شادی والی تو کھڑا کھڑا دیکھ کر سر پیٹ لیا۔

پھر کھڑا کھڑا بشری نے گھر کو بازار بنا دیا۔ ”وہ تو پاکل ہی ہو گئی۔“ تو آواز کو فون گھمایا۔ اور خوشگوار سے کال اٹینڈ ہوئی شادی شروع ہو گئی۔ جو منہ میں آیا کہہ ڈالا۔ بشری لاکھ برائیاں کھنی بڑی بہن کو جواب نہیں دے سکتا تھا۔ خاموشی سے سب سنا اور شام کو گھر آ کر بات کرنے کا کہہ دیا۔

”اور ماں آپ نے کیسے خاموشی سے یہ سب برداشت کر لیا۔“ روئے خشن ماں کی طرف ہو گیا۔ ”نچر غریب سہی عزت دار گھر سے تو تھی۔ پر یہ کیا اثر لے رہے ہیں بچے اس کے کپڑوں پر نظر ڈالیں۔ اتنے چست“ کہاں مٹی بشری غیرت اوپر سے ہر وقت منہ میں پان غنڈوں کی طرح بات کرتی ہے۔ متغیر اللہ بھول گیا گھر میں بچیاں ہیں۔“ شادیہ کا تو غصہ ہی کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ ”سنبھالنا“ کو بڑی تند کے غصے کی جھلک لگی تھی۔ مٹی کی تھا سب اور اب غصے کے اظہار کے طور پر کمرے میں بند ہو گئی۔ نچر نے ہی کھانا چائے دیا شادیہ کو۔

”سب اس کی کمزوری۔۔۔۔۔“ اسے دیکھتے ہی شادیہ نے سارا التزام اس کے سر قہقہہ دیا۔ ”اس سے نہ ہوسکا کچھ ساری غرض شوہر کو سکون نہ دے گی۔“ اٹھائے لے لے یا حرافہ۔“ ماں سب قصور اس کے اس نے سوچا۔

”اے حرافہ کس کو بولا رہے تھے۔“ چڑچڑ پان چپائی وہ شادیہ کے رو بہو تھی۔ شادیہ نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ وہ نچر اور قریب آ گئی۔

”میں کچ پوچھیاں باجی۔“ دونوں بازو کمر پر لٹکائے

بڑے تیز لے وہ بولی۔

”میں جتنیں جواب دینے کے باہد نہیں نکلوں یہاں سے یہ نچرے جا کر اس کاٹھ کے الو کو دکھاؤ اور۔۔۔۔۔“ شادیہ کی بات اور وہی رہ گئی۔ ”سنبھالنا“ آگے بڑھ کر شادیہ کے سر کے بال دونوں ہاتھوں میں پکڑ لے زوردار طریقے سے جھٹکے دے اور بعد میں کس کر منہ پر چھپڑ مارے۔ شادیہ کو تو کچھ ہی شادی اس کے ساتھ ہو گیا۔ ”سنبھالنا“ نے بہت مضبوطی سے بال پکڑے ہوئے تھے۔ مارے جھرت کے وہ ششدر رہ گئی وہاں کوئی اور اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا تھا۔ اس نے اپنا آپ چھڑا چا کر اس کی موتی موتی ہانپوں سے وہ اپنا آپ چھڑا نہ سکی۔

سب بچے بشمول نچر شادیہ کی بددعوت بننے لگے کرکٹ تھے۔ وہ ”سنبھالنا“ نہیں تھی جو بھاگ جاتی۔ بھاگ سکتی ہی نہیں تھی اس کے پیروں میں بچوں کی ریزیں سنیں اور سب سے بڑی زنجیر وہ وہ لگی تھی جو وہ شروع دن سے سنی آتی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ بشری یا بی گھر والوں کی بات کو کچ نہایت کرے۔ مکرم اور معظم عرصہ ہوا وہی چلے گئے تھے۔ وہیں شادیاں کر لی تھیں اور سکون میں تھے۔

بیشک کی طرح وہ اس رات بھی بہت جھکی ہوئی تھی۔ سب کو کھانا دے کر وہ بچن سمیت رہی تھی۔ بشری بھی تک نہیں آیا تھا۔ اب دل اس کی طرف سے واہوں میں نہیں گھرتا تھا۔ نچر دل کو نہیں بھرتی تھی۔ اس نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ اس گھر سے عزت محبت اس کو مل سکتی تھی۔ کام ختم کرنے کے بعد اس نے وال کیا کاک پر نظر ڈالی۔ ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔ وہ تھک چکی تھی اس کو سونا چاہی تھی۔ سو آپا کے کمرے کی طرف لگی۔ وہ لٹی میں کھینچیں۔ سارے ڈرامے بھٹک کر سوتی گئیں۔

”بشری نہیں آیا ابھی؟“ اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ ”نہیں وہی میں کھینچتی تھی میں اوپر جا رہی ہوں آپ سعد سے کہیے کہ کچھ شربت لائے تو گیت کھل دے۔“ اس نے دروازے میں کھڑے کھڑے لہنا دعایان کیا۔ انہوں نے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

”ڈومنت رک کر شوہر کا انتظار نہیں کر سکتیں تم، کھانا کون دے گا اسے؟“

”وہ جب لیٹ آتے ہیں تو کھانا کھا کر آتے ہیں۔ آپ بس سعد سے کہیے کہ گیت کھول دے۔“ وہ کہہ کر مڑی کہ

آپاکی آواز پھر سے کانوں میں پڑی۔

”ایک کپ اسٹرلک سی چائے کا بنا کر دیتا جاؤ سر بیٹ رہا ہے۔“ وہ چپ چاپ کچن میں آگئی۔ چائے کا پانی ابھی رکھا تھا کہ ڈور بیل بج اٹھی۔ وہ آٹھ آہستہ کرتی باہر آئی۔ تو سعد گیت کی طرف جا رہا تھا۔ وہ وہیں رک گئی۔ میسر اندر آتا تو اس کے چہرے سے لگ رہا تھا تو آج کچھ زیادہ ہی ٹھیک نہیں۔ کیا ہوگا کنگنا کے بچھے شادی ہوں گی اس کے۔ کنگنا واپس اس گھر میں نہیں آئی تھی لیکن میسر نے اس کا بچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اس سے ابھی تک سننے جاتا تھا اس کو شرچہ دیتا تھا۔ کالی عرصے بعد وہ اسے دوبارہ مل بھی تو گئی تھی۔ چائے آتا تو کھاروہ چھوٹی سی چیز تھی میسر بھی بیک کر بیچے آگیا۔ آج خبر نہیں اس نے سوچا اور خود کو اتنی خود پر تیار کرنے لگی اور پتا کر اس نے خواہو خود کو مسرور ظاہر کیا۔ وہ میسر کے بیٹ بڑنے کی منتظر تھی۔

”روا کہاں تھی شام میں؟“ اس نے پوچھا۔ ذرا پرے پنک بیڈ پر لیٹی تانیہ اور دادوؤں نے کان کھڑے کیے۔ ردا کا دل بھی دھڑک اٹھ تھا۔

”روا سے ہی پوچھ لو۔“ اس نے الماری کے اندر منہ مھسیر دے کہا۔ میسر نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کیا۔

”تم ماں ہو اس کی سارا دن تمہاری نظروں کے سامنے ہوتی ہیں اور ہمیں نہیں پتہ کہاں تھی وہ؟“ وہ غرایا۔

”روا میرے کہنے میں نہیں بلکہ ردا کیا آپ کی ساری اولاد میرے کہنے میں نہیں۔“ اس نے ایک نظر ان دونوں پر ڈال کر کہا۔

”تو کس کا قصور ہے؟“ وہ چنچا۔

”میرا نہیں۔“ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

”تو پھر کیا میرا ہے؟ میں ہوتا ہوں سارا دن تربیت کرنا ماں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ تمہارا فرض ہے تم ان پر نظر رکھو۔“ رکتی ہوں نظر کرو کہ وہ کہتی ہیں جب نہیں ہمارا باپ کچھ نہیں کہتا تو آپ کیوں منع کرتی ہیں۔“ اتنا ٹھہراؤ تھا اس کے لہجے میں۔

”تو یہ زبان چلاتا کس نے سکھایا انہیں بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں انہیں۔“ کہیں سے بھی لگتا ہے کہ یہ اچھے خاندان سے لی لوگ کرتی ہیں۔“

”تربیت صرف ماں کا ہی تو فرض نہیں بچے اپنے ماحول سے زیادہ سیکھتے ہیں میسر اور ان بچوں نے آج تک جو کچھ گھر میں دیکھا ہے وہی تو اپنا ہے۔ دیکھو تو بالکل تمہارے خاندان کے نکتے ہیں۔ اسی طرح کسی کا احوال نہ رکھنے والے۔ بات بات پر لڑنے جھڑنے والے ہر ایک کو بے عزت کرنے والے۔ میں نے تو آج تک ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں بچے خاندان سے بھی گریزیں ماں نے مجھے عزت کرنا سکھایا تو میرے باپ نے مجھے اعتماد دیا۔ اگر میں نے کچھ غلط کیا اور میری ماں نے مجھے ڈانٹا تو میرے باپ نے بھی میری سائید نہیں لی۔ ہمیشہ سکھایا اور بتایا کہ اگر ڈانٹ پڑی ہے تو میں نے ہی کچھ غلط کیا ہوگا۔ ماں کی تربیت بھی پڑا ہوئی ہے میسر جب باپ پر مارا تھا تو اسے یہ نہیں کہاں چھاپا رہتا رہی ہو اور باپ بچوں کے سامنے ہی ماں کو چھڑا دے۔ اس کا مذاق اڑائے اسے بے عزت کرے۔“

”ابو۔“ تو اب تم اپنے گناہ ہمارے سر تھوپنا چاہتی ہو؟“ وہ استہزائیہ ہنسا۔

”ہر ایک کو اپنے اپنے گناہ کا بوجھ خود ہی دھونا ہوتا ہے۔ میسر صاحب چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اللہ سارے حساب رکھتا ہے اگر ہمیں وہ نساو سے بڑھ کر دکھائیں دیتا تو یہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ ہم مسلسل اس کی مخلوق کا دل دکھائیں اور وہ ہمیشہ ہم پر عنایتوں کی بارش رکھے۔ وہی دراز کرتا ہے تو تھمتھنے کا اعتبار بھی اسی کے پاس ہے۔ جب چاہے کھینچ لے اور منہ کے مل گرا دے۔“

”بڑے مروڑاٹھ رہے ہیں پیٹ میں بہت باتیں آگئیں مجھے اب ذہنی لذت ہی ہوتی ہے میرے لیے۔“ کچھ پندرہ سال سے۔ چنچہ کر دھندلانی ہے مجھے کم ظرف۔“ میسر نے آگے بڑھ کر نجم کی چوٹی ہاتھوں میں پکڑتے جھٹکا دیا تھا تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”جائے کس گناہ کی سزا ہو تم؟“ اس نے جھٹکا دے کر چھوڑا لیکن دل تو جیسے جھٹکا کھا کر جاگ اٹھا تھا۔

”میں بھی یہی پوچھتی ہوں کس گناہ کی سزا ہیں آپ۔“ کچھ نہ کچھ تو جواب ہوگا آپ کے پاس بھی۔“ وہ دوہوہوئی اب کہ میسر کو ٹھکانا پڑا آج وہ چھڑ نہیں گئی۔ یہ کوئی اور نجم تھی۔ اس نجم کی تو آواز نہیں لگتی تھی۔ اور یہ نجم آئینہ لے کر اس کے

سائے کھڑی تھی۔ اس سے سوال کر رہی تھی جواب مانگ رہی تھی۔

”میں۔۔۔ ذات دی کوڑھ کر لی نے جھیراں لوں چھپے یہی کہہ رہے ہیں ماں آپ کئی سالوں سے مجھے؟“ اس نے انکی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ”میں یہی گندی کر رہی۔“ میں تو غریب تھی ناں آپ نے کیوں چنا مجھے آپ تو مجھے خاندان سے تھے۔“

”کیا گلو اس کر رہی ہو۔ میں نے صرف یہ پوچھا ردا کہاں تھی شام کو؟“ اور اگر نہیں جانتی تو میں بتاتا ہوں۔ یہ شام کو ایک گروپ کے ساتھ شیشہ پینے گئی ہوئی تھی۔ کیا سر اس کی تیرہ سال اور اس عمر میں۔۔۔“ ردا نے فوراً سر پر کولف تان لیا۔ اس کا رز خلا بھی تو کس کے سامنے۔ نجم نے منہ سے ہاتھوں کو مٹایا۔

”میں نے جب بھی آپ کو بچوں کے متعلق کچھ بتانا چاہا آپ نے نہیں سنا۔ اٹا آپ نے مجھے بچوں کے سامنے ڈانٹ کر رکھ دیا۔ وہ شیشہ پینے جاتی ہے۔ بڑی ہیٹ کہنے جاتی ہے۔ سہیلیوں کے ساتھ بھی نیکو دھندل۔“ بھی کے الف سی۔۔۔ میں انہیں روک ہی نہیں سکتی۔ ان کے باپ کا پیسہ ہے وہ جہاں چاہے اڑائیں میں کون ہوتی ہوں انہیں روکنے والی۔ بچپن سے دیکھتی آرہی ہیں وہ اس گھر میں میری حیثیت۔۔۔“

”اوہ میرے خدایا۔“ وہ چنچا۔ ”اللہ کے لیے بس کرو بند کروا بی کو اس۔ میری حیثیت میری حیثیت۔“ اس نے منہ لگا کر ٹھٹھل اتاری۔ ”کسا ہے تمہاری حیثیت کیا ہے تمہاری اوقات۔“ نجم کہول رہی ہو کس سے مخاطب ہو زبان کاٹ کر رکھ دوں گا تمہاری۔“ میسر کو لگا کوڑھ کر لی چھت سے چھلانگ لگا کر اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی ہو اور اسے کانٹے کو پر تول رہی ہو زور سکون رہی۔

”آپ نے ساری عمر مجھے ہی سنایا میسر کس گناہ کی سزا ہو کس گناہ کی سزا ہو؟“ فوراً کر لی تو آپ جان جائیں گے۔ ہر ایک کو اللہ اس کی حیثیت کا مٹا ہے۔ میسر صاحب کچھ نہ کچھ تو آپ سے سرزد ہوا تھا کہ میں آپ کی قسمت میں نہیں گئی آپ کو تو اچھی عورت بھی ملی تھی مرستے والی اسٹینس والی آپ کی ہم پلہ کیوں ٹھوکر ماری آپ نے؟ کیوں ایسا گناہ کیا آپ نے کہ آپ کو میرے ساتھ زندگی گزارنی پڑی؟ میں بھی

یہی سوچنے لگی ہوں اب کہ مجھ سے ایسا کیا گناہ ہوا تھا میسر جو مجھے آپ نے؟“ میسر کو کزنٹ لگا۔ مر دی انا کو نہیں بچتی تھی۔

”دفع ہو یہاں سے تمہارا دام الٹ گیا ہے۔ جو بھی بکلی باتیں کر رہی ہو۔“ اب کہ وہ جلال میں آیا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی مسلسل اس کی بے عزتی کر رہی تھی اور وہ سن رہا تھا۔

نجم ہنس دی۔ یہی بات تو اس نے ہمت جیتنے کی تھی اس بچھر (شہسیر) کو چھاپا لینے کی۔

”میں کوڑھ کر لی ہی تھی میسر تب ہی تو چھت سے چوکی رہی سب کچھ برداشت کیا۔ جوتے پھنڈ ہر آلود جملے روتی کو مار ڈالنے والے طعنے ہم عورتیں اگر کوڑھ کر لیاں تو ہمیں ہاں میسر تو آپ جیسے مردوں کے ساتھ کون سزا کرے؟ کسی کی عورت کو اوٹنے چھتیر نہیں چاہیں۔ ہماری ماں کی ہماری تربیت کر کے بھیجی ہیں ہمیں سارے گن سکھائی ہیں۔ خدمت محبت وفا۔۔۔ یہ تینوں چیزیں ہمیں ملتی ہیں۔ میسر صاحب۔۔۔ اور سزا کو لی ایک نہیں کاٹا دونوں کاٹتے ہیں میسر آپ ہی اسکی نہیں ہیں میں بھی سزا کاٹ رہی ہوں۔ میرے گناہ آپ سے زیادہ ہیں شاید اس لیے میرے مقدور میں سزا بھی بڑی لگتی ہے آپ کی صورت بھی نہ تم ہونے والی۔ وہ بات مکمل کر کے میسر ہیوں کی طرف بڑھاتی۔ سلیں زور و جوش سے لگا تھا اور اس میں دراڑیں ابھرتی تھیں۔ ہمیشہ روتا رہنے والا دل آج چپ تھا۔ مطمئن تھا اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ مگر جانتی تھی کوڑھ کر لی نے اپنا زہر بھرتیر پر پھینک کر اسے بھی نکل کر دیا تھا۔



تیری آنکھ کے شہساز کی تکی

استراغیر احمد

میں	نے	چاہا	تجھے	عمید	کچھ	پیش	کروں
جس	میں	احساس	کے	سب	رنگ	روشن	روشن
جس	میں	آنکھوں	کے	تراشے	ہوئے	موتی	انکھوں
جس	میں	شامل	ہو	میرے	قرب	کی	ہرگز



گزشتہ قسط کا خلاصہ

زید سودہ کے ہمراہ مڈ صاحب سے ملنے کی غرض سے آتا ہے وہیں صالحہ بیگم اور مڈ صاحبان دونوں کو دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔ باپ کے بے یقین انداز پر زید کو بے حد شرمندگی محسوس ہوتی ہے کہ وہ اتنا عرصہ اپنے پر خلوص رشتوں سے محروم رہا۔ شاہ زیب بھی زید کے خوشگوار اثرات دیکھ کر سودہ کے حوالے سے بات کرتا ہے لیکن زید ماں کے خلاف جا کر یہ رشتہ نہیں بنانا چاہتا اسی لیے سہولت سے انکار کر دیتا ہے۔ مائدہ اور عمر اندر ضوانہ کے گھر سے جھگڑے کے بعد چپ چاپ لوٹ جاتی ہیں ایسے میں عمر اپنی بہن کو سمجھانے کی کوشش کرتی ان کو ماننے کی بات کرتی ہے۔ رضوانہ کو بھی عمر کی بات پسند آتی ہے لیکن ایسی عمر کے سامنے عمر کی جذباتی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے نظر انداز کرنے کا کہتی ہے۔ لیکن عمر اندر عروہ کی تلخ باتوں کو بھلانے پر آمادہ نہیں ہوتی اور بہن سے خفا ہو کر گھر لوٹ آتی ہے۔ زید گھر پہنچتا ہے تو عمر اندر سے ملاقات نہیں ہو پائی ایسے میں مائدہ بھی زید سے تمام باتیں چھپا جاتی ہے۔ دوسری طرف زید بھی انہیں یہ حقیقت نہیں بتا پاتا کہ وہ مڈ صاحب اور صالحہ بیگم سے تعلقات بحال کر چکا ہے۔ سب گھر والے بھی زید کے فیصلے سے بے حد خوش نظر آتے ہیں لیکن اپنی ماں کے رویے کو لے کر وہ خدشات میں گھر جاتا ہے۔ یوسف نوین سے محبت کے دعویٰ دار تو ٹھہرتے ہیں لیکن اولاد کی بابت جان کر وہی رویہ اپناتے ہیں جس کا خوف جہاں آرا کو پہلے سے ہوتا ہے۔ ایسے میں وہ نوین کو دھمکاتے اور ہمیشہ کے لیے یہاں سے جانے کا کہتے ہیں لیکن نوین اس بات پر آمادہ نہیں ہوتی جب ہی یوسف دولت کے نشے میں چور انہیں راستے سے ہٹا دینے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ سامعہ لاریب کی مشکوک سرگرمیوں پر خائف نظر آتی ہیں اور لاریب سے پوچھ گچھ کرتی ہیں تو لاریب ان کے سامنے نہایت بدتمیزی سے پیش آتا ہے۔ جس پر وہ اس کی پاکٹ مٹی بند کرنے کا کہتی اسے مزید طیش میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ نفل انشراح کے رویے پر بے حد خائف ہوتا ہے اسے انشراح کے اس رویہ کی وجہ سمجھ نہیں آتی جب ہی وہ بار اور عاصفہ سے بھی ذکر کرتا ہے۔ ایسے میں عاصفہ انشراح کو سمجھاتی اسے معافی مانگنے پر مجبور کرتی ہے۔ انشراح بھی اتنی جلدی ۱۱ ماہ معاملے کو ختم نہیں کرنا چاہتی جب ہی بلا ان کے مطابق اپنے رویے پر شرمندگی کا اظہار کرتے نفل سے دوستی کر لیتی ہے۔ ساری نفل اور انشراح کی باتیں سن کر مشتعل ہو جاتی ہے اور نفل کے کردار کو مشکوک بنا دیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

ساریہ کی آمد سے وہ بے خبر تھا۔ اب اچانک اس کی انٹری اور اس پر ایک شرمناک الزام کا حملہ اس نے موبائل نمبل پر رکھا اور اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔
 ”یہ تم کیا کر رہی ہو؟“ وہ جتنی تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا اس سے بھی زیادہ پھرتی سے اس نے ساریہ کے ہاتھوں کو چھو کا تھا جن سے وہ کہنے سے بچاؤ نہ چاہتی تھی اس جھکے سے وہ کارپ پر گرنے لگی تھی۔
 ”وہاں درست نہیں ہے تمہارا تم ہوئی کون ہو؟“ وہ چپ کر رہی باتیں سننے والی؟
 ”وہاں درست نہیں ہے تب ہی تو آپ سے پیار کر رہی ہوں اور آپ تو مجھے رسم ٹیٹے ایک طرف بے زاری دستک دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دوسری طرف کسی لڑکی سے جس سے نہیں کر باتیں کرتے ہیں۔“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔
 وہ غصے میں کہہ رہی تھی نفل سینے پر بازو باندھے اطمینان سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی تازہ حرکت پر غصہ اشتعال ہو کر آتا تھا مگر لمحے بھر میں اس نے اپنے غصے پر قابو پا لیا تھا۔
 ”آپ کیا سمجھتے ہیں آئی انکل اور باقی لوگوں کو آپ نے بے وقوف بنایا ہوا ہے یہ کہہ کر آپ کو لڑکیوں میں کوئی

انگڑت نہیں! آپ کبھی شادی نہیں کریں گے وغیرہ وغیرہ..... لیکن آپ مجھے بدھو نہیں بنا سکتے! میں نے آپ کی چوری پکڑ لی ہے۔“ اس کی خاموشی اسے شیر کر گئی تھی وہ بے خوف و خطر بول رہی تھی۔

”تم نے میری چوری پکڑ لی کیا کر لو گی تم میرا؟“

”میں..... میں سب کو بتاؤں گی آپ کی اصلیت کہ کس طرح سے آپ لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں باہر گراڑے اخیر ذکر کرتے ہیں اور گھر میں ڈھونڈ کرتے ہیں پار سائی ولا پروائی کا گویا آپ کو کسی کی ضرورت ہی نہیں۔“ نونل کی تنبیہی دسپاٹ انداز لکھ بھر میں اس کی بے خوفی ہوا کرنے لگا۔

”آف کورس..... تم جیسی گھٹیا لڑکیوں کی پر چھائی سے کبھی مجھے کراہیت آتی ہے۔ تم نے چند لمحوں قبل جو گھٹیا حرکت کرنے کی کوشش کی ہے مجھے رسوا کرنے کی..... تمہاری اس ذلیل حرکت سے معلوم ہو گیا ہے کہ تم اسی گھمنڈی و بے حیا عورت کا خون ہو..... جو بدستوری سے میری ماں تھی۔“ اس پاراس کے لہجے میں بادلوں کی گھن گرج تھی۔ سار پیاس کی سرخ آنکھیں اور بھڑکتی ہوئی آواز سن کر اپنی ساری تیزی و طراری بھول کر رہی۔

”اب تمہاری خبریت اسی میں ہی ہے کہ جتنا بھی جلد ممکن ہو یہاں سے دفع ہو جاؤ میں تمہارے گھٹیا وجود کو قطعی برداشت نہیں کر سکتا۔“ بڑے تھارت جھرے لہجے میں تنبیہ کی۔

”پلیز..... نونل.....“

”شٹ اپ..... منہ بند کرو۔“ وہ بات قطع کر کے دھاڑا۔

”میں سب برداشت کر سکتی ہوں مگر یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ..... آپ کسی دوسری لڑکی کو چاہیں کسی اور لڑکی کا نام آپ کے ساتھ لگے۔“ اسے لگا وہ اسے کھونے لگی ہے اور یہ کھونے کا ہی دروختا کہ وہ خوف و دہشت کو پیس پشت ڈال کر روتے ہوئے کہنے لگی۔

”یہی فیلینٹو میری تمہارے لیے ہیں میں یہ کبھی نہیں برداشت کروں گا کہ تم مجھے چاہو تمہارا نام میرے نام کے ساتھ جڑے نوئیور.....“ وہ موبائل اٹھا کر وہاں سے چلا گیا۔



”اماں..... اماں..... کیا دیکھ رہی ہو کیا ہے وہاں؟“ توہرہ نے ماں کو حیرت و خوف سے باہر دیکھتے ہوئے دیکھا تو اس کے قریب پہنچ کر ہر کھڑکی کے پار دیکھا اور وہاں کا منظر دیکھ کر وہ بھی خوف و دہشت سے متوحش ہو گئی تھی۔ اس کی پیاس اڑ گئی تھی۔ لان کے عقبی حصے میں ایک ادھیر عمر کا آدمی کدیاں سے زمین چھو رہا تھا وہ زمین حاسی گہرائی و پتھرائی میں چھوٹی جارہی تھی ساتھ ہی یوسف کھڑا معائنہ کرنے کے ساتھ کچھ بدایت بھی دے رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر سفاکی و بربریت چھائی ہوئی تھی۔

”ماں..... وہ لا زم زمین کیوں کھود رہا ہے؟“ وہ کھڑکی سے دور ہوئی اور جہاں آ رہا تھا پکڑ کر خوف زدہ لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

”وہ ہماری قبر کھود رہا ہے۔“

”اوہ ہو..... نہیں نہیں نہیں میں مرنا نہیں چاہتی..... میں مرنا نہیں چاہتی۔“ موت کا خوف اسے ہراساں کر گیا تھا۔

”مجھے کیا کہہ رہی ہو..... اپنی موت کا سامان تم نے خود کیا ہے کتنا سمجھا یا تھا اس کی باتوں میں نہیں آتا ان مردوں اور سانپ کی ذات ایک ہی ہوتی ہے سانپ کو کتنا بھی دودھ پلاؤ وہ اپنا نہیں ہوتا موقع پاتے ہی ڈس لیتا ہے اور مرد بھی ایسی فطرت دکھتا ہے۔“

”کچھ لوگ میرے جیسے بھی ہوتے ہیں جو خوکھا کر نہیں سنبھلتے بلکہ گر کر رہی سنبھلتے ہیں۔ لیکن اب ہو گا کیا وہ درندہ ہمیں مارنے کے درپے ہے کسی صورت معاف کرنے والا نہیں ہے۔“

”میں کہتی ہوں اس کی بات مان لیتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں یہ سر زمین اور کسی ایسی جگہ چاہتے ہیں جہاں ہمیں کوئی جانے پہچانے والا نہ ہو۔“ مایوسی کے گھپ اندھیرے میں انہیں ایک سبکی کرن دکھائی دے رہی تھی۔

”کیا کسی جنگل دیرانے میں چلی جاؤں کس طرح زندگی گزار سکتے ہیں ہم سب سے دور ہو کر غاروں والی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

”غار ہو یا صحرا زندگی تو ہوگی.....“

”نہیں..... وہ زندگی موت سے بھی زیادہ اذیت ناک ہوگی۔“ توہرہ کو کسی پل چٹن نہیں آ رہا تھا بہت عجیب حالت ہو رہی تھی۔

”تم مجھے جان سکون کا سانس لو۔“

”سکون کا سانس کس طرح آئے گا! موت سر پر کھڑی ہے اور تم سکون کا سانس لینے کی بات کر رہی ہو یہاں میری جان پرین رہی ہے۔“

”جان تو تمہیں دینی ہوگی اس جان پر ایک اور جان کا بوجھ لے کر رہی رہی ہو یہ بہت ظلم ہے تم ہر جوش برداشت نہیں کر سکتا۔“ اسی لمحے یوسف دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے استہزائیہ انداز میں بولا۔

”آپ جو چاہتے ہیں وہ ہم کرنے کے لیے تیار ہیں یوسف صاحب! ہم یہاں سے ہمیشہ کے لیے جانے کو تیار ہیں۔ بس آپ ہمیں جانے کی اجازت دیں۔“ جہاں آ رہا تھا جوڑ کر لیا جات بھرے لہجے میں گڑ گڑانے لگی تھیں۔

”معذرت خواہ ہوں اب میرا ارادہ بدل گیا ہے میں آپ کو جانے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔“ اس کے لہجے میں ذرا بھی چلک نہ تھی۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟ ہم یہ ملک چھوڑ کر جانا چاہ رہے ہیں اور آپ.....“

”میں نے کہا تھا اب میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ میں تم لوگوں کی اصلیت جان گیا ہوں آج یہاں سے چلی جاؤ گی اور کچھ عرصے بعد پھر پور طریقے سے بیک میل کروں گی تم لوگوں کو باہر نہیں اوپر جانا ہو گا اوپر۔“



”میری بات درست تھی آپ کو میں اسی نئے ہدایت لے کر آ جاؤں گا میں صوفی مہمانی پر اعتبار نہیں کر سکتا! اتنے پڑ پٹنے کے بعد انہوں نے حاشی بھری تھی جس پر وہ اب پھر ڈانوا ڈول ہو رہی ہیں۔“ پیارے میاں ڈنڈی پرندے کی مانند پھر پھر رہے تھے۔

”ہوں..... درست سے تمہاری بات اس معاملے کو حل دینا فضول ہی ہے اس نئے یکام ہو جانا ہی چاہیے۔“

”بالکل درست ہے پھر آپ بدصفا مندر کریں گے کہانی جان لو۔“

”تم نے کہا ہے ماں ہمیں جاب کرو گے؟“

”میں وعدہ کرتا ہوں..... بلکہ قسم کھاتا ہوں کہ سوہ کو دینی لے کر نہیں جاؤں گا! اپنے ملک اور اپنے شہر میں ہی کام کروں گا۔“

”میں بھی پھوپھو کو معانے کی مکمل کوشش کروں گا.....“

”کوشش نہیں..... کوشش نہیں آپ وعدہ کریں کہ سائی کو ضرور منائیں گے؟ کیونکہ ایک آپ ہی ہیں جن پر مجھے پورا

اعتبار ہے، مجھ سے کہتا ہوں آپ پاپا میں پرخونی ہے کہ جو کرنا چاہیں وہ کر سکتے ہیں۔“

”ہونہ۔“ کتنا قابل ہوں میں..... جو شخص اپنی پہلی اور آخری تنہا اپنا دل اور اپنی محبت اور محبت بھی وہ جس سے میں اور میرا رب واقف ہے..... تمہیں سوچ رہا ہوں..... اگر مجھ میں اتنی ہی قابلیت ہوتی تو سوودہ..... سوودہ زید کہلاتی پھر تمہاری پرچھا نہیں بھی اسے چھوڑ دیتا مگر.....“ سو سف زدہ سوچیں دماغ میں گردش کرنے لگیں۔

”زید بھائی..... کہاں کھو گئے آپ؟ میری بات آپ سن نہیں رہے ہیں۔“ وہ اسے ایک دم سے مسموم کچھ کہہ کر قہقہے سے بولا۔

”میں سن بھی رہا ہوں اور کچھ بھی رہا ہوں تم اب حوصلہ کرو میں آفس سے جا کر پہلے پھوپھو جال سے ہی بات کروں گا۔“

”صرف بات ہی نہیں ممانی جان کو راضی بھی کرنا ہے۔“ حسب عادت بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”آئی نو آئی نوان سے صرف بات ہی نہیں کرنی انہیں راضی بھی کرنا ہے۔“ ایک تکلیف دہ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوٹی۔

”سواری آپ بھی کیا سوچ رہے ہوں مجھے میں کیسا آدمی ہوں بار بار آپ کو پریشان کرنے آ جاتا ہوں دراصل ممانی سے خاصی کبیدہ نہیں۔ وہ سوودہ کو بہو بنانے کو تیار نہیں اور اتفاق سے چندا کے سئل فون میں میں نے سوودہ کی کئی تصویریں دیکھی تھیں اور..... جب ہی دل نے فیصلہ کر لیا تھا ممانی کو یہ فقط سوودہ ہی بنے گی۔“ وہ اپنی داستان اسے سنارہا تھا اور وہ سننے پر مجبور تھا۔

”ممانی کو جس طرح راضی کیا وہ بہت سخت مرحلہ تھا اور جب ممانی راضی ہوئیں تو اب کہتی ہیں دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے مگر میری بہو سوودہ ہی بنے گی۔“

”کیا لو گے..... کیا آؤ رکروں؟“ خاطر و مدارت کے بہانے ہی ٹاپک بدلنا چاہا وگرنہ سوودہ..... سوودہ کی گردان اس کے حوصلوں کو ریزہ ریزہ کرنے لگی تھی اس کی بات پر پیارے میاں معذرت کرتے ہوئے ایک بار پھر اسی ہفتے بارات لانے کا یقین دلاتا چلا گیا تھا۔

”محبت روح کا عذاب ہے میں پل زنگی کا تاون ادا کرتا پڑتا ہے یہاں۔“ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کرسی کی بیک سے ٹیک لگائی۔ رات بھی سکون کی نیند نہیں آئی تھی اب ذہنی تناؤ کے باعث انہیں خود بخود بند ہونے لگیں۔

دیکھ کر کہیں اور تیرے پیار کی برسات
خٹک سالی سی اتر آئی ہے دل کی زمین پر

جب سے فونل کو فون پر بات کرتے سنا تھا اور جواب اس کے سوال کرنے پر جس طرح اس نے اسے لفظوں کی بارش کی تھی نفرت کی آگ سے جھلسا تھا وہ سب اسے تکلیف دانت میں جھٹا کر گیا تھا۔ وہ ساری رات درد و کرب میں جھٹا رہی تھی بار بار یاد رہا تھا کہ کسی لڑکی سے کس طرح خوش مزاجی و خوشی سے بات کر رہا تھا..... اس نے کبھی اسے اتنے رٹیکس انداز میں بات کرتے نہ سنا تھا۔ وہ ہمیشہ بد مزاجی کی حد تک سنجیدہ و خاموش رہتا تھا۔ کم از کم اس نے کبھی اسے مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ رات اس کی باتوں..... بلکہ طعنوں پر وہ کہہ بند کر کے بیٹھ کر تھی صبح تا شام اور لچ بھی اپنے کمرے میں ہی کیا تھا اور اس کی اس غیر حاضری پر زور کا جھگڑا تو شیش ہوئی تھی جب وہ شام کی چائے پر بھی کمرے سے نہ نکلی تو وہ اس کے کمرے میں چلا آئیں۔

”ساریہ بیٹا..... کیا بات ہے آج سارا دن روم سے باہر نہیں آئیں! طبیعت ٹھیک ہے؟“ وہ شفقت سے کہتی ہوئیں اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ ساریہ نے غصے سے دوسری طرف چہرہ موڑ لیا۔

”کیا ہوا بات کیوں نہیں کر رہی ہیں آپ؟ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے..... لیکن یہاں کسی کی ایسی جرأت نہیں جو آپ کو کہنا تو درکنار دیکھا کر دیکھ بھی سکے۔“ نونل اور اس کے مابین ہونے والے تنازعے سے بے خبر وہ اس کی سر دھری دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

”کسی کی جرأت کتنا گت ہے کہ ایک لڑکے کی جرأت ہی کافی ہوتی ہے۔ وہ جوں چاہے کر سکتے ہیں نہ انہیں ڈر ہے کسی کا نہ خوف۔“

”نونل کے حلق میں جھد ہی ہیں؟“ وہ متحیر ہوئیں۔

”جی..... ان کے علاوہ بھی کوئی لڑکا ہے آپ کا..... انہیں ہی آپ نے اتنا سر چڑھا رکھا ہے کہ باقی سب انہیں گریے پر دیکھائی دیتے ہیں نہ کسی کو عزت دیتے ہیں۔“ نونل نے جوں کے کوار کے حوالے سے اسے طعنہ دے دیا۔ وہ کسی شہر کی طرح اسے کھال کر گئے تھے وہ اب کسی ناظر صرت کے ذرا قاصد لفظوں کو کر رہی تھی حالانکہ وہ ہر اس لفظ کو بے قصور سمجھتی۔

”اب جب تک آپ مجھے ساری بات نہیں بتائیں گی تو مجھے کس طرح معلوم ہوگا کہ آپ کے اور نونل کے درمیان کیا بات ہوئی ہے؟“ اس کی لڑوی سہل باتوں پر بھی ان کی ریشم مسکان کم نہ ہوتی تھی۔

”چوری چوری ہے میں نے ان کی جو آپ تو بھی چوری نہ سمجھیں۔“ وہ جتانے والے انداز میں انکشاف کرتی ہوئی بولی۔

”چوری.....! کسی چوری چوری ہے؟“ وہ سخت متعجب ہوئیں۔

”کسی لڑکی سے جس میں کرسٹل فون پر بات کر رہے تھے اور.....“

”یہ چوری نہیں ہوئی وہ تو عموماً پڑھائی کے حوالے سے کلاس فیلو یا اساتذہ سے بات کرتا رہتا ہے آپ نے شاید پہلی بار سنا ہے نونل کو کسی سے بات کرتے ہوئے۔“ ان کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا اور یہ اعتماد ساریہ کے گھڑکنے ذہن کو مزید بھڑکانے لگا تھا۔

”یہی تو آپ کی بھول سے نئی وہ آپ لوگوں کے اعتماد کوئی میں رول رہے ہیں۔ آپ کی نظروں میں معصوم بننے کا دھوکہ دیتے ہیں۔“

”کیا ہوا ہے ساریہ آپ کی غلط فہمی کا شکار لگ رہی ہیں..... میں نے کہا تھا نونل کا لڑکھٹا ہے اور کا لڑا آتی بھی ہیں..... اس کے انداز و لہجہ میں کچھ ایسا تھا کہ انہیں سنجیدہ ہونا پڑا۔

”مان جی بہت انویسٹ ہیں آپ اور وہ آپ کی اسی معصومیت کا فائدہ اٹھا رہے ہیں ہا ہر لڑکیوں سے نفرت کرتے ہیں اور گھر میں ظاہر کرتے ہیں انہیں لڑکیوں سے نفرت ہے اور نفرت اس لیے ہے کہ ان کی ماں بدعقلان صورت تھی اسی حوالے سے وہ غلط مخالف کو بدعقلان سمجھتے ہیں۔“

”ماں ہی جو رکھ بن گیا ہے میں نہیں چاہتی اسے کرید کر دی ہوئی چنگاری کو ہوا دی جائے کیونکہ چنگاری کب شعلوں کا روپ دھارے پڑے نہیں چتا آپ بھی آئندہ بھی اس موضوع پر بات نہیں کریں گی۔“ وہ خاصی سنجیدگی سے اسے تنبیہ کرنے لگیں۔

”مجھے بھی شوق نہیں رہا اس ٹاپک پر بات کرنے کا ہمارے گھر میں شعوۃ نئی کا نام لیتا بھی کوئی پسند نہیں کرتا لیکن

بڑے مشکل مراحل میں وہ کامیابی سے مقابل کو جیل دے کر نکل چلا کرتی تھی مگر یہاں بے خبری میں ماری گئی تھی اور راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ نویرہ اور اس کا بچہ بنے تھے۔ پہلی بار کسی کی منت و حاجت کر رہی تھی نخرے اٹھا رہی تھی۔ "یقیناً آج جائے گا مجھے..... اگر میری ایک بات مانو تو.....؟" اس کی بڑی بڑی سحر انگیز آنکھیں گردن جھکائے بیٹھی نویرہ پر تھیں جو انکی جس و حرکت ہوئی تھی مگر اب بے جان مورتی ہو۔ "مانو گی میری بات.....؟"

"ہاں..... جی آپ کہیں گے وہ ہم مانیں گے آپ ارشاد کیجئے۔"

"میں تم سے نہیں نویرہ سے اقرار چاہتا ہوں..... بولو نویرہ..... مانو گی میری بات..... زندگی عزیز ہے تو میری بات ماننی ہوگی۔" اس کے بار بار کہنے پر بھی نویرہ نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

"اس طرح خاموشی سے کام نہیں چلے گا بولو نویرہ تو ہمیں ہوگا۔"

"بولو نویرہ کہ ہم ہر بات مانیں گے۔" وہ نویرہ کو بھونڈ کر بولیں اس نے نگاہ اٹھا کر یوسف سے سخت لہجے میں کہا۔

"جان دے دوں گی اب اس کی جگہ پر اس کی جگہ بات منو چاہتے ہیں آپ..... جو نہیں مانو گی۔"

"مجھے اچھی آپ کی نیت پر پہلی ہی شک تھا کہ وہ کس اچھے ارادے سے میری سوہ کے لیے رشتہ لے کر نہیں آئی ہیں اور وہ اچھی نیت سے آئی ہی کیوں بھلا جس عورت نے میری زندگی جہنم بنا کر رکھی وہ میری بیٹی کو خوشیاں دینے کا دل کہاں رکھ سکتی تھی۔" نویرہ کے سمجھانے پر وہ گردن ہلاتی ہوئی کہنے لگیں۔

"پھوپھو جان..... پرانی باتیں بھول جائیں آپ جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ پلیز، اچھی آپ کی نیت اور محبت پر اعتبار کریں۔ وہ بدل گئی ہیں اور سوہ کو محبت سے سبوتا کر لے جاتا چاہتی ہیں۔"

"جو گزر گیا..... وہ گزر گیا کہنا آسان ہے میرے بچے اس کا پتہ تو اسے ہی چلتا ہے جس پر یہ گزرتا ہے۔" وہ آبدیدہ ہوئیں۔

"میں آپ کی ساری پریشانیوں سے واقف ہوں پھوپھو جان جو انسان خود سے نہیں سیکھتا ہے اسے وقت سکھا دیتا ہے اور وقت کا دبا ہوا سبق انسان بھی بھولتا نہیں ہے، اچھی آج کو بھی وقت نے کہاں معاف کیا ہوگا۔" پیارے مہاں سے کیے گئے وعدے کی پاسداری اسے ہر صورت کرنی تھی سوہ کے ارادے سے آقا جانا تھا تا صوفیہ بھی ضد کی چکی تھیں جو فیصلہ ایک بار کر لیں وہ پتھر کی لکیر ہو جاتا تھا اور اس لکیر کو مٹانے کی سنی اسے کرنی تھی وہ بھی پوری کامیابی کے ساتھ کہ اس نے بڑے یقین کے نگاہ میں اس پر یہ وعدہ دیا تھا۔

"صوفیہ بیٹی..... زید مہاں کہہ تو چکے ہیں اچھی آپ اپنے کسی تہارے ساتھ خیر خواہی نہ کی ہمیشہ خود کو افلاطون ہی سمجھتی رہی تھیں..... پھر دیکھو نہ وقت نے کیا جھکا یا انہیں بیٹے کا رشتہ مانگنے تم ہی سے آقا میں اور پھر تم نے کون سی نورانی حامی بھری..... سو سو چکر لگوائے تھے تاکہ تمھیں ہونی آئی تھیں..... وہ تو نہ منور بیٹے کو ان پر چڑا تا نہ یہ رشتہ دہتا۔" بولنے پان چپائی ہوئی کہا۔

"منور بیٹی کی وجہ سے ہی میں مانی تھی پر اب ماننے والی نہیں ہوں۔" زید میرے بچے تم اس معاملے سے دور ہو جاؤ تو بہتر ہوگا دنیا کی ہر چیز مدد دہکتی ہے مگر اچھی آپ انہیں.....

"اگر سے تم اچھی کو کیوں دیکھتی ہو صوفیہ؟ لڑکے کو دیکھو وہ ہماری سوہ کو بہت چاہتا ہے..... جس دن تم نے انکار کیا تھا ناں دے جیسا نہ ہو گیا تھا اس کا..... موقع پاتے ہی کچن میں میرے پاس آیا تھا۔" زید کو آدھو دیکھ کر بوا کو بھی بولنے کا مواقع مل گیا۔

یہاں رات ان کے حوالے سے طعنہ نفل نے مجھ دیے ہیں۔"

"آپ نے بھی کچھ ایسا ہی کیا ہوگا ورنہ میں جانتی ہوں نفل شعوان کا نام لینا پسند نہیں کرتا..... اس کے حوالے سے طعنہ دینا دور کی بات ہے۔" نفل کو فہموں نے ماں بن کر ہی پالا تھا جس طرح ایک ماں اپنے بچے کی اچھی و بری عادات سے مکمل واقفیت رکھتی ہے۔ وہ بھی اس کی نیچر سے آگاہ تھیں اور ان کی اس آگاہی پر سارے پیشہ ورانہ گئی تھی۔

نمک مرچ لگا کر ہر بات وہ انہیں بتاتی چلی گئی تھی ماسوائے اپنی اس حرکت کے جس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں وہ نفل کی وجہ سے ہی قاصر رہی تھی اور جس کے سبب ہی اسے شعوان کے طعنہ سننے کو ملے تھے۔

"آج کل وہ اگیز امزش بڑی ہے فری ہوئی ہیں اس سے آپ کے سامنے بات کروں گی۔ آپ اس کی باتوں کو لینڈ مت کیا کریں۔" حسب عادت ان کے بول پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی پھر وہ اسے بھلا کر کمرے سے باہر لانے میں کامیاب ہوئی تھیں۔

"آئی..... آپ نفل کو کچھ مت بتائیے گا کہ میں نے آپ کو ان کے بارے میں سب بتا دیا ہے۔" زرقا نے اشارت میں سر ہلا دیا تھا۔

یوسف کے لہجے میں بے جی ہی بے جی تھی اس کا ٹل انداز بتا رہا تھا۔ وہ انہیں ذرا بھی رعایت دینے کا روادار نہیں ہے۔ نویرہ پٹھتی ہی چلا گئی جبکہ جیسا آس کے قدموں میں بندھ کر گزرنے لگی تھیں۔

"جی آپ سوچ رہے ہیں ایسا بھی نہیں ہوگا۔ ہم اپنی بیٹک ہی چھوڑ کر بیٹے جائیں گے اور کبھی بھول کر بھی یہاں کا رخ نہیں کریں گے۔ اللہ کے واسطے آپ ایک بار صرف ایک بار ہماری جان بخشی کر دیجیے۔"

"کس طرح یقین کر لوں جہاں آرا نیگم..... بہت سنا ہے تمہارے بارے میں بہت بڑی کھلاڑی ہو اس میدان کی بہت کہانیاں سن چکا ہوں۔"

"کہانیاں پھر کہانیاں ہوتی ہیں یوسف صاحب، لفظوں کے ہیر پھیر انسان کو کچھ سے کچھ بتا دیتے ہیں اور سنی سنائی باتیں پورا جگہاں ہوتی ہیں۔" وہ بڑے کوفر سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا تھے حد رعایت تھی اس وقت اس کے چہرے پر گویا ہر شے اس کے اختیار میں دے دی گئی ہو ان دونوں کا وجود اس کے لیے کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ حقیر تھا۔

"پورا جگہ نہ سنی آدھا جگہ پھر بھی ہوتی ہیں ناں؟"

"ہاں..... ہاں بالکل میں نے سب انکار کیا ہے جی آپ نے کہا وہ جگہ ہے۔" موت کا خوف انہیں ہر بات ماننے پر مجبور کر رہا تھا۔

"پھر یہ بھی جگہ ہے..... جان بخشی کے بعد تم اپنا اصل روپ ضرور دکھاؤ گی۔ بلیک میل ضرور کرو گی؟"

"نہیں صاحب..... مجھے میرے مرے ہوئے ماں و باپ کی قسم..... میں خواب میں بھی آپ کے سامنے کبھی نہیں آؤں گی۔"

"اوہ..... تم نہیں آؤ گی..... مگر اسے بھیجی؟" وہ چہرہ جھکائے کم صم بیٹھی نویرہ کی جانب اشارہ کر کے گویا ہوا تھا۔

"نہیں..... نہ خود آؤں گی نہ نویرہ کو بھیجوں گی، میں نے اتنی بڑی قسم کھالی ہے پھر بھی آپ کو یقین نہیں آ رہا..... آپ ہی بتائیں پھر ایسا کیا کروں جس سے آپ کو یقین آ جائے؟"

موت کے خوف نے جہاں آرا کو بے بس و کمزور کر دیا تھا ورنہ وہ کسی طرم خان کو بھی خاطر میں لانے والی عورت نہ تھی

”کیا کہتا تھا آپ کے پاس وہ؟“ وہ حیران ہوئیں۔
 ”یہی کہ میں تمہیں سناؤں وہ وہی کرے گا جو تم اسے کہو گی خود سوچو اس دور میں ایسے داماد کہاں ملتے ہیں جو ساس کے اشاروں پر چلنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر نہ داماد تو اشاروں پر چلاتے چلاتے بھی اکڑفوں دکھاتے رہتے ہیں۔“
 ”یہ صرف چار دن کی باتیں ہیں بوا پھر اندھیری رات ہی رات ہوگی۔“

”ایسا کچھ نہیں ہوگا میں گارنٹی دیتا ہوں آپ کو۔“
 ”زید میان کی بات پر میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتی ہوں اور تمہیں بھی کرنا ہوگا ویسے یہ نیک شگون بھی نہیں ہے کہ شادی کی ساری تیاریوں کے بعد شادی ہی ہونے سے پہلے ٹوٹ جائے لوگ تو انہیں بنا کر ہماری بچی کو رسوا کر دیں گے پھر کوئی رشتہ نہ والا نکس۔“ بوا کی باتیں سچائی سے بھرپور تھیں۔

نوفل نے اسے اتنی جلدی معاف کر دیا تھا کہ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ چند چلے گئے حملوں کے بعد وہ اس کی حرکت معاف کر چکا تھا اور اس نے حیرت سے جب یہ سب بولی کو سنا یا تو دہرے سانسیت سے سمجھا نہ سکی۔
 ”جو محبت کرتے ہیں وہ زیادہ دن تھا کہاں رو سکتے ہیں۔ یہ ان کی محبت کا منہ بولنا ثبوت ہے کہ تمہاری اتنی بڑی بھرانہ حرکت کو بھی وہ اتنی آسانی سے معاف کر گئے ہیں۔“

”بھرانہ حرکت؟“ تعجب انداز میں شانے لپکا کر استفسار کیا۔
 ”وہ جرم ہی کہلائے گا جو بنگامہ تم نے برپا کرنے کی سعی کی تھی۔“
 ”آئی ڈونٹ مائنڈ ڈیز۔ میں آج بے حد خوش ہوں اور اسی خوشی میں میں تمہاری کسی بھی اسٹوپڈ بات کا جواب نہیں دوں گی۔ اس نے شونگی سے کہتے ہوئے بانی کو گھما کر رکھ دیا۔ بانی نے اس کے خوشی سے دکتے حسین چہرے کو دیکھا جہاں کوئی عزم تو جہنم لے چکا تھا ساتھ ہی اس کی ٹی جیسی چمک دار آنکھوں میں بڑی پراسراری چمک بھی ابھری تھی۔
 ”بہت خوش دکھائی دے رہی ہو نوفل بھائی کے معاف کرنے پر؟“

”ہوں، بہت خوش ہوں۔“ وہ راسگ جیسز کو تیز تیز حرکت دیتے ہوئے جھولنے لگی دو دن قبل والی میز اسی وقت ہوا ہوئی تھی۔

”اگر وہ معاف نہیں کرتے پھر تم کیا کرتیں؟“
 ”وہ معاف نہیں کرتا۔ ہونہ۔ وہ کیا اس کا تو باب بھی معاف کرتا۔ تم ابھی میری صلاحیتوں سے واقف ہی کہاں ہو میری جان۔“ وہ ہلکھلا کر ہنسنے ہوئے گویا ہوئی۔

”تم بہار ایروپ دیکھ کر لگ رہا ہے تم سے بھی واقف نہیں ہوں۔ آج بہت بدلی اور نئی نئی ہی لگ رہی ہو۔ بالکل ماسی کی طرح حرکتیں ماسی کے انداز میں باتیں ماسی کی روح تو حلول نہیں کر گئی ہے تم میں؟“ بانی کے انداز میں افسردگی تھی۔
 ”ہا ہا ہا۔ کیسی باتیں کرتی ہو بانی مانی زندہ ہیں ابھی ان کی روح پھر کس طرح مجھ میں ساکن ہے تم بھی کمال کرتی ہو یار۔ آج بات بے بات اس کی کسی کے جلتے تک نہ رہے تمہارا بانی کو وہ کسی نوحد لگ رہی تھی۔ اس مٹی میں خوشی نہیں آہ وہ بکا تھی۔

”تم اب ان کے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟ وہ ایک ایسے بے خبر پرندے کی مانند ہیں جو خود ہی تمہارے جال میں پھنس گیا ہے۔“

”ابھی سوچا نہیں ہے کہ کیا کرنا ہے۔ مگر جو بھی کروں گی۔ اس کے بڑوں کو زندگی بھر مزہ چکھانے کے لیے کافی ہوگا۔ وہ جب بھی اسے دیکھیں گے خون کے تسوروں میں گئے۔“
 ”پھر تم کیا کرو گی انہی؟ کسی کو دکھ دینے والے خود بھی کبھی سکھی نہیں رہتے۔ یہ جو تم نوفل بھائی کے ساتھ دل لگی کرنے جا رہی ہو ناں عموماً دل لگی۔ دل کی لگی بن جاتی ہے یہ ایسی آگ ہے جو بجھتی نہیں ہے زندگی کو جلا کر رکھ کر دیتی ہے۔“

”بالی پلیز۔۔۔۔۔۔ تم کیوں میرے بارے میں مزہ کرنے پر کمر بستہ رہتی ہو۔“
 ”اس لیے کہ اشتقاقی موبدے کی باتیں مزہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ بہاد لوگ معاف کر دیا کرتے ہیں ان کی مرشد میں بدلہ ہوتا ہی نہیں۔“

”میں بہادر نہیں ہوں، ٹھکرائے جانے والے لوگ اشتقاقی بن سکتے ہیں بہادر نہیں جہاں بات وجود کی نفی کی آئے وہاں جوا بدلہ و انتقام ہی رو جاتا ہے۔“

”بھرانہ ہی شرط بات کر رہی ہو تم اگر سچی ہی سکھانا ہے تو پھر سیدھی طرح جا کر یوسف صاحب کو سکھاؤ گناہ انہوں نے کیا ہے سچائی انہیں ہی ملنی چاہیے کسی بے قصور کو کیوں سزا دے۔“
 ”جس شخص نے دنیا میں آنے سے قبل ہی بے شناخت کر دیا تھا وہ اب کس طرح مانے گا کہ میں اس کی اولاد ہوں۔“ اس کا مسکراتا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا لہجہ میں سرد مہری ابھرتی تھی۔

”اب وہاں بھی لگے گا تو مجھے کوئی فرق پڑنے والا نہیں میرے خزاں رسیدہ وجود میں اب کوئی پہانا آنے والی نہیں نہیں جیتی ہوں۔۔۔۔۔۔ اپنے لیے ہوں کسی دوسرے کی میری زندگی میں گنجائش ہی کہاں ہے۔“
 ”تم اس طرح کی باتیں کرتی ہو میرا دل بند ہونے لگتا ہے انہی اس طرح مایوسی والی باتیں مت کیا کرو تم تنہا نہیں ہو میں ہوں تمہارے ساتھ ہر دم صرف موت ہی تم سے دور رکھتی ہے۔“ بانی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔
 ”تم بھی عجیب ہو بانی بھی کچھ کہتی ہو کبھی کبھی۔ مگر یاد رکھو تم نے نوفل کی فیوری تو اچھی بات نہیں ہوگی۔“ خنت لہجہ میں تنبیہ کی۔

سیامعدی گائیٹی پابندی نے چند ہفتوں میں ہی اسے دو کا دو اور پانی کا پانی صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ اب سر پر بڑی مٹی تو معلوم ہوا تھا کہ وہ پانی کی طرح پیسہ بہانے کا وہی تھا اور یہ بات اس قدر سچ تھی کہ سامعدی طرف سے پاکستان مٹی کے نام پر دی گئی چند لاکھ کی پاکستان مٹی سے اس کا راز اس شخص ہی نہیں نامکین ہوتا جا رہا تھا۔ سامعدی خود ہی اسے ہینڈل کر رہی تھیں اور اس کے پایا کی ہمت نہیں تھی کہ وہ بیوی سے اس کے لیے کچھ رعایت وصول کر لیں یا چھپ چھپا کر اس کی مدد کریں کہ سامعدی ہی انہیں بولیں میں بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ پیسہ تم ہوتے ہی سارے فریڈ ز اور ٹرل فریڈز برساتی پروانوں کی مانند غائب ہو گئے تھے اور سب سے زیادہ حواس باختہ اسے جہاں آرا کی بدی نکاہوں نے کیا تھا جو بہت جلد ہی اس کی خال جیب کا بھید لگتی تھیں۔
 ”آپ تو کہتے تھے آپ کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ سات نسلیں بھی بیٹھ کر کھا سکیں گی تو کم نہیں ہوگا اور یہاں تو آپ خود ہی کنگے ہو گئے ہیں۔ اس کی بات ہی نہیں لہجہ بھی کاٹ دار تھا۔

”میں نے بتایا ناں۔۔۔۔۔۔ یہ صرف چند دن کی تڑکی ہے مٹی کا موڈ اچھا ہوتا ہے ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ کھپا کر بولا۔

”ماؤں کے موڈ خراب ہی رہتے ہیں اس کا مطلب ہوا میری بچی کی زندگی کڑی کی میں ہی گزرے گی؟ آپ تو ابھی تک اپنے ماں و باپ کے آسیرے پر پڑے ہیں عجیب و غریب دیکھیں ذرا سے ہیں آپ؟“

”آپ ایک بار انٹی کو میری زندگی میں لا کر تو دیکھیں..... اسے ہیروں صوفی میں منتقل دیا تو میرا نام بدل دیجئے گا۔“

انٹی کے نام پر وہ جوش و خروش سے کہنے لگا۔

”اگر سے بہت دیکھتے ہیں ایسے ہیروں موتیوں میں تولنے کے دعوے کرنے والے۔“ ماضی کی کئی کڑی یادیں ذہن میں اب جاگ رہی تھیں۔

”کیا مطلب ہے..... آپ مجھے بھونکا بھونکا ہی ہیں؟“ اس کا موڈ اچھے بھر میں بیڑا۔

”ہاں یہ سب جھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔“ وہ نڈر کچھ میں گویا ہوئیں۔ ”مطلب لگا لے کے بعد آپ لوگوں کے مزاج ہی بدل جاتے ہیں۔“

”آئی..... مطلب کہاں نکالنے دیں گی آپ ایک جھلک سے بھی انٹی کی ترسا کر رکھتی ہیں جب بھی آتا ہوں اس سے ملوانے کے بجائے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹرختا ہوتا ہے۔“

”جب تک آپ لپٹ کر محبت نہیں کریں گے انشراح کی پرچائیں بھی آپ کو نہیں ملے گی۔“ وہ بھی سارے لحاظ و مروت بالائے طاق رکھ کر بولیں۔

”سمندر سے بھی زیادہ گہرا پیٹ ہے آپ کا جو کبھی بھرتا ہی نہیں..... بے حساب دولت میں یہاں لٹا چکا ہوں اور بدلے میں ایک بار بھی قریب سے اسے دیکھنے کی پریشانی نہیں ملی۔“ وہ بھی بدلی گئی میں نمبروں تھا۔ ”یہاں میں یہ بوڑھی میک اپ شدہ صورت دیکھنے نہیں آتا ہوں۔“

”جوان چہرہ دیکھنے سے قتل تمہیں یہ بڑھا چہرہ ہی دیکھنا پڑے گا بلکہ اب کے پیسے ہوں تو یہاں تشریف لائے گا ورنہ ابھی سے بائے پائے کنگھوں اور ماں کے زیر نگیں لوگوں کی تجاہش نہیں ہے یہاں۔“

”تم اس طرح نہیں مانو گی مجھے کچھ نہ کچھ نہ ہی پڑے گا۔“ شدید ہنک پر وہ تھلا ہوا تھا۔

”ارے جاؤ جاؤ بہت دیکھے ہیں تم جیسے کچھ کرنے والے جہاں آؤ رنے والی نہیں تم جیسے کاغذی شیریں سے۔“

بلا خرکی باری طرح اس بار بھی پیسے کی خاطر جہاں آئے اسے بے عزت کر کے نکالا تھا اور وہ چیخا چلا چلا آیا تھا۔

”صاحب..... یہ لاپچی عورت ہر ماں آپ کو بے عزت کرتی ہے..... ایک بار اسے بتا دیں کہ بے عزتی کیا ہوتی ہے۔“

مراد جو اسے پکڑ کر رکھ لایا تھا اس کے کار میں بیٹھنے کے بعد ان کی سیٹ پر بیٹھ کر اسٹارٹ کرنا ہوا بیٹھے سے بولا۔

”اس کم ذات کی کیا عزت اور کیا بے عزتی انٹی تو ان کی چند گزلیاں اس کے من پر لا کر ماروں گا پھر سے میرے قدموں میں بیٹھ جائے گی۔“ وہ بگڑے موڈ سے بولا۔ مراد پھر سارا راستہ چپ رہا۔

گھر آ کر پھر اس نے سامعہ بیگم سے ٹکرا شروع کر دی تھی غصہ جہاں آرا کا تھا جو وہ ماں پر نکال رہا تھا۔ بیسوں کا تھا خا کر رہا تھا۔

”میں نہیں ایک پائی بھی دیئے والی نہیں ہوں۔“

”مائی کی مجھے ضرورت بھی نہیں ہے میری چیک بک واپس کریں۔“

”ہرگز واپس نہیں کروں گی تمہیں پتہ چلنا چاہیے پیسوں کی اہمیت کا۔“

”مجھے اندازہ ہو گیا ہے پلیز میری چیک بک دے دیجئے۔“

”چیک بک ہرگز نہیں ملے گی۔“ وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔ وہ بیڈروم سے نکل کر باہر آئیں لاریب بھی غصے سے

منتقلہ تاجپھتا یا تھا۔ نفل جولاسٹ پیچ دے کر آ رہا تھا۔ ان کی ٹکرا رہے تھے دیکھ کر رک گیا۔ بڑی ناگواری تھی اس کے انداز میں۔

”مما..... میرا دماغ مت خراب کریں اور نہ بہت برا ہوگا۔“

”کیا برا ہوگا.....؟“ وہ رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگیں۔ ”کیا کر لو گے چیک بک میں تمہیں دینے والی نہیں ہوں۔“

”آپ مجھے جذباتی مت کریں۔“ وہ دونوں نفل کی آمد سے نے خبر تھے اور اندازاً نا نفل دیکھ رہا تھا۔ لاریب کے انداز میں شدید جا رہا تھا۔

”اوتھم جو ایک عرصے سے ہمارے جذبات کے ساتھ بیٹھے آ رہے ہوں۔“

”اس میں میری غلطی نہیں ہے آپ لوگوں نے مجھے روکا کیوں نہیں؟“

”اب روک رہی ہوں..... پائی ابھی سر سے نہیں گزرا۔“

”گزر چکا ہے ممی آپ شرافت سے میری چیک بک مجھے واپس کرویں۔“ میرے غصے کی کمت بڑھ گئیں۔ ”وہ ماں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بڑی بڑی سے گویا ہوں۔“

”لاریب..... انٹی کا ہاتھ چھوڑو۔“ نفل کی آواز کسی دھماکے کی مانند لاریب کے کانوں میں گونجی اور بے ساختہ وہ ہاتھ چھوڑ کر رو رہا تھا۔ اس اثناء میں نفل ان تک پہنچ گیا تھا۔

”تمہاری اتنی جرأت کہ تم آئی سے اس انداز میں بات کرو۔“ اس نے آتے ہی لاریب کے رخسار پر زور دار تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔

”تم..... ہمارے معاملے میں نہ بولو تو بہتر ہے تمہارے لیے۔“ اندر سے خوف زدہ ہوتے ہوئے بھی اس نے ہمت کر کے اس کا سامنا کرنے کی سعی کی مگر تب ہی کئی تھپڑ اس کے چہرے پر پڑ چکے تھے۔

گھر میں شادی کی گہما گہمی شروع ہو چکی تھی۔ صوفی کو زید کے ساتھ مل کر سب نے منایا تھا اور حقیقی بات یہ تھی کہ وہ بھی بوا کے جھانے پر زور گئی تھیں کہ شادی سے چند روز قبل شادی ٹوٹ جانے سے سوہ کی جگہ ہنسائی ہوئی پھر نہ جانے کس کس انداز میں لوگ اسے دسوا کر گئے اس کے مستقبل پر سب ادھم لگ جائے گا پھر کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوگا۔

پیارے میاں میں ایک اس بات کے علاوہ کوئی خامی نہ تھی کہ وہ اچھی آیا کا بیٹا تھا اور اچھی آیا کا عورت تھی جس کی تیزی و طراری پر بھی کبھی مجھرو نہیں کیا جاسکتا تھا مگر زید نے یہاں پیارے میاں سے کیے گئے وعدہ کی لاج نبھائی تھی۔

پیارے میاں نے بھی جو کہا وہ کر کے عملی ثبوت بھی دیا تھا۔ ایک ہفتے میں ہی بارات لانے کے سارے انتظامات کر لیے تھے اچھی آپا اور چندا بہت خوش تھیں ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں آج سوہ کی بایوں بھی کیونکہ لان خاصا وسیع و عریض تھا بایوں کی رسم کی تمام تر محنت وہاں کیے گئے تھے۔

مہمانوں سے گھر بھرا ہوا تھا گیندے کے پھولوں کی لڑکیوں سے لڑکیوں کے لیے اسٹج تیار کیا گیا تھا۔ گلاب کے پھولوں کی ہر جگہ بھرائی کی ہوئی تھی۔ وہ دور سے ہی جانتے ہوئے رہا تھا کہ کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہے۔

دل میں ہونے والی تباہ کاریوں کے باوجود وہ اپنی ذمہ داریاں پوری سچائی و لگن سے نبھا رہا تھا۔ ان ذمہ داریوں میں اس کا ساتھ شاہ زیب برابر دے رہا تھا مگر موقع ملنے ہی وہ اس پر طرے کے وار کرتا نہیں بھولتا تھا جن کو وہ خندہ پیشانی سے انمور کر رہا تھا جانتا تھا..... میاں کی محبت ہی ہے اس نے آخری حد تک کوشش کی کہ سوہ اس کی ہو جائے مگر وہ ماں سے کیے گئے وعدوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا شخص تھا جو اپنے ہاتھوں دل کی دنیا خاک کر سکتا تھا لیکن

مال کے اعتماد کو کٹر منہ ہوتے نہ دیکھ سکتا تھا۔

جب سے شادی کی گہما گہمی شروع ہوئی تھی تب سے اس نے قصداً سودہ کا سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وعدوں کی پاسداری ایک طرف مردل کے تقاضوں سے جنگ کرنا بھی اتنا اہل نہیں ہوتا۔

”زید بیٹے.....“ باوقار اعزاز میں تیار و زور و تکریم اس کے پاس آئیں۔ ”سودہ کے سسرال والے مہندی لے کر پہنچنے والے ہیں سودہ کو ابھی تک کوئی پارلر سے لینے ہی نہیں گیا۔ شاہ زیب منور کے ساتھ کٹرنگ ہاؤس گئے ہیں آپ کو جانا ہوگا سودہ کو لانے کے لیے کال کی تھی وہ ریٹ کر رہی ہے۔“ انہوں نے آتے ہی پریشان کن لہجے میں کہا۔

”زید..... طبیعت ٹھیک ہے پٹا؟“ اس کی خاموشی پر وہ پریشان ہو گئی۔

”جی..... جی ہائی جان میں ٹھیک ہوں میں جاتا ہوں اسے پک کرنے..... پارلر کا نام بتادیں میں لے آتا ہوں۔“ کس قدر ٹھن مرتلے میں وہ اسے چھٹا چھٹی تھیں کہ سن کر ہی اعصاب ٹھل ہونے لگے تھے۔ وہ اس کے ڈوبتے دل کی کیفیت سے بے خبر پارلر کا ایڈریس بتاتے نہیں۔

”کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے کھڑی بھی پیدا ہونے لگی۔ غرارہ سوٹ میں بیویں پھولوں کی چوڑی پہنچے وہ عام فلوں کی نسبت منفرد و بہت دلکش لگ رہی تھی۔ ایک تو پہلے ہی وہ اس ڈور میں تھیں، ابھی محسوس کر رہی تھی پھر شاہ زیب کی جگہ ڈرائیونگ سیٹ پر زید کو براجمان دیکھ کر اس کا ازلی ٹھٹھک و تکلف گود کر آیا تھا۔ اسے قدم اٹھانے دشوار ہو گئے تھے۔ بے ساختہ اٹھنے والی نظر پر اس نے بھی قابو پایا تھا اور وہ اس کی سراپستگی و گھبراہٹ محسوس کر کے سیٹ سے اتر اور فرنٹ ڈور اس کے لیے کھول دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے غرارہ سنبھالتی سترھیاں اترتی اور حسب عادت سیٹ پر بیٹھتی ہی فرنٹ ڈور سے چپک گئی۔ زید نے دیکھا اور اس کے دل میں ہوک سی اُٹھی۔ اس کی کئی خاموش اداؤں میں ایک یہ ادا بھی اسے اذہد پسند تھی کہ وہ بیٹھنے کے بعد فاصلہ رکھ کر کرتی تھی۔ مگر اب سب ختم تھا وہ کسی اور کی ہونے جا رہی تھی۔

”آہ.....“ اٹھانے میں اس نے کار کی رفتار بڑھائی اور کار اسپینڈر بیک پر اس بری طرح اچھلی کہ اٹھتے اٹھتے پٹی تھی قسمت سے ٹریفک کم تھا۔

”آر پور انٹ؟“ سودہ کا سر فٹیش پور سے بری طرح ٹکرایا تھا اور درو سے کراہ نکل گئی تھی اس نے کار ایک طرف روکی اور سودہ کی طرف جھکا جو سر ہاتھوں میں پکڑے بیٹھی تھی۔

”دکھاؤ خون تو نہیں نکلا؟“ سرائتی زور سے ٹکرایا تھا کہ وہ چکرا کر رہ گئی تھی وہ محسوس کر سکتے تھے بڑا اور دیکھا تو اس کی پیشانی سرخ ہو گئی تھی۔

”شکر ہے خون نہیں نکلا مگر تمہیں چوٹ بہت زیادہ لگ گئی ہے۔“ وہ اس کی بندیا سیدھی کرتا ہوا طمٹان بھرے لہجے میں گویا ہوا۔ زید نے اس کی پیشانی پر پھولوں کی بندیا بے ساختگی میں سیدھی کی جو کراہنے کے باعث ترچھی ہو گئی تھی۔ مگر اس کا یہ عمل سودہ کو ایک بہت عجیب و نا فہم کیفیت میں مبتلا کر گیا تھا۔ وہ کانپ سی گئی تھی۔

”میں بہت زیادہ سے تو بائیل چلیں؟“ وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا ٹکڑی مندی سے بولا۔

”ہاں چل جائے کی ضرورت نہیں..... مجھے پانی پینا ہے۔“

”ہوں پانی بھی مل جائے گا.....“ جج جج بتاؤ کیسا ٹیل کر رہی ہو زور کو مجھ سے چھپاؤ نہیں رہی؟“ اس نے گھیر لہجے میں پوچھا۔

”معمولی درو ہے مین کمر سے ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”کیا کارنامہ انجام دیا ہے پارلر والوں نے؟ مجھے تو کوئی چوٹ لگ دکھائی نہیں دے رہی ہے خواہ مخواہ یہاں آ کر ٹائم

ویسٹ کیا چوٹ علیحدہ لگ گئی۔“ وہ کار انشارت کرتا ہوا گویا اپنے جذلوں کی نفی کر رہا تھا اور وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی زید بھائی آج اتنے بدحواس و ڈسٹرب کیوں لگد ہے ہیں؟



جہاں آ رہی آ کچھ کھلی تو اس نے خود کو اس گڑھے کے پاس ہی موجود پایا تھا پہلے وہ غنودگی کے زیر اثر بے شمار انداز میں پڑی رہیں پھر جیسے ہی شعور بیدار ہوا وہ اٹھ بیٹھی تھیں اور بیٹھتے ہی بڑا ہولناک منظر ان کے سامنے تھا۔ نو ر وہ بے ہوشی کی حالت میں اس گڑھے میں پڑی ہوئی تھی۔

”نو ر وہ..... نو ر وہ..... کیا کر رہے ہو..... میری بیٹی کو زندہ دفن کر رہے ہو.....“ غلاموں کے دم کو..... یہ کیا کر رہے ہو؟“ وہ اٹھ کر ان دو جلاوطن مردوں کی سمت بڑی تھیں جو نو ر وہ پر مٹی ڈالنے لگے تھے۔ انہوں نے بنا کچھ کہے صرف گھور کر ان کی طرف دیکھا تھا ہاتھ نہیں روکا تھا وہ مسلسل اس پر مٹی ڈال رہے تھے۔

”ارے غلاموں! بے رحموں! کیا کر رہے ہو..... باڑا جاؤ..... اللہ کے لیے ہاتھ پاؤں میں چہارے پیر پڑتی ہوں ہاتھ جوڑتی ہوں.....“ وہ ان کے پیروں میں گر کر رہا ہوا دیکھ لگی۔ مگر ان کی آواز وہ کان پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ اسی طرح اپنے کام میں مشغول تھے جہاں آ رہی تھی چڑیا کی مانند چڑچڑاہٹیں تھیں ابھی ایک کے پاؤں میں گری تھیں ابھی دوسرے کے پیروں کو کچھ کرٹیں کر رہی تھیں کہ کسی طرح ان جلاوطن کو رحم آ جائے جو تیزی سے مٹی ڈالتے رہے تھے۔ وہ اس قدر سخت دل بہ دم تھے کہ ان کی پروا کیے بغیر ان کا کام کیے جا رہے تھے معاندانہ سے یوسف نکل کر اس طرف آئے تھے اس پر نگاہ پڑتے ہی وہ دیوانہ وار اس کی طرف بھاگی اور اس کے قدموں سے لپٹ کر نو ر وہ کی زندگی کی بھیک مانگنے لگی تھی دکھ و خوف سے ان کی آواز بھسنے لگی تھی۔

”میری بیٹی کی جان بخش دیجیے..... میں اسے لے کر بہت دور چلی جاؤں گی..... اتنی دور کہ کوئی دھونڈی نہ سکے گا۔“ وہ تمہیں کوئی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں..... میں نے خود اس کا انتقام کر لیا ہے تم اور تمہاری بیٹی بہت دور چلی جاؤں گی..... تم بہت جلدی ہوش میں آ جاؤ گی اس کا بھٹا بیڑیا نہیں تھا ورنہ میں اور زیادہ اسپرے کروا تا مگر اب تمہاری قسمت کہ تمہیں ہوش میں ہی دفن کرنا پڑے گا۔“ بے حد سفاکی و درندگی تھی لہجے میں تھری تھری سوٹ میں گردن اکڑائے کھڑا بڑی رعونت سے وہ کہہ رہا تھا دولت و اقتدار کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ نو ر وہ کے لپٹارٹن سے انکار پر وہ کمرے سے نکل آیا تھا۔ باہر آتے ہی ملازم سے بے ہوش کرنے والے اسپرے کا کپڑا چلا گیا تھا۔ اس کے حکم پر چندر منت بعد ملازم ان کے ہوش و حواس سے عاری و جود کو وہاں لے گئے تھے۔

”چھاپو ر تم کھالیتا ہوں تم پر پہلے ایک وعدہ کرو.....“ معافاں مانگ کر جب وہ نڈھال ہو گئی تو وہ پہلے ان ملازموں کو ہاتھ کے اشارے سے رکنے کا اشارہ کرتا اس سے گویا ہوا تھا اور وہ دونوں ملازم جو اس کی ایک نڈھال رہے تھے یوسف کے اشارے پر ساکت ہو گئے تھے۔ نو ر وہ کا پورا وجود اسوائے چہرے کے مٹی میں چھپ گیا تھا۔ وہ اس مختصر عرصے میں اتنا روٹی و چلائی تھیں آواز خراب ہو گئی تھی۔ یوسف کی بات پر صرف گردن ہلا کر رہ گئی تھیں۔

”ابھی اور اسی وقت اپنی بیٹی کو اور زور اندر کے ساتھ چلی جاؤ وہ گاؤں چھوڑنے کا چندوں میں میں تم دونوں کا یہاں سے جانے کا بندوبست کروانا ہوں تب تک حویلی میں رہنا سسٹی سے بھی کوئی چالاکی کی تم نے تو پھر لمبے بھری گئی زندگی نہیں ملے گی۔“

”آپ کو کوئی شکایت کا موقع نہیں ملے گا جان بخش کے لیے شکر یہ۔“ وہ بیٹھتی ہوئی بھاری آواز کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی تھی جو اب وہ اسی طرح گردن اکڑائے وہاں سے چلا گیا تھا۔

نورہ کو اس دوران ہوش تھا گیا تھا خود کو زندہ دفن دیکھ کر وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی ان دونوں ملازموں نے ہی اس کو مٹی سے ڈھک دیا تھا جہاں آرائے اس کے مٹی مٹی دھوکو کو سہارا دے کر کارکنک پہنچایا تھا۔ رات کی تاریکی میں وہ گم نام سفر شروع ہو گیا تھا جس کی منزل دراستوں کی خبر انہیں نہ تھی۔ یوسف نے میز سے کار کو اس وقت تک دیکھا تھا جب تک وہ ان کی نگاہوں سے اونچھل نہ ہو سکی تھی کار کے جاتے ہی ان کے متھے ہوئے اعصاب مارل ہونے لگے تھے وہ میز سے کمرے میں آئے تھے۔ جہاں ملازم نے اس کی ڈرنک تیار کی ہوئی تھی۔ وہ پیتے ہوئے ملازم کو کئی بدلتیس دیتا رہا اور جب اپنے مشغل سے فارغ ہوا تو ریٹیکس تھا۔ یہ سوچ کر اس نے راہ میں آنے والی رکاوٹ دور کر دی ہے۔ دو چار دن بعد وہ انہیں کسی ایسے ملک میں بھجوائے گا جہاں سے آج بھی چاہیں لی پر انہیں پانچ مہینے کی اسے بخوبی علم تھا نورہ کی کوکھ میں پلنے والا بچہ ان کی کاہے وہ اس کے شب و روز سے واقف تھا..... مگر نورہ کو پھوپھی کی حیثیت دینا خاندان کی ناک کھانے کے متذاد تھا۔ پھر اس کے والد کسی صورت یہ قبول کرنے والے ہی نہ تھے اس نے صرف انہیں خوف زدہ کر کے مصنوعی قبر بنوائی تھی جب کہ وہ حقیقتاً انہیں کسی ایسی جگہ دفن کرواتے کہ کسی کو کبھی خبر نہ ہوتی تھی۔

دو دن کا انتظار کیے بنائی وہاں سے نکل گیا احمد مکے کی ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے سو گیا اور دوسرے دن کاؤں سے ملازم نے خبر سنائی تھی کہ رات کے ہی کسی پہرہ دونوں ماں میں غرار ہو گئی ہیں۔ پھر سمجھ گیا کہ انہیں زمین نکل گیا آسمان کھا گیا یہاں ان کی بشری بھی فیل ہو گئی تھی وہ ہزاروں کوششوں کے باوجود ان کا کوئی سراغ نہ لگا سکے تھے۔ ہر سچ پرنا کام

رہے تھے۔

آنچل ❀ جولائی ❀ ۲۰۱۸ء 72

ترا احسنیت کے قلم سے لکھی

دل کے تاروں کو چھسیرتی محبت کی ایک اچھوتی داستان
خوابوں کی سرزمین اسپین میں ہوادورو جوں کا ملکن جن کے دل زخموں سے
چپاک تھے تو بن برسوں کی تحسُن سے پورا آپ بہت جلد حجاب
کی نگرہ میں ملیں گے

کتابخانه جامعہ اسلامیہ

عشق کے ہر انگ میں رنگ ہے تو وفاؤں کا بھی اک انوکھا ہننگ ہے

حسن کی ادا کو رد حاصل ہے تو عشق میں کھیلے گئے راؤ کا جی اک بھاؤ ہے

ہوں کے نقشے میں چور مجرم اپنے ہی گھر کو نشانہ بنا کر گناہ کا ٹھہرنا ہے

محبت اور امان کی جنگ ہڑتے کرداروں سے متعارف لڑائی خوب صورت تحریر

1025001

حجاب کی وجہ سے

جوا لاد مال کی خدمت نہ کرے..... اس سے کسی اچھائی کی امید کی جاسکتی ہے؟“ وہ بری طرح دل برداشتہ ہو گئی تھیں۔
نوفل نے بردباری کا ثبوت دیتے ہوئے یہ معلوم نہ کیا کہ معاملہ کیا ہے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی بلکہ نہ صرف ان کا
موڈ ٹھیک کیا بلکہ لاریب سے بھی معافی منگوائی وہ جو یہاں سے بھاگنے کی تھک دوڑ میں تھا فوراً ہی معافی مانگی اور وہاں
سے چلا آ گیا تھا اندر ہی اندر صبر بڑھ رہا تھا۔

”چچ بچ..... پور بوائے.....“ وہ راہداری تک پہنچا تھا تب ہی اچانک سے ساریہ اس کے سامنے آ کر ہمدردانہ لہجے
میں گویا ہوئی۔

”واہ یو مین؟“ وہ مجرے لہجے میں گویا ہوا۔
”یہاں پر ایک لڑکا سب کو اپنی انگلیوں کے اشارے پر نچاتا ہے سب اس کا ہولنڈ ہے وہ خود کچھ بھی کرتا پھرے کسی
کوکانوں کان جبر نہیں ہوتی سداورم جیسوں پر وہ ہاتھ اٹھانے کی بھی دسترس رکھتا ہے۔“

”کیا مقصد ہے تمہارا.....؟“ اس نے کسی پر ہاتھ اٹھایا ہے؟“ اسے بڑی تکی کا احساس ہوا سو وہ کمر گیا۔
”پلیز بے خوف نہیں سب سننا ہی نہیں دیکھا بھی ہے بہت خوشی سے نوفل کو ہم پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہیے تھا تمہاری

مما کو بھی اس کے سامنے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بہت اسلٹ ہوئی ہے تمہاری لاریب۔“
نوفل کی جلائی گئی آگ میں وہ ابھی تک جل رہی تھی۔ یہ غصے کی نہیں رقابت کی آگ تھی وہ بھول نہیں پاری تھی کہ وہ
کس قدر دلشیں انداز میں کسی لڑکی سے بات کر رہا تھا ایسا لہجہ بھی اس کا سنا ہی نہ تھا۔ بڑا خاص لہجہ تھا..... خاص لہجے
خاص لوگوں کے لیے ہی ہوتے ہیں اور یہ بات اس کے لیے ناقابل برداشت تھی کہ وہ خاص نہیں تھی۔ آج وقت نے
موقع فراہم کر دیا تھا اسے چال چلنے کا وہ اس کی مخالفت میں دوڑنے لگی تھی۔

”تمہیں کیوں میری اسلٹ کا خیال ہے؟ محبت تم اس سے کرتی ہو۔“
”میں کرتی ہوں..... وہ نہیں کرتا مجھ سے محبت..... وہ کسی اور سے ہی چکر چلا رہا ہے۔“ وہ منہ نہ کر گویا تھی۔

”وہ کسی سے چکر چلا رہا ہے تم کس طرح کہہ سکتی ہو؟“
”میں نے خود سنا تھا وہ کسی لڑکی سے فیس نہیں کر باتیں کر رہا تھا اور جب میں نے اس کی چوری پکڑی تو اس نے کہا

میں یہاں سے دفع ہو جاؤں..... لیکن میں اتنی آسانی سے یہاں سے جانے والی نہیں ہوں۔“
”آئی لائک اٹ۔“ وہ کچھ سوچ کر مسکراتا ہوا ہوا۔

اک دیا ایسا بچھا ہے مجھ میں

نوحہ گراں کہ ہوا ہے مجھ میں

عکس دیکھ کر بھڑکا ہے مجھے

جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں

نچھویر گئی جہاں الفرافری پچی ہوئی تھی وہاں خاموشیوں کے ڈیرے تھے آج پیارے میاں کی ہندی کی رسم تھی
جس کی تیاریاں شام سے ہی شروع ہو گئی تھیں۔ اب ان سب کے جانے کے بعد سنا چھا گیا تھا۔ زید سب کے اصرار
کے باوجود نہ گیا تھا۔ دل نے اب مزید منافقت سے انکار کر دیا تھا۔ سو وہ کو پار سے لانے کے بعد پھر وہ اس حصے سے دور
ہی رہا تھا جہاں وہ تھی۔ زید سڑیوں پر بیٹھا ایک تنگ سوہ کے پورشن کی طرف ہی دیکھ رہا تھا جہاں خاموشی تھی۔ گھر میں وہ
سرور کا کہہ کر رک گیا تھا اور یہ سچ بھی تھا جب سے باقاعدہ شادی کی رسوں کا آغاز ہوا تھا وہ ذہنی طور پر تنگن کا شکار ہو گیا

تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کچھ مشکل سے ہی سہی..... وہ ان روزناک لمحوں کو تھیل لے گا برداشت کر لے گا..... اسی لیے اس نے
دل پر جبر کیا تھا نگاہوں پر پہرے بٹھا کر سوہ کے سامنے جانے پر پابندی لگا دی تھی مگر شوکی قسمت کہ تالی جان کے حکم پر
اسے پار سے پک کر تاپڑا اور اس دشمن جاں کی ہراساں ہونے والی ادائیں اسے بے قابو ہی کر گئی تھیں دل کر رہا تھا اس دنیا
سے ہمیشہ کے لیے کہیں دور چلا جائے اور اسی سوچ میں اس سے گاڑی بے قابو ہو گئی اس کا سر زخمی ہو گیا تھا گو کہ اس نے
کولڈ ڈرنک پلانے کے بعد اسے میڈیسن بھی لے کر دی تھی۔ دل بد عہدی پر آمادہ ہو رہا تھا اس کی خواہش تھی کہ زید سے
زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارا جائے پھر بڑی مشکل سے دل کو ہلکا کر لے آیا تھا جہاں سب اس کے منتظر تھے۔
”زید میاں..... کھانا لے آؤں آپ کے لیے.....؟“ کھانا اس کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھیں۔

”شکریہ یار..... بھوک نہیں ہے۔“
”سارا دن گزر جانے کے باوجود آپ نے کچھ نہیں کھا یا ہلکا کچھ لے لیجئے کل بارات آئے گی سوہ بیٹی کی تمام

انتظامات آپ کو ہی کرنے ہیں اللہ نہ کرے پیار ہو گئے تو مشکل ہو جائے گی۔“
”آپ نے فکر رہے سارے انتظامات ہو چکے ہیں شکر کا بہترین ٹیکوئیٹ بک کروایا ہے ڈنر میز بھی لاجواب ہے کسی
تسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“ اس نے ہوا کو بھر پور دل دی۔

”اللہ بہت اجر دے آپ کو یمن باپ کی بچی کے لیے اتنا کر رہے ہیں بیٹا چائے لے آؤں کچھ کھائیں رہے تو چائے
ہی پی لیں۔“ وعاد دیتے ہوئے انہیں اچانک خیال آیا۔

”کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے آپ آرام کریں۔“
”ٹھیک ہے جب کسی چیز کی ضرورت ہو آواز لگا دیجئے گا میں سوہ بیٹی کے کمرے میں ہوں بیٹی کی تنہائی کے خیال

سے میں رک گئی تھی۔“
”اچھا کیا ہوا آپ لوگ بے فکر ہو کر سوجائیں میں جاگ رہا ہوں۔“ وعادائیں دیتی ہوئی چلی گئیں اور وہ بیڑھیان اتر

کر لاؤنج میں رکھے صوفوں پر آ کر بیٹھ گیا۔ آج کی رات بہت بھاری تھی سکون کے ساتھ ساتھ نیند بھی غائب تھی۔ سوہ
کی اس گھر میں آج آخری رات تھی چوبیس گھنٹوں سالوں میں پہلی بار وہ گھر سے باہر جاری تھی ڈگر نہ ایک دن بھی کہیں اس
کا پار نہیں گزرا تھا اسے گھر سے باہر کالج کے علاوہ کہیں جانے کی عادت نہ تھی۔ اب سہاگن ہو کر وہ اس گھر سے رخصت

ہونے والی تھی۔
”کیسا گے گا اس کے بیٹے گھر؟ برسوں سے ان آنکھوں کو اسے دیکھنے کی عادت ہے۔ وہ دکھائی نہ دے گی تو دل

کس طرح سنبھلے گا..... کیا تم اسے کسی دوسرے کے پہلو میں دیکھ سکو گے؟“ خیالات کا جھوم بکرا اسے گھیرے ہوئے
تھا۔

”یہ کیا ہو گیا ہے مجھے میں کہوں ان جذبات میں جکڑ کر رہ گیا ہوں؟ کل تک سوہ کسی کی لمانت تھی اور تم اس پر ایک نگاہ
ڈالنا بھی نہ دیتے تھے آج اپنے ہی مہرے باغی ہوئے جا رہے ہو؟“ فیئر نے گویا سیدی ڈگر دکھائی چاہی۔

”مجھے کیا معلوم تھا..... اسے شکوہ کرتی نہ پاؤں گا۔“ نفس کر رہا۔
”اے عہد کو تاراج کرو گے تو کچھ حاصل نہ ہوگا عزت پانے میں ایک عمر لگ جاتی ہے اور کھونے میں لمحہ کافی ہوتا

ہے۔“
”میں کچھ نہیں جانتا ماسوائے اس کے کہ..... میں اس کے بنارہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا..... اگر وہ نہیں تو کچھ بھی

نہیں.....“

”خوابشوں کا سودا کرنے والے صرف حسرتیں ہی وصول کر پاتے ہیں۔“

”اوہ شٹ..... کیا ہو گیا ہے مجھے؟“ اندر کی آوازوں سے گھبرا کر اس نے دونوں ہاتھوں سے سرٹھام لیا۔ معاہدہ ابلیسی مہک اور گرد بھٹی تھی کوئی سرسراہٹ سی محسوس ہوتی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ وہاں آ رہی تھی ہاتھ میں ٹرے تھا سے کل کی طرح غرارہ سوٹ نہیں پہنتا تھا۔ البتہ رنگین گوٹے کے کام سے مزین فراک اور پانچ ماہرہ زیب تن کیا ہوا تھا گرین گوٹے ورک کا دوپٹہ سلیقے سے اوڑھا ہوا تھا۔ گوٹے کی دھک اس کے سارے حسن کو نمایاں کر رہی تھی۔

”زید بھائی..... سر میں زیادہ درد ہو رہا ہے؟“ وہ ٹرے نہیں پر رکھتی ہوئی پریشانی سے گویا ہوئی۔ وہ بے ہوشی میں سر پر اس طرح سے ہاتھ رکھتا تھا سے دیکھ رہا تھا کہ امید نہیں دہاتی تھی۔

”بہت زیادہ درد ہو رہا ہے۔“ لائیں میں سر دباؤں.....؟“ وہ اس کے جذبات سے بے خبر سا دگی میں آگے بڑھی اور وہ بیک کر دوڑ بولا۔ اندر جھکی ہو کر باہر سے وہ از حد مضبوط تھا۔

”تم کیوں آئی ہو؟“ وہ ٹرے پر نگاہ ڈالتا ہوا نرمی سے گویا ہوا۔ ”ہوا تیار رہی تھیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں سارا دن سے کچھ کھایا نہیں ہے اور جائے کا بھی منہ کر دیا تھا میں آپ کے لیے کافی اور پکٹن چیز سینڈوچز لائی ہوں آپ کو پسند ہیں ناں اور یہ نیکیٹ بھی ہے۔“ اس نے ٹرے اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ خیال یہ انداز کون رکھ سکتا تھا اس کے جانے کے بعد؟“ ایک دم سے ہی آنکھوں میں پانی اٹھنے لگا۔ جدائی کا دکھ سب سے بڑھ کر دکھ ہوتا ہے۔

”تم جاؤ میں کھاؤں گا۔“ آنسوؤں کو چھپانے کے لیے اسے اٹھنا پڑا وہ ٹرے اٹھا کر سریر ہیال چڑھتا چلا گیا۔



عائشہ نے باہر کے پیپر زخم ہونے کے دوسرے دن ہی پلنگ باری کا پروگرام بنالیا تھا۔ اس کے والد ابھی واپس نہیں آئے تھے اور والدہ طبیعت کی ناسازی کے باعث گھر میں تھیں۔ وہ حسب عادت انشراح کو ساتھ چلنے پر راضی کر چکی تھی۔ دعوت بانی کو بھی دی تھی اور بانی کا وہ بھی پرانا مسئلہ تھا کہ کسی سے اجازت ملتی دشواری سو وہ معذرت کر چکی تھی۔

البتہ انشراح نے فوراً حامی بھر لی تھی۔ ریڈو پنے وہاں سوٹ میں پہلی بار ول لگا کر تیار ہوئی تھی رفیوم چھڑکتی ہوئی کافی غور سے اپنا جائزہ لیتی رہی تھی۔ روٹی کی نازک سی چولہی روٹی کا ہی بریسٹ پہنا تھا گولڈن سرٹی، ماس بالوں کو برش کر کے ایسے ہی چھوڑ دیا تھا۔

”نوفل کا خون تمہارے ہونٹوں پر دکھائی دے رہا ہے۔“ بانی نے ریڈو ڈارک لپ اسٹک سے رگے ہونٹوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہوں..... ایسا ہی مجھ کو چھ آج میرے اس مقام کے پہلے دن کے طور پر ٹھکانے کے لیے یہ کلر چڑھایا ہے۔“ وہ بانی چاہے ناں.....“ ریڈ لپ اسٹک نے اس کے منہ سے سن کر کھڑکھٹایا ہوا تھا۔

وہ گھر سے عائشہ کے ہاں آئی جہاں کچھ دیر بیٹھ کر اس کی ماس سے ٹلیک سٹیک کرنے کے بعد عائشہ کے پاس آگئی جوتھائی ستے ہی اس کا ہاتھ دبا کر مٹھی خیر لہجہ میں گویا ہوئی۔

”آج تو کسی کے قتل کے سامان کرنی ہوئی بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔“

”کیا تمہیں ایسا لگتا ہے میں کسی کو قتل کر سکوں گی؟“

”کچھ قتل ہتھیاروں سے نہیں لگا ہوں سے ہوتے ہیں.....“

”مگر کوئی لگا ہوں سے قتل ہوتا ہے تو اچھا ہے..... پوئیس کو کوئی ثبوت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔“ دونوں ہی ہنس دیں۔

”نوفل بھائی بانی پر نیسلٹی اتنے ہنس ہیں کہ کوئی لڑکی ان کے قتل کا سوچ بھی نہیں سکتی یہ میرا دعویٰ ہے۔“ عائشہ نے پریقین لہجہ میں کہا۔ انشراح تیزی سے گرون جھکا گئی۔ مبادا کہیں اس کی آنکھوں سے غلطی نفرت و دشمنی کی لہر اس کے دھوکے کو بھی نہ کر دے۔

”اپنے نام نہاد بھائی کی تحریفیں سنانے کے لیے انویٹ کیا ہے تم نے؟ مجھے کسی پارٹی کے خدو خال تک دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔“

”نوفل بھائی کہنے لگے الگ الگ گاڑیوں میں جانے سے بہتر ہے وہ اپنی لینڈ کروزر لے آئیں گے پھر چاروں ساتھ چلیں گے وہ انے ہی والے ہیں۔“ وہ اسے کولڈ ڈرنک پکڑائی ہوئی بتاتے تھی۔

”ڈنر کے لیے پہلے ہی ٹیبل ریزرو ہو چکی ہے ڈنر کے بعد کچھ دیر ویو پر گزاریں گے..... تانی کو بتا کر آئی ہوں نا تم بھی لگ سکتا ہے؟“

”بانی کے ہوتے ہوئے مجھے کوئی پرابلم نہیں ہوتی میری ہر پرابلم کو وہ اچھے سے کیری کرتی ہے پھر تانی کو ہینڈل کرنا اس کا کام ہے۔“

”بانی کے گھٹس کی میں بھی فین ہوں۔ دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔“ وہ کولڈ ڈرنک پی کر فارغ ہوئی تھیں جب وہ دونوں آگے تھے عائشہ کی کمی سے خیریت دریافت کی تھی۔ ملازمہ نے انہیں بھی کولڈ ڈرنک پیش کی پھر وہ وہاں سے روانہ ہوئے تو چائنا سٹان کی وسختوں میں اپنا سفر شروع کر چکا تھا اور ڈنر کے بعد ہی ویو کے ساحل تک آتے آتے چاندنی کا غبار ہر سو پھیل گیا اس پورے عرصے میں ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی وہ آپس میں ڈائریکٹ بات نہیں کر رہے تھے۔ البتہ آپس میں ہونے والی باتوں کا جواب ضرور دے رہے تھے۔ عائشہ اور بابر ان کی جھجک کو محسوس کر رہے تھے اور کچھ بھی رہے تھے۔ انشراح نے مذاق میں جو غلطی کی تھی اس کا اثر اتنی جلدی زائل ہونے والا نہیں تھا۔ پھر ان کے تکلف کو دور کرنے کے لیے انہیں تیار چھوڑنے کا موقع دیتے ہوئے وہ دونوں ٹیلیٹ ہوئے ریت پر آگے بڑھ گئے۔ چاندنی رات تھی چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی ہوائیں سرد و فرحت بخش تھیں آسمان بھی روشن دکھائی دے رہا تھا۔ اس عرصے میں لوگوں کی آمد و رفت کم گئی۔

آکا کا کافی جوڑے تھے جو اسے فاسلوں پر موجود تھے۔ سمندر کی آہر میں خاصی اونچائی میں ساحل سے ٹکرائی تھیں سینڈل اور سٹونز انہوں نے گاڑی میں ہی چھوڑ دیے تھے۔ وہ چاروں ہی ننگے پیر ریت پر موجود تھے۔ انہی وہیں نصب ایک بیچ پر بیٹھ گئی تھیں اس کے پاؤں کو چھو کر جاری تھیں اس نے چند لمحوں تک دیر چاہتے ہوئے بابر اور عائشہ کو دیکھا اور پھر وہ لہروں کا کھیل دیکھنے لگی جلدی اسے کسی کی گرم نگاہوں کی تہش کا احساس ہوا اس نے زون موز کر دیکھا وہ کچھ فاصلے پر کھڑے دونوں ہاتھوں میں ڈسپوزیبل گت تھا سے کھڑے اسے دیکھ رہا تھا اور اسے متوجہ کر کے کہ اس کے قریب آگیا اور ایک گت سے پکڑا تا ہوا وہیں بیٹھا ہوا بولا۔

”میرے خیال میں ساحل سمندر پر کافی نہ بی جائے تو مزہ دار رہتا تھا۔“

”باہل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ عائشہ اور بابر بھائی آگے چلے گئے ہیں۔“ وہ کافی لیتی ہوئی اس انداز میں گویا ہوئی جیسے ان کے درمیان کوئی بد مزگی نہ ہوئی ہو۔

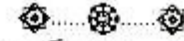
”انہیں کافی دے کر آیا ہوں وہ لوگ کچھ فاصلے پر ہیں۔“

”ہوں..... عاصفہ کو آتی جاتی لہروں میں چلنا بہت پسند ہے۔“ اس کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا ان کے درمیان ایک گھبرائی خاموشی رہا کرتی تھی۔ وہ خاموشی سے کافی لہا رہے تھے ان کے پاس صرف سیٹیاں بھائی ہواؤں اور آتی جاتی لہروں کا شور تھا۔

وہ قریب بیٹھا تھا اور اس کے لمبوس سے نکلتی دلاویز مہک ماحول کو محط کر رہی تھی۔ دونوں کے لب مضبوطی سے بند تھے لیکن دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے گو کہ جذبے تلخ و عذیبہ تھے۔

”تمہاری اس دن والی حرکت کو میں کیا نام دوں؟ تم کہتی ہو وہ مذاق ہے..... لیکن میرا دل اسے مذاق ماننے کو قطعی تیار نہیں۔“ وہ کافی خستہ کر کے اس کی طرف دیکھتا ہوا انتظار کرنے لگا۔ اس کے بے حد عجیبہ لہجے میں عجیب سی گھبرائی تھی ایک کرب اور تڑپ تھی۔

”آئی مین میں تمہیں جھٹلانے کی سعی بالکل نہیں کر رہا میں صرف اپنی فیملی کو شیمز کر رہا ہوں آئی نو میرا اپنی نیو شروع سے تمہارے ساتھ روڑ رہا ہے میں نے بھی ایسی صنف مخالف کو پسند ہی نہیں کیا جو بولڈ اور ایڈاؤس دکھائی دینے کے چکر میں اپنا وقار و تقدس بھروسہ کر لے۔“ وہ اس کی چلتی نکالیں پوری شدت سے محسوس کر رہی تھی چونکا ہوا اٹھانا نہیں جانتا تھا اب بلا جھجک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انٹی اس کے لہجے کی کٹک کٹاچی طرح محسوس کر رہی تھی گلاب تھا چنانچہ میں دراڑیں پڑ رہی ہیں اور وہ خود افسوس سے چہان کی مانند سخت وبے چلک ہوئی جارہی تھی۔ وہ اسی طرح بے جس و حرکت بیٹھی رہی تھی۔



دل باتوں نے کچھ اس انداز سے چوٹ کھائی کہ وہ بیمار ہو گیا اور کچھ اس طرح سے نڈھال ہو کر پڑا تھا کہ اگر دگر کوئی خبر نہ دیتی تھی۔

”انڈ جانے کس کی نظر لگ گئی میرے بچے کو باہر شادی کے شادیانے بن رہے ہیں اور یہاں میرا بچہ بے سندھ پڑا ہے۔“ عمر ان کی آواز اس کی سماعت سے گرائی مگر اٹکھ کھولنے کی ہمت نہ ہو سکی۔

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے تم ہی ذمے دار ہو اس کی۔“ ایک عرصے بعد وہ یوں قریب ہوئے تھے مگر سر دلبجے میں گویا ہوئے۔

”میں ذمہ دار ہوں؟“ وہ ناگہن کی طرح پھینک دیا۔

”کیا کیا ہے میں نے..... کیا کوئی ماں اپنے بیٹے کی دشمن ہو سکتی ہے؟“

”ہاں..... تم جیسی مائیں ہوتی ہیں جو اپنی انا و ذات کے علاوہ کسی کی بھی پروا نہیں کرتیں..... تمہیں معلوم ہے نزدیک کی حالت کیوں ہوئی؟ ایسا بیمار وہ کبھی نہیں ہوا جتنا وہ دن میں ہو گیا۔“

”آپ ہی بتا دیں میں لاعلم ہوں اچھی ماں نہیں ہوں نہ.....“ وہ طنز اگویا ہوئیں۔

”آج پیار سے میاں کی جگہ زید سے سوہ کا رشتہ جڑ رہا ہوتا تو زید کی یہ حالت نہ ہوتی لیکن تم نے شخص اپنی نفرت میں اپنی تنگدلی کے باعث بٹے کو اس کی خوشیوں سے محروم کر دیا۔“

”سوہ..... جو نہ وہ لڑکی میری بہو بننے کے لائق نہیں ہے اور زید نے بھی اس لڑکی کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا تھا..... اور دیکھتا بھی کیوں وہ یہ بات جانتا ہے کہ..... میں اس کی شادی اپنی بھانجی سے کروں گی۔ عروہ لاکھوں میں ایک لڑکی ہے۔ سوہ منحوس کو میں اپنے بچے کی پر جھانک سے بھی دور رکھنا پسند کرتی ہوں۔“

”سوہ منحوس..... اسے منحوس سمجھنے والے خود منحوس ہیں اور کسی قسم کی خوش فہمی میں مت رہنا..... عمران بیگم..... اگر زید کی

بیوی میری بیٹی نہیں بن سکی تو تمہاری بھانجی بھی نہیں بنے گی.....“ والدین کی سنگین تکرار نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا مگر وہ اس کے جاگنے کو نہ دیکھ سکے تھے۔

”آپ کو کسی خوش فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے مگر صاحب زید ماں کی بات ماننے کا میں نے ان کی خاطر قربانی دی ہے سو تنہا ماں کے ظلم سے محفوظ رکھا ہے..... آپ تو ہمیں چھوڑ کر مزے سے زندگی گزار رہے تھے حسب آپ کو یا نہیں آیا تھا کہ بچوں کے بھی کچھ حقوق ہیں؟ انہیں بھی آپ کی توجہ و محبت چاہیے۔“

”تمہاری ان ہی چالوں نے مجھے بچوں سے دور رکھا تم نے جان بوجھ کر میرے اور بچوں کے درمیان فاصلہ کھانا کہ بعد میں تم اپنی من مانی کر سکو اور تم نے من مانی بہت کر لی اب نہیں کر سکو..... سوہ نہ سنی لیکن اب زید کے لیے لڑکی میں اپنی پسند سے لے کر آؤں گا.....“

”میں بھی دیکھوں گی عروہ کی جگہ آپ کس لڑکی کو لائیں گے؟ پہلے دن ہی گردن دبا کر مار دوں گی اسے.....“ حسب عادت ان کی کھٹ پٹ جاری رہی مگر صاحب کی کال آگئی تھی وہ انہیں سوہ کی رخصتی کے لیے بلارہے تھے۔ کیونکہ وہ بچکھوٹ سے زید کی طبیعت دیکھتے گھر چلے گئے تھے اور یہاں ہر انسان سے پہلے ہی موجود ہیں۔

”خیر کم جہاں پاک جان چھوٹنے کی اس منحوس لڑکی سے بھی.....“ وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی اپنی سب سے بڑی دشمن کو رخصت ہوتے دیکھنا ان کی اولین خواہش تھی۔ سوہ کسی خار کی مانند ان کی زندگی سے نکل رہی تھی وہ ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہو گئی تھیں۔

”زید..... یہی طبیعت ہے بیٹا؟“ وہ اس کے پاس چلتے۔

”فائن زیدی..... پہلے سے بہتر ٹیل کر رہا ہوں۔“ وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

”یہاں چاک کیا ہوا آپ کو کل دن میں تو ٹھیک تھے؟“

”مجھے خود پتہ نہیں چلا کہ چاک کیا ہوا ہے لیکن آپ پریشان مت ہوں تلیا کی بار بار کال آ رہی ہے آپ جائیں۔“

”ہوں..... میں رخصتی کے بعد آتا ہوں آپ اپنا خیال رکھنا۔“ وہ کہہ کر جگت میں چلے گئے وہ شاگرد سا بیٹھا رہ گیا۔

ایک گھنٹے بعد شاہ زید کی کال آگئی وہ بھیکے لہجے میں سوہ کے رخصت ہونے کی خبر سن رہا تھا..... یہ خبر بھی یا سیلا لی ریلہ جو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا تھا اور دل پہلو میں دھڑکنے لگا تھا۔ بے بسی ہی بے بسی تھی وہ دھاڑے مار مار کر لے ہوئے مسافر کی مانند رونے لگا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



کاشدکم هوکا
طلعت نظامی

کوئی	حرف	وفا	نہ	حرف	سادہ
میں	خاموشی	کو	سننا	چاہتی	ہوں
میں	بچپن	کے	لحے	میں	رک
کوئی	جگنو	پکڑنا	چاہتی	ہوں	

”ابھی میرا گھر بسانے کا موڈ نہیں تھا۔ ایسی شادی کا کیا فائدہ جو قہر عیوں کے بوجھ تلے دب کر کی جائے۔ بس اماں کی معذوری نے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کروا دیا تھا۔ کیا کرتا گھر کی ذمہ داری اٹھانے والا ابھی کوئی نہیں تھا۔ چھوٹے بھائی، لیکن کو ایک وقت کی روٹی پکا کر دیئے والے ہاتھ نہیں تھے۔ اس لیے میں نے ہاں کر دی۔ اب یہ شادی ذمہ داری ہے کہ کس خوش اسلوبی سے میرے بچکرے ہوئے گھر کو کھینچتی ہو اور میرے دل کا پچھتاوا دور کر لی ہو۔“ وہ سن ہوتے وجود کے ساتھ اس کی ساری رام کہانی سن رہی تھی۔ بولنے کو لب کشاں ہوئے دستاویزوں نے احتجاج بلند کیا۔

انہیں غصے کی تیز سرد چڑبڑ کی بری لکڑی پیاہ دے
 گی ان کے احیاءات کو بجھوئی تو وہ بھی موم ہو جائیں گی
 پس معذروہی اور محتاجی نے انہیں چڑھایا ہوا ہے امید ہے
 جس جذبے کے تحت وہ تمہیں پیاہ کر لائی ہیں انہیں کبھی ماند
 نہیں پڑنے دو گی، اصل میں دو پہنوں کے بعد میں دوسرے پہن
 بھائیوں میں بڑا ہوں اس لیے گھر کا واحد فیصل ہونے کے
 ساتھ ساتھ گھر والوں کی ساری توقعات مجھ سے وابستہ ہیں
 اور میں کسی کے احساسات کے بخروج جوئے کا باعث نہیں
 بننا چاہتا۔ میرے گھر والوں کو وہی مقام دینا ہو گا جو میرے
 دل میں ان کے لیے ہیں ان کی دل بھنی کسی بھی مقام پر
 میری دل آزاری کا باعث ہوگی اور نتیجہ لڑائی جھگڑے کی
 صورت میں نکلے گا۔ بہتر یہی ہو گا مایاں بیوی کا رشہ خواب
 گاہ میں ہی چھوڑ کر جانا۔ باہر بقتار شتوں کو جان سے بھی
 عزیز جانا اور ان کی باندھاری کی کوشش کرنا۔

وہ دیکھ رہی تھی۔ کہتے ہیں جیسی کہ نہیں اس کے نصیب سے ڈر لگتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے صورت جیسی بھی ہو جیسی قسمت کی دھن ہوئی چاہیے۔ یہ دوسرا مقولہ ماننے سے وہ من نے انکار کر دیا۔ کم صورتی کم نصیبی سیلیاں بنیں۔ وقت کی سفاکی نے ارمان نکل لئے کم صورتی زبان بندی کو بھی دھتورت دے گئی وگرنہ اس وقت سیدتان کرکھڑی ہو سکتی تھی کہ بتاؤ کس گناہ کی پاداش میں آج جلی رات سفاک جلوں سے بچھو لوہان کیا جا رہا ہے۔ کیوں سزا دی گئی مجھے تم جیسے تھے ہوئے بندے کے ساتھ ضلک کر کے، لیکن کہہ نہیں سکتی تھی ناں..... سب سے بڑا مجرم تو

اس کا گہرا سناٹا نواہر اُپا تھا۔

سب سے ظالم اس کے ماں باپ کی "غزیت" تھی اور سب سے بڑی بے حمیرمی اس کے بھائی بھائی کی تھی جنہوں نے اسے دھکا دے دیا گہری کھالی میں وہ آواز بھی لگاتی تو کوئی نہیں سنتا..... سو اس نے زبان بند کر لی.....

سارے مجرموں کو اپنے اپنے جھکے سزا اسانے کے بعد نامر جیسے انسان کو پتھروں کے بعد اپنے امتوں بھرے دل کو سیراب کرنا تھا۔ در نہ تو وقت سے پہلے ظالم لوگوں کے ہاتھوں وہ مر جاتی۔ ابھی اسے زندہ رہنا تھا جب تک سانس کی ڈوری وجود کے تن بدن سے پٹی تھی۔

تصور اور اس سے وابستہ رشتوں کو سمجھنے کی توسیع آپ
کی فکری کڑی پر خواب دیکھنے پر نہ پابندی تھی۔ اس کی کوئی
قیمت سمجھنا نے کمرے کے ہر کونے محدودے میں خواب
سجائے شروع کر دیئے۔ پراس کے لیے رات کی تاریکی بہت
ضروری تھی۔

”ناصر لائٹ آف کرویں“ مجھے نیند میں آتی ہے روشنی میں۔ ”یہ پہلا جملہ تھا اس کا اپنے شوہر سے، پہلی بھر میں کمرے میں اندر چھا جھکا گیا اور پہنوں کے جھنڈ چکنے لگے۔ خوابوں کی راوی مجھے کبھی نہ تھی۔“

☆.....☆.....☆

”تمہاری ہستی سے یہ مہرِ خنت گلتے لگتے گئے ہیرا کرہ
صحیح معنوں میں آج تمہارے وجود سے سجائے ہو گئے اس کو
سمنوارنے والے بہت تھے پر تم نہیں تھیں! جس کی کمی کا
احساس دل میں کہیں جائز نہیں تھا۔ یہ غلّہ آج پورا ہوا.....
تمہاری موت ہی صورتِ دل میں کئی جوت چمکا گئی ہے۔“
اس کی ریشمی آنکھوں کا اس اپنے ہاتھوں پر محسوس کیا۔

وہ مر چکا تھی۔ دل تھا کہ خوشیوں کے ہنڈولے میں بھول رہا تھا۔ اتنا خوب صورت، وجہہ شریک سفر اس پر مستزاد اس کی باتیں من ہلک ہلک کر لے کر ہوجانے کے لیے دعا گو تھا۔ حیات جاوداں کی جستجو اور خواہش جاگ رہی تھی۔

”گو کہ اس گھر میں لوگ بہت ہیں اور کام بھی بہت پر سب محنت کرنے والے بے ضرر رشتے ہیں، مل بابت کر فہم داریاں نبھانے کا جذبہ ہے سب میں اور تم تو بڑی بہو ہو! ان کے ارمانوں کا پھیلا پھیلا کر سب تمہیں وہ پیار اور



محبت دیں گے جس کا تم نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔
 ”کیا بات ہے تم کچھ بولو کی نہیں۔۔۔۔۔۔ یا سارے سبق
 میں ہی آج تمہیں پڑھاؤں گا۔۔۔۔۔۔ جملوں کی شوقی پر زبان
 منگب ہوگئی۔ ”بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔۔۔۔۔۔ اپنی
 خوش نصیبی پر رشک آ رہا ہے سب کے سب ہماری جوڑی
 کے معترف تھے چاند سورج کی تشبیہات دے رہے تھے۔“
 وہ مسکرا دی۔
 ”آج تیسری بار تمہیں دیکھا ہے پہلی بار سسلی کی طرح
 ڈنڈے پارٹی پر دوسری بار۔۔۔۔۔۔“ وقت سرک رہا تھا اور وہ
 بدبو ش۔۔۔۔۔۔ لی جا رہی تھی۔ خوب صورتی اور بلند تختی عروج پر
 تھی۔
 ”لائٹ مت آف کریں۔۔۔۔۔۔ اس نے بڑے ناز سے
 کہا تھا۔
 ”کیوں۔۔۔۔۔۔“

”مجھے ابھی آپ کو دیکھنا ہے جی بھر کے اپنی قسمت پر
 رشک کرنا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرنا ہے۔“ جواباً خوب
 صورت قہقہہ گونجا اور اس کا تن من محبت کی پھورائیں بھیک
 گیا تھا۔

☆ ☆ ☆
 سل بے پر پختی اور دیگر مصالحہ جات پیٹے ہوئے وہ
 دہری ہوئی جا رہی تھی۔ معذوری کے باعث ایک جگہ پر گئی
 ”اماں“ کی فرمائشیں اودھ موٹی کر دیئے والی تھیں۔ اس
 کے ہاتھ چل رہے تھے۔ اس پر اور ان کی زبان۔
 ”ایسا سل بنا ابھی پورے خاندان میں کسی کے پاس
 نہیں ہوگا۔ اللہ بخشے تمہارے مرحوم سرے کرائے تھے
 تیس سال ہو گئے اسے ساتھ بھاتے ہوئے آج بھی اس
 کی کارکردگی مانند نہیں پڑی دیکھو تو کیسے منوں میں پارک
 مصالحہ سامنے آ رہا ہے۔“ انسان کے پسینے میں اٹے تھکے
 ماندے وجود کی کارکردگی سے زیادہ سل کی کارکردگی پر فخر
 تھا۔
 ”اماں۔۔۔۔۔۔ میں بھیج میں گراؤں دمی لے کر کائی ہوں
 آپ کہیں تو اس میں سب چیزیں ہیں دیا کروں چائے بھی
 نہیں لگے گا اور کام آسان ہو جایا کرے گا۔“ کمر در آئیں
 سرکے بھی نہیں دے رہا تھا۔
 ”کیوں تجھے کہیں نماز پر جانا ہوتا ہے وقت کی بچت

کر کے۔ یہ تو آسانوں والے کام کا مشورہ مجھے نہ دیا کر
 اس موٹی ٹھیکن میں پیسے مصالحے کا بھی کوئی مزہ ہوتا ہے
 کیا۔ تین وقت کا کھانا بھی آدی ہے ذائقہ کھائے تو کیا
 فائدہ ذرا سی محنت ہی لگتی ہے پر پیٹ بھر کے آدی کھانا تو
 ہے نا۔“ زبان کا ذائقہ انسانی مشقت پر حاوی تھا۔
 ”آٹھ نو بندوں کا کام نمٹاتے نمٹاتے وہ دھمے دن میں
 ہی ٹھک جایا کرتی پھر بھی دس خران پر نہ اسے اڑانے والے
 روبرو بات ہی بات میں اچھا خاصا اسے مسخر کا نشانہ بنا
 جاتے اور تا صبر تو یوں کھانے پر نظر جمائے بیچارہ جیسے
 ایک نگاہ غلط بھی پیوی پڑاؤ تو اماں کی عدالت میں مستحب
 ٹھہرے مگر والے اس کے کام اس کے پسینے اور اس کی
 شہید کی کوشش نہ جانتے رہے اور وہ یوں گونگا بھرا بن جاتا
 جیسے اس سے کوئی تعلق ہی نہ ہو اس کا دل کراہتا پر دل کی
 صدائیں کون سنتا ہے؟

☆ ☆ ☆
 ”ارے بنا۔۔۔۔۔۔ عقیدہ کو تو کچن سے نکال وقت بے
 وقت تھکی جانے کو کون کی ڈشز پکا رہی ہوئی ہے۔ اب
 برتن دھونے کھڑی ہوگئی ہے آج گری بھی اسے عروج پر
 ہے برتن حیران دھو رہی اسے تو جنوں ہے ہاتھ کے ہاتھ کام
 نمٹانے کا۔“ ساس کے لہجے میں محبت کا سمندر غماخیں مار
 رہا تھا وہ کھانے کے بعد نیم دراز لیوی پر گرام سے لطف
 اندوز ہونے والے بیٹے سے مخاطب تھیں۔
 ”امی۔۔۔۔۔۔ آپ بھی عجیب ساس ہیں ہر ساس تو یہ
 جانتی ہے کہ ان کی بہو کچن کا ڈیکوریشن نہیں بن کر ہر وقت
 کچن ہی میں ہی رہے۔۔۔۔۔۔ اور ایک آپ ہیں۔“ وہ ہنسا۔
 ”بہو کچن میں پروا نہ دیتی ہیں کمال ہے۔“
 ”میں ان ساسوں میں سے نہیں جو بہو کو ملازمہ کا درجہ
 دیتی ہیں وہ فرض بھائی بیٹے کو عزت کی حق دار بھی ہے جیسے
 گھر کی بیٹی عزت و محبت کی مستحق ہوتی ہے۔ اس کا کدہ میں
 نہیں محسوس کروں گی تو اور کون کرے گا۔ ماں تو ہے نہیں
 بیچارہ کی۔“ وہ مسکرائی دھری آگئی۔
 ”مجھے اس گھر میں کوئی دکھ نہیں امی اس لیے میں اپنی
 ساری تھکان بھی بھول جاتی ہوں اور کس نے کہا میری ماں
 نہیں یہ جو ابھی بیٹھ کر مجھے محسوس کر رہی ہے میرے جسم کی
 محبت اور عزت کا حق دار مجھے ہماری ہے یہ کون ہے۔۔۔۔۔۔

ماں نہیں تو اور کیا ہے۔“ ان کے شانوں پر اپنے ہانڈ پھیلا
 دیئے۔
 ”نہیں بنا اس گھر میں بہت لوگ ہیں۔ سب کو ان
 کے جسم کا کام کرنے دیا کر تو تم اکیلی جان کیا کیا کرو گی۔
 ماشا اللہ کھانا بھی اتنا اچھا پکا کرنا ہو تو پانی کام دوسروں کے
 سپرد کرو۔ اس طرح ان کی عادتیں بگڑ جائیں گی میں نے
 اپنے بیٹوں کی تربیت بھی اس طرح کی ہے کہ وہ عورت
 ذات کو عزت کے قابل سمجھیں خواہ وہ ماں ہو بہن ہو بیٹی
 ہو یا بھالی۔“
 ”جی مجھے معلوم ہے امی۔ سب مجھ سے عزت و
 احترام سے پیش آتے ہیں۔ مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں
 بدلے میں میں انہیں کچھ آرام پہنچاؤں تو کیا برا ہے بلکہ
 میرے دل کی خوشی ہے۔۔۔۔۔۔“
 ”ماشاء اللہ۔۔۔۔۔۔ تم سب کو
 تمہارے جیسی بہو دے۔“ ساس نہال اور وہ خوشی سے بے
 حال تھی۔

☆ ☆ ☆
 ”اماں۔۔۔۔۔۔ آج بھائے گھر جاؤں گی حسن کی سالگرہ
 ہے بھائی نے رات ہی فون پر مجھے بتایا تھا۔“ کپڑوں کا
 ڈھیر لیے کچن میں لگے ٹل کے نیچے بیٹے چھوڑے پر وہ اپنی
 ساس ہمارا کرنے لگی۔ کپڑے کوٹنے والا کوٹھا اسے ساس
 کی طرف سے تحفے میں ملا تھا۔
 ”کپڑے پہننے پہننے ہاتھ مل ہو گئے تھے۔ دھوپ میں
 کھری سا کوئی رحمت اور دمی بھوکا ہو کر اپنی قسمت کو درہی
 تھی۔
 ”لونی۔۔۔۔۔۔ گھر میں نہیں دانے اماں چلیں بھانے۔
 کیا لے کر جاؤ گی بی بی اپنے بیٹے کی سالگرہ میں۔۔۔۔۔۔ خالی
 ہاتھ تو تیری لائی طبیعت کی بھانج رشتہ بھانسنے سے بھی
 انکار کر دے گی۔ کہیں دروازے سے واپس نہ آ پڑے۔“
 ساس کی ناگوں کی زنجیوں کے نیل سے پاش کر لی زندگی
 عجیب چڑانے والے انداز میں فیس دی تھی۔ جو رات ہی
 اپنے چھ بچوں سمیت ماں کی خبر گیری کو تشریف لے آئی تھی
 جب سے تخت تھا اور دونوں ماں بیٹی کی کھسر پھسر۔ وہ بے
 بسی سے کچھ کر رہی تھی۔
 ”ماں نے پانچ سو روپے دیئے ہیں۔۔۔۔۔۔ وہی دے

دونوں گی۔“ اس کی آواز کی جوت بھی ماند پڑ گئی تھی۔ سلگتے
 سلگتے اپنے اندر کا سوختہ پن بھی اب واضح طور پر محسوس
 ہونے لگا تھا۔
 ”کیا۔۔۔۔۔۔ پانچ سو روپے۔۔۔۔۔۔ اماں؟“ نند نے پہلے
 اسے اور بعد میں اماں کو دیکھا جیسے جرم جرم سرزد کرتے
 ہوئے رینگے ہاتھوں پکڑا جائے۔ ”ابھی صبح دودھ تک
 کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں تھے اور اس تو اشک والی
 بیوی کے لیے نہیں جھانڈ کر چل پڑا۔“ اس نے ہاتھ چھپایا۔
 ”زن مرید کہیں کا شکل سے مینٹی نظر آنے والی یہ
 عورت اندر سے اتنی مٹی ہو گئی تھی کہ نہ نہیں تھا۔ کہاں رکھے
 ہیں پیسے چل ناز و نکال کر لاؤ۔۔۔۔۔۔ وہ ہر ساں ہوئی کیا
 بیانی کتنے دنوں کے طعّوں مسکوں کے بعد ماں نے نرم
 اس کے حوالے کی تھی ساتھ اس کے چہرے پر اٹھلیاں گڑا
 کر اس سختی کے ساتھ پکڑے ہوئے متنبہ کیا تھا۔
 ”کد آج کے بعد وہ اس عیاشی کا تحمل نہیں ہوگا۔ نہ
 رشتہ دار یاں بھانے کی اجازت ہوگی نہ پیسے ہاتھ میں ملیں
 گے۔“ اس کی آنکھیں ٹٹکن پانیوں سے بھر گئیں۔
 ”اماں اس بار چھوڑ دیں آئندہ نہ جاؤں گی نہ پیسے
 مانگوں گی پلینز اماں۔ ایسے نہ کریں۔“ وہ گڑ گڑائی۔
 ”میرے بیٹے کی خون پسینے کی کمالی تو ایک برائی کی
 پلیٹ پر اڑانے جا رہی ہے اور ابھی ہے میں کچھ نہ ہوں اور
 بے شرم بھانج کو دیکھ بجائے سرسرایوں کو بھی پوچھنے کے
 صرف نند کو بالا ہی بالا دعوت دے ڈالی۔ ہم دیکھیں جو
 صاف کر اٹے منوں میں تجھے اور تم بٹورنے کے لیے
 خاص خاص ہندوں کو صرف بلا لیا۔ سالگرہ منانے کے پیسے
 نہیں تھے تو نند کو جیز میں اچھی چیزیں دینے کے لیے تھے
 فقیروں کی طرح رخصت کر دیا بہن کو عیاد بھائی نے۔“
 کوئی ایک چہرے سے دو شکار کرتے ہیں کی گئی شکار ہاتھ کے
 ہاتھ بنارہی تھیں ناز و اس کی بتائی ہوئی جگہ سے پیسے نکال
 لائی تھی۔ اس کے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر پڑوں میں جذب
 ہوتے رہے۔
 ”اب تو جو نو اس یا نو اس چیز کے لیے پیسے مانگتے آ رہا
 تھا کھلے ہاتھوں سے اماں دے رہی تھیں سب کے سب
 خوشی سے چپک رہے تھے اور وہ نصیبوں علی تیزی سے
 رات کے آئے انتظار کر رہی تھی۔

”مجھے تم سے بہت شکایت ہے اب اگر اللہ نے اتنی صبر و شاکر کرپڑی کہ ساتھ دے دی دیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں تم اس کی آنکھوں کے خواب نوح و نوحہ کی تمناؤں کو سمجھتے اور ماننے سے انکار کر دو اب ضروری تو نہیں ہر بات کا اظہار وہ منہ کھول کر کرے جب وہ نہ کہنے پاتا کہ ہر ایک کی ضروریات کا خیال رکھ رہی ہے تو تمہارا بھی فرض ہے کہ اس کی ان کمی خواہشوں کو سمجھو.....“ ماں جی اس کے پیچھے ہی پڑ گئی تھیں۔

”اب کیا ہو گیا ماں جی..... اب آپ کی بہو کے کس حق کو پورا کرنے میں میں نے غفلت برت دی ایک بات تو جانتی ہیں اب آپ میری ماں ہیں یا اپنی بہو کی..... جس وقت دیکھو اس کے نام کی مالا چپنے میں مصروف ہیں۔“

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں تین چار مہینے ہونے کو آئے ہیں تم اسے آج تک کہیں تمہانے لے کر گئے اس کی بھابھیاں کہاں کہاں سیر سنانوں کے لیے لگی رہتی ہیں تو کیا اس کا دل نہیں چاہتا ہوگا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ کہیں گھومنے پھرنے نکلے سب کچھ ”کام“ ہی نہیں ہوتا زندگی میں انسان کے جذبات سے زیادہ کوئی چیز قیمتی نہیں جس کی قدر تم نہیں کرو گے۔ تو اور کون کرے گا سارا دن بس ایک پاؤں پر کھڑی سب کی فرمائشیں پوری کرتی رہتی ہے۔“ وہ بچن میں کھڑی اپنے مقدر پر نازاں تھی۔ ایک ایک لفظ ساعت میں امرت بن کر اتر رہا تھا۔ پھر وہ دنیا کے سب مردوں سے زیادہ محبت کرنے والا شوہر کہاں کہاں اسے گھمائے نہیں لے کر گیا۔ وہ جیروں شائیکہ کرائی۔ وہ گلاب کی مانند گل اٹھی تھی خوب صورت تو تھی ہی شوہر کی محبت نے حسن کو دوآ تھ بنا دیا تھا کتنی حسین زندگی تھی۔ اس سے سب مطمئن تھے اور وہ سب رشتوں سے شاد.....

گزرتے لمحوں نے جو نئی داس کی بھولی میں ڈالی اسے سن کر جھٹکے ہارے مسافر نے حیرت سے اسے دیکھا اس کے سانولے چہرے پر ممتا کی غاحت دکھوے لے رہی تھی۔

”ابھی تو شادی پر خرچ کیے جانے والے اخراجات کا قرضہ نہیں اتر پایا ہے کہاں یہ چھٹھٹ۔“ ہر پل ایک تازہ

دھم ہی تو اس کا منتظر تھا۔ زندگی کتنے ہی انقلاب لے آتی اس کے چہرے کی سیاہی کی طرح مقدر کی کالک بھی جھٹنے والی نہ تھی۔ لگ رہا تھا گھر میں صف ماتم بچھڑی ہو کر کوئی اپنی اپنی جگہ کنگ تھا خود غرضی کے رنگ میں رستے لوگوں کے لیے یہ خبر ہی بہت پریشان کن تھی۔

”اتنی ہی عمر میں میرے مرنے کے کندھوں پر بھاری وعدہ داری آن پڑی۔ ابی لیے میں اتنی جلدی اس کی شادی کے حق میں نہیں تھی۔ وہ تو کم بخت بہنیں پیچھے پڑ گئی تھیں۔ مگر نہ ابھی یہ خوش باش زندگی گزر رہا ہوتا۔“ ساس نے واہ لہ لہایا وہ اپنی جگہ چہرہ میں کئی جیسے گناہ کی پست بھولی میں لیے بیٹھی ہو۔

”یا اللہ..... ان ناقدروں کو اتنی جلدی یہ خوشی دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“ گرم گرم آنسو بہن کر آنکھوں سے بہنے لگے۔ ”وہ اتنا ان کو جو بھولی پھیلا پھیلا کر سونی گود کے آباد ہو جانے کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ مزاروں اور بیروں فقیروں کے درگاہ کی دھول بن بیٹھے ہیں اس آرزو نے لوگوں کو کمر اہی پر مجبور کر دیا ہے۔ ابھی پر اپنا کرم کروتا کیا ضرورت تھی یہاں بن مانٹے برکھا برسانے کی تھی دامال کو پیاسا ہی رہنے دیتا۔“ خواب گاہ آج کچھ زیادہ ہی روشن تھی۔ جتنی کاری ضرب ہوئی اتنی ہی جگر جگر کرتی یہ دنیا آباد ہوئی۔

اس کے تو قدم جیسے ہوا میں معلق ہوتے جا رہے تھے کئی بار ہاتھوں کے حلقے میں لے لے وہ گھوم گیا تھا۔ وہ چھینٹی جا رہی تھی۔ کچھ کھیا کر کچھ شرما کے بار بار چہرہ ہاتھوں میں چھپاتی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا دوبارہ کہو..... مجھے یقین دلاؤ کہ ہماری دنیا میں نت نئے پھول کھلتے جا رہے ہیں۔ کہیں میں خوب تو نہیں دیکھ رہا اتنی جلدی اتنی بڑی خوش خبری واہ واہ..... جتنی بناؤ بدلے میں کیا چاہیے نہیں جو مانگو وہ تمہیں ملے گا۔“ وہ پوچھتا ہوا جا رہا تھا۔

”سب کچھ تو مجھے مل گیا ہے اب اور کیا چاہیے آپ سے مجھے.....“ وہ مسکراتی۔

”چلو ٹھیک ہے..... میرا تم سے وعدہ ہے زندگی کے کسی بھی لمحے تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دوں گا۔ ہر پل تمہاری خوشیوں کی ضمانت دیتا ہوں میں۔ اتنا سکون

اور اتنی محبت دوں گا کہ تمہارا دامن تنگ پڑ جائے گا۔“

وہ جیسے ہوا میں اڑنے لگی تھی۔ مگر میں سب ہی بہت خوش تھے۔ ہر وقت آنے والے مہمان کے لیے لاکھ عمل مرتب ہوتے نہت نئے نام سوچے جاتے۔ اس کے لیے الگ کمرہ بنانے کی تیاریاں ہوتیں۔ وہ کوٹے میں سڑکی کئی مسکرائے جاتی۔ ساس کے لیے حد خوش کیں کبھی بار بار ”دادی“ بننے کا شرف جو حاصل کرنے جا رہی تھیں۔

”پوتا ہو یا پوتی سب اس گھر کی رونق اور ہمارے دلوں کا چین ہوں گے۔“ سب ماں جی کی اس بات سے متعلق تھے اس گھر کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔

اس کی طبیعت اس روز بہت خراب تھی۔ کسی کام کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کمزوری اور نفاہت سے برا حال تھا۔ اس نے ناصر سے اپنی طبیعت کی خرابی کا کہا تو اس نے ایسے دیکھا جیسے پولیس تفتیش سے قبل مجرم کا جائزہ لیتی ہے۔

”ابھی شروع کے ہی دن ہیں اور تمہاری ڈرامہ بازی کا آغاز دھبی ہو گیا۔ رات میری بہنیں کیا آگئیں تم کام سے بچنے کے بہانے دھونڈنے لگیں۔ حالانکہ وہ تمہاری ہی خبر گیری کو آتی ہیں۔“ اس کے سینے میں دل نہیں پتھر تھا۔ حالات کی ستم ظریفی اور جاہلانہ طرز روش نے اسے انتہائی حد تک کھوڑا بنا دیا تھا۔

”ابھی بات نہیں ہے ناصر..... میری طبیعت واقعی ٹھیک نہیں چکر کچھ ٹھیک کر گزرائیں ہونے دے رہے ہیں۔ اس کام سے میں پیچھے ہٹی ہوں۔“ اس کے دل میں ہوک سی ابھی ساری بہنیں بیچ بچوں کے ساتھ سارا دن بیٹھی بہن بھائیوں سے ہنسی مٹھول کر رہتی تھیں یا ماں کے کان سے لگی رہتیں اور وہ سب کی خاطر دایوں میں کھپکھپاتی رہتی۔

”ابھی اس میں.....“ ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ ”زیادہ احسان جتانے کی ضرورت نہیں۔ سب ہی عورتیں کرتی ہیں۔ تم کوئی انوکھی نہیں جب دیکھو کام کام کا رونا روتی رہتی ہو۔ اس گھر کی بہو ہو تم اونچ نیچ نہیں سنبھالو گی تو کون سنبھالے گا۔“ اماں نے سختی سے منع کیا تھا کہ عورت ذات کی کسی بھی بات پر اعتبار کرنے سے ورنہ شوہر بے مول بک جاتا ہے۔ سو یہ بات اس نے گروہ میں باندھ لی

تھی۔

وہ سارا دن محسن لٹو کی طرح چکراتی رہی اور کام میں جتی رہی۔ کوئی اس کا درد میں اٹا وجود دیکھنے والا نہیں تھا۔ ماں باپ کے بعد اس کی بہنیں گھر میں بے کار اور نا کارہ سامان سے اسے ایک پورے کی طرح تھی جسے موقع ملے ہی انہوں نے مٹا دیا ساتھ کیمپہ بھی کی۔

”جیسے بھی حالات ہوں اب گزارا کرنا تمہارا کام ہے۔“ جانی تو کہاں لبو لبان جذبات آشکار کرتی تو کس کے آگے۔

”مجھے ماندے وجود کو رات میں جب بستر صبر آتا تو لب خود بخود مسکرا اٹھے تھے۔ ایک بک وقت تو تھا جب وہ جی اٹھی تھی۔

شہر کا سب سے مشہور گانا کولو جسٹ کے پاس اس کا نام لکھوایا گیا تھا۔ باقاعدگی سے اس کا چیک اپ ہوتا۔ آنے والے وقت کی برائیاں دی جاتیں کھانے پینے کا خیال رکھا جاتا۔ اس کا کچھ کھانے کو بھی نہیں چاہتا۔ شوہر اسے باتوں سے مچھل کاٹ کر کھانا جو سڑکا بنا لگا دیتا پڑوہ کھنڈی سے پڑی رہتی۔

”دیکھو تم کھاؤ گی یا پوکی نہیں تو اپنے ساتھ ساتھ میرے بچے کی صحت کے ساتھ بھی ظلم کروں گی یا نہیں ڈاکٹر نے کیا کہا ہے کمزوری بہت ہے۔ ہر وقت تمہیں کچھ نہ کچھ کھانا ہے۔“ سب کی قاش اس کے منہ میں رکھتا وہ ناک بھون چڑھاتی پڑوہ نہیں مانتا اس کے ہر اٹھتے قدم کا وہ تو کیا کھر والے ہی خیال رکھتے وہ چڑھتی جانی۔

”آپ لوگوں نے ہوا بنا کر رکھ دیا ہے مجھے۔ دنیا کی عورتیں اس مرحلے سے گزرتی ہیں پتا ب لوگوں نے مجھے کوئی انوکھی چیز بنا کر رکھ دی ہے۔“ مصروفی انکی اور دل میں خوشیوں کے ٹکڑے سے سمیت اپنے سامنے لگی بچے کی خوب صورت تصویر پر لگوہ جاتی۔

”تم ہو ہی انوکھی چیز میرے لیے سب سے قیمتی گوہر نایاب۔“ اس کی مندریں آئیں تو پاؤں بھی زمین پر نہیں اتار دے تھیں۔

”بہت کرلیں ہماری خدمتیں اب ہمیں موقع دو کوئی ضرورت نہیں پہلے کی طرح بھاگ بھاگ کر حکم بجالانے کی

اب تم ریست کرو سب اپنا اپنا کام خود کر لیں گے۔“

چاہوں کے دیپ جلنے تھے اس گہری منڈیروں پر جذبول کی قدر کرنے والے لوگ ضرور تھے۔ انسانیت کا تاج فخر سے سروں پر سجائے یہ لوگ بہت دل کے قریب تھے کیونکہ دل میں اٹھنے والی ہر دھڑکی اور سے واقف ہی نہیں تھے بلکہ یہ اوا بھی سننے پریشان کن وجود کو اپنے محبت بھرے لہس سے تسلی دیتے، زخموں پر چھائے رکھتے، جس سے کراہ ہوتے ذہن بھی راہ راست پر آ جاتے۔ کیا کہاں تھا ان لوگوں کے پاس؟ وہ تو سیکے جانے کی آرزو بھی نہیں کرتی تھی۔ حالانکہ یہ حد جنوں کے سچے سے وہ ادنیٰ تھی۔ یہاں شوہر کے قصموں کی چاب سنبھالنے کی ضرورت تھی۔ اس کی بارعب اور شان سے جینے کی ادھر مر مٹنے میں ہی اپنی غایت سمجھنے والی اس لڑکی کا شمار کوئی پوچھتا۔ وہ بڑول نہیں تھا، نہ سر کی طرح۔

یہاں سب اس گھر کے بچے کو عزت دیتے اور اس کی بیوی کو پورے وقار و احترام کے ساتھ جینے کا ماحول فراہم کرتے۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھیں بڑے آب و گیاہ بنگلستان کی طرح سوچی پڑی تھیں، ہونٹوں پر پڑی چڑیاں خوشیوں کی کوبل کے سوکھ جانے پر علی الاعلان سبھی سانولے چہرے پر زردیاں بھی کھل کر اسے اور بے حال بنادیں تھیں اس کی زندگی میں در آنے والی پہلی خوشی نے بھی اس کے نصیب کا حصہ بننے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ چلے کپڑوں کی بھری بائنی پر انرا مہر عائد کر دیا گیا تھا جو وہ اتھا کر میز حیاں چڑھ رہی تھی اور پاؤں پھسل کر اس کے مقدر سے ایک اور کھیل کھیل گیا تھا۔ فرد جرم نہ عائد ہو سکا۔ سفاک انسانوں پر جو قہر سما کر رہا ہے تھے اس کے گرنے کا سانس سخت پریشانی وادیا لگتی تھیں۔

”ارے اسے خود شوق تھا بھاگ بھاگ کر اوپر جانے کا“ ورنہ سامنے پور اور منڈی بھی کیا بائنی اور نہیں پہنچا سکتی تھیں۔“ ناصر کا تادیکہ کران کی آواز میں اور دردناک آیا تھا۔ جانے کب اور کس طرح اسے باسٹیل پہنچایا گیا اس کی تو بس یہی خواہش تھی کہ دوبارہ وہ زندگی کی طرف نہ آئے اور یہ حسرت حسرت ہی رہ گئی۔ ڈاکٹر نے آ کر بتایا

تھا کہ وہ زندگی کی اصول خوشی سے محروم ہو گئی ہے۔ اس کا کلیجہ پھٹ گیا تھا۔

”کوئی بات نہیں“ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری زندگی رہی تو یہ مرحلے آتے رہیں گے۔ اب اپنا خیال رکھنا۔“ ڈاکٹر نے اسے یوں کہتے میں دیکھ کر تسلی دی اور باہر چلی گئی اس کے زخمی نگاہوں سے ناصر کو دیکھا۔

”یہ مرحلہ اب زندگی میں آئے گا تو اپنا خیال رکھوں گی ناں۔“ ناصر نے زخمی نگاہوں کی شہادت لیے اپنی نصف پہن کو دیکھا۔

”پہنے ہاتھوں اس خوشی کا گھامکھٹوں کی بجائے اس کے کوئی اور قائل بنے۔ یہ فریضہ میں اپنے ہاتھوں سر انجام دوں گی۔“ وہ کھٹی کھٹی آواز میں چلائی۔ ناصر اپنی جگہ حیرت زدہ رہ گیا۔

ہزار غافلوں کے باوجود زندگی کا یہ موڑ اسے کچھ بھایا نہیں جانے انجانے میں ہی سہی وہ تصور میں ایک بچے کے ننھے ننھے ہاتھوں اور پیروں سے کھینے لگا تھا۔ رونی کے گالوں جیسے چہرے کو اپنے لبوں سے چھونے لگا تھا۔ یہ موڑ اسے سو مگر گیا تھا جس کا احساس اسے اس وقت نہیں ہوا تھا جب یہ ستار عزیز خدا اسے بن مانگے سوئپ رہا تھا۔ اب ہوا جب وہ ناشکری اور ناقدی کے نتیجے میں لٹ گیا وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ عفیضہ کا سکتہ لونا تو اسے چبک کی تھی۔

”بھلا کھ کی ملازمہ بھی مالکوں کے بچے کی ماں بنی ہے۔ اچھا ہوا یہ نصیبت مجھے مل گئی۔ مالک مالک ہی رہا اور خدمت گزار کو اس کی حیثیت کا پتہ چل گیا۔“ گالوں پر آتے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑا۔ ”اب اور تمنا نہیں ہوں گی میں خواب دیکھنے دیکھنے آنکھیں تھک گئی ہیں پر تعبیر مل گئی اب خواب غم میں ہوں گی بڑے جاؤ کے ساتھ اپنی متناک اپنے ہاتھوں دکان گروں کی میں اپنی بد صورتی کا یقین آج مجھے آ گیا ہے کہ کس طرح بد صورتی اور بد نصیبی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ کاش میں بھی خوب صورت ہوتی تو آج نہ یہ گھر میرا نصیب بنتا نہ تم جیسا سفاک انسان میرا شریک حیات۔ نہ روز تم لوگ اپنے اپنے طرز عمل کے در سے میرے زخمی وجود پر لگاتے اور نہ

روز خوابوں کی گہری مجھے آباد کرنی ہوتی، روز و کرا نکھیں سوچ مٹی نہیں۔ کیا کرنی خوب صورتی اور بد صورتی کی شکلیں ہی الگ الگ ہوتی ہیں ناں بڑول تو ایک ہوتا ہے جس کا کوئی رنگ نہیں ہوتا اسی ”دل“ کی ضدی خواہشات سے نکل آ کر در بستر میں لیٹ کر میں پنہوں کی دنیا میں کھرجانی چہاں میں خوب صورت تھی ایک محبت کرنے والا شوہر تھا اور محبت بانٹنے والے لوگ تھے چہاں میں نازاں و فرحان تھی۔ بنڈا نکھوں سے پنہوں کی یہ بیا سجاتے ہوتے مجھے نیند جاتی اپنی باتنامہ آرزوؤں کا حاصل اسی دنیا کو میں سمجھتی رہ آج۔ آج بھری یہ گہری بھی اجڑ گئی جب میری بد صورتی کی موتی رہ گئی۔ ناصر مجھے یقین آ گیا کہ بد صورت لوگوں کے کوئی خواب بھی نہیں ہوتے۔ اپنا حال دیکھئے جانیس قیمت خواب دیکھنے کا بھی مجھے کوئی حق نہیں۔“

کمزور وجود کے ساتھ بولتے ہوئے وہ تھک سی گئی تھی دوبارہ جینے سے ٹیک لگا لیا، ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ آنسو مرگاہ کو ریاست سمجھ کر وہیں مقیم ہو گئے تھے۔ وہ تھکا ہارا مسافر تھا اور اس کے پاس سفید بستر پر جا بیٹھا جس میں ایک نئی حرارت کوندی تھی اور دل میں ایک مضبوط جذبہ امداد یا اس کی پیشانی پر اسے بالوں کو سنوارا۔ اس کی پلکوں پر سبج مولیٰ کو دھکا کر اٹھی یہاں نہ باد ہونے کے لیے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں سجا کر اپنی اس محبت کا یقین دلایا جواب بھی ختم نہ ہونے والی تھی۔ اس کے ٹوٹے ہوئے دل پر مہر کی لپا پوتی ہوئی ہے یعنی سے اسے دیکھا تو اسے اپنے پنہوں کے سمجھا جیسا پایا۔

”مجھے معاف کر دو۔۔۔۔۔۔ جو ہوا اسے مجھوں جاؤ یہ زخم صرف تمہارا املا ہی نہیں میں بھی مر گیا ہوں اس کے اثر سے۔۔۔۔۔۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔“ کہیں گھر میں تمہارا وہ مقام ملے گا جس کی طرح دار ہوسب میری بڑی دل کی وجہ سے ہوا ہے نہ ہی نہیں چلا رہا دھڑکی اور دھڑکی کے دوہاؤں کے چچ پچے پچے کب تم سے محبت ہو گئی عفیضہ۔ آج اس حادثے نے تمہارے مقام سے مجھے روشناس کرایا ورنہ میں تو گمراہ ہی رہتا۔“

”واہ۔۔۔۔۔۔ ناصر صاحب واہ۔۔۔۔۔۔ اولاد کا کچھ مجھے میری حیثیت کا یقین کرا گیا۔۔۔۔۔۔“ وہ زخمی دل سے مسکرائی۔ ”وگرنہ میں تو آج بھی ایک ملازمہ ہی رہتی بیوی نہ بن سکتی

ایک۔۔۔۔۔۔ پچھتاوا راقی محبت نہ بن سکتی۔“ پہلی رات کا دکھ آنکھوں آن سلیا۔

”ہاں یہی سچ ہے۔“ اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”کم ظرفوں کو ٹھوکر ہی اس کی کم ظرفی کا احساس دلاتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا آج میں۔۔۔۔۔۔ آپ اور ہمارا بچہ بھی اس خوب صورت احساس کے ساتھ جی رہا ہوتا۔“ ٹوٹے دل کی کرجیاں سنبھالنی نہیں جاری تھیں۔

”اس کا ملال تو ساری زندگی رہے گا۔ پر ایسا وقت زندگی میں اب ضرور آئے گا جہاں سکون کے بادل ہمارے سروں پر تعینات رہیں گے۔ میں ضامن ہوں تمہارے اطمینان اور محبت کا۔“ ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں اس کے سر وہ تھک لیے وہ یقین دلا رہا تھا اور وہ اعتبار کی پہلی میز جی پر قدم بھاری تھی کہ اب بنڈا نکھوں سے پنہوں کی دنیا آباد نہیں کرنی ہوگی۔

اس کے خوابوں کا شہزادہ تعبیر لیے اس کا منظر ہوگا۔ اس حقیقت کی دنیا میں ایک گل کو تھنا سا بچہ بھی اپنی قلعارہوں سمیت اس کی ساری توجہ کو اپنی جانب مبذول کرا لے گا۔

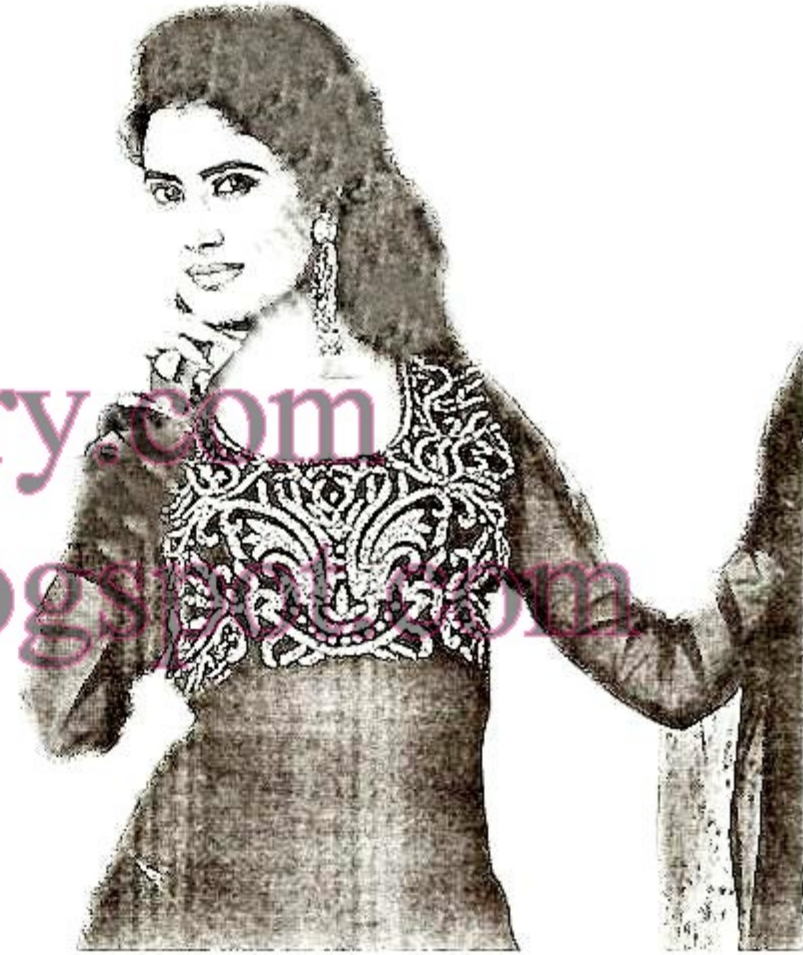
ناصر کے دونوں ہاتھ اس کے آنسوؤں سے بھر گئے تھے۔ وہ اسے کھل کر رونے دے رہا تھا پھر ہمیشہ مسکرانے کے لیے کیونکہ وہ بھی تو زخمی تھا اپنے ہاتھوں دو خود کا قاتل بنا تھا۔ اس نے سفاکی اور ہٹ دھرمی کے سارے ہتھیار بیک وقت دے دیے تھے جو خود اس کے وجود کو لبہاں کر گئے تھے۔ اس کے گلے بنے سامان کو سمیت کراہ اسے سہارا دے کر بیڈ سے اتار رہا تھا۔ ہمیشہ کا سہارا بننے کے لیے۔



اکائی

مشق کوثر سردار

تحفہ	دعاؤں	کا	تہمیں	پہنچے	میرا
سدا	رہے	تہمارے	گرد	خوشیوں	کا
مستریں	تہمیں	عمید	کی	سبکی	سبارک
تہمارے	زیست	میں	نہ	انے	کی



گزشتہ قسط کا خلاصہ

تاج بیگم (دادی) جلد از جلد فاطمہ کا رشتہ طے کر دینا چاہتی ہیں وہ نواب وقار الحق اور فاطمہ کی ملاقات سے آگاہ ہو جاتی ہیں لہذا یہی طے کرتی ہیں کہ اس رسوائی سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ ریحان کے رشتہ کے لیے ہاں کر دی جائے۔ کرم دین ریحان کی رنگین طبیعت کا بتا کر اس رشتہ کی مخالفت کرتا ہے مگر وہ اسے اپنی زبان بند رکھنے کا کہتی ہیں۔ فاطمہ کو دادی کی خاموشی پریشان کیے رکھتی ہے وہ اپنے ابا جان کو تمام بات بتاتا چاہتی ہے لیکن سخاوت بیگم اسے ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہیں، اگرچہ انہیں اپنی بیٹی پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے لیکن فاطمہ کی ذرا سی غلطی اس کے لیے بہت بڑی رسوائی بن جاتی ہے۔ تو قیر صاحب اور ان کی بیگم اماں کے سلی بخش جواب پر مطمئن نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہلیہ چاہتی ہے کہ وہ جلد از جلد مشکلی کی رسم کر لیں تاکہ بعد میں وہ لوگ ان کے بیٹے کے لیے انکار نہ کر سکیں اسی خاطر تو قیر صاحب ناظم الدین سے بات کرتے ہیں اور انہیں ریحان کی جانب سے مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ رخت نگہ جو کہ اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے لیکن اپنے ماں باپ سے اختلافات کے باعث سب کچھ چھوڑ کر ملازمت کرتا ہے، کرم دین اسے بھالنے اور واپس اپنے گھر جانے کی بات کرتا ہے مگر وہ آمادہ نہیں ہوتا۔ ایک عجیب سی آنکھن اس کا احاطہ کیے رکھتی ہے اور وہ خود بھی اس کی وجہ جاننے میں ناکام رہتا ہے۔ دادی فاطمہ کی پڑھائی پر کوئی اعتراض نہیں کرتیں، لیکن ریحان کے رشتے والی بات پڑھ جاتی ہیں۔ ایسے میں نواب وقار الحق کو یہ سب پتہ چلتا ہے تو وہ بے حد شرمندگی محسوس کرتے ہیں اور فاطمہ کی رسوائی کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتے ہیں۔ وہ اپنے والد کو تمام اصلیت بتا کر مشورہ طلب کرتے ہیں، جس پر زمان الحق انہیں سخت ست سناتے ہیں آخر میں وہ تاج بیگم سے بات کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تاج بیگم ان کے منہ سے فاطمہ اور وقار الحق کا نام سن کر مشتعل ہو جاتی ہیں، جب ہی وہ اپنے بیٹے کا رشتہ فاطمہ کے لیے چس کر کے اسے اپنے گھر کی عزت بنانا چاہتے ہیں۔ تاج بیگم یہ بات سن کر بھڑک اٹھتی ہیں اور فاطمہ کا رشتہ بذات خود ان سے طے کرنے کی بات کرتی ہیں۔ نواب صاحب اس بے جوڑ رشتے کی بات پر ششدر رہ جاتے ہیں۔ کرم دین تمام معاملات میں خاموشی اختیار کر لیتا ہے لیکن اس کی بیٹی و شاد فاطمہ کی دوست ہونے کے ناطے اسے ریحان کے رشتے اور اس کی رنگین طبیعت کے متعلق سب کچھ بتا کر دادی کی تجویز کو رد ہر اکاذ کر کرتی ہے۔ فاطمہ یہ سب سن کر گونگ رہ جاتی ہے۔

(اب آگے بڑھیے)

”فاطمہ بیٹا یہ فیصلہ مناسب نہیں! ماں ہونے کے ناطے میں اس فیصلے کی حمایت ہرگز نہیں کروں گی۔ یہ فیصلہ خود کو کنویں میں گرانے کے مترادف ہے! میں اپنی اولاد کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی۔“ سخاوت بیگم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ فاطمہ ان کو خاموشی سے دیکھتی رہیں۔

”ای جان! اس سے بہتر فیصلہ شاید اس وقت کوئی اور نہ ہو..... ہم پڑھائی جاری رکھ سکتے ہیں نواب چاہا دادی جان جیسے دق تو سی تو ہرگز نہ ہوں گے کچھ تو خوف خدا ہوگا انہیں! ہم ان کی منت سماجت کر لیں گے مگر اس وقت یہی مناسب ہے کہ سر چپ چاپ جھکا دیا جائے۔“ فاطمہ بولی تو سخاوت بیگم چپ چاپ انہیں دیکھنے لگیں۔

”میں یہی کہوں گی یہ انتہائی غیر مناسب ہوگا اگر تم اپنی دادی جان کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیتی ہو! میں تمہیں ایسے فیصلے لینے کی اجازت نہیں دوں گی۔“ سخاوت بیگم نے کہا اور فاطمہ انہیں دیکھتی رہ گئی تھیں۔

”بات اصول کی ہوتی ہے اور اصولوں پر سمجھوتہ اماں جان سے کبھی ہوا نہیں! ہم نے رشتوں کو اپنے مقام پر رکھنے کے

اطوار اپنی ساس سے سیکھے ہیں۔ اللہ بخشے انہیں کمال کی دلیر خاتون تھیں۔ انہوں نے ہی ہمیں سکھایا کہ اصل زندگی کیا ہوتی ہے ایسے کم سن سے تھے جب بیاہ کر سسرال آگئے تھے۔ ہماری اخلاقی تربیت ہماری ساس صاحبہ کے ہاتھوں ہی ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ہر بھوپائی ساس کا پوتہ ہوتی ہے کیونکہ لڑکی ماں کے ساتھ اتنا وقت نہیں گزارتی اور دنیا کو اس قدر وسعت سے نہیں دیکھتی جس طرح سسرال میں۔ کراچی ساس صاحبہ کی قربت میں گزارتی ہے۔ سو کم و بیش ہم اپنی ساس صاحبہ کا پوتہ ہیں۔ عورت کو کس طرح مضبوط اور دیدہ دلیری سے کھڑا رکھ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے یہ ہم نے اپنی ماں سے نہیں ساس صاحبہ سے سیکھا۔ ہماری ساس صاحبہ کے بچے کی رعونت آج بھی ہماری ساعنوں میں لگی ہے۔ ان کا حاکمانہ انداز ہمیں بھولائے نہیں بھولتا۔ ان کا اہل انداز ہمیں اس وقت تو نہیں بھایا مگر ان کی وفات کے بعد ہم نے اعتراف کیا کہ وہ کمال کی خاتون تھیں۔ اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے۔ ہم نے جان بوجھ کر خود کو اپنی ساس صاحبہ کے سامنے نیچے نہیں ڈھالا مگر یہ غیر ارادی طور پر ہوا۔ کہیں نہ کہیں ہم ان کی شخصیت سے بہت متاثر ضرور تھے ان کا نہ جھکنے والا انداز اور خود کو شاخ و سفر ان جیسے والے اطوار میں ان کا گرویدہ کر چھتے تھے سو ہم ان کے خدوخال میں ڈھلتے گئے۔ ہمارا تو گویا بونٹک ہوتا تھا۔ ان کی اور گرد و جود کی ہی ہماری جان بچا کرنے کو کافی تھی۔ ساس صاحبہ کے لیے تو وہ مثل تھی جس کے ہاتھ ڈوٹی اس کا بر کوئی۔ سو ہم نے اپنی ساس کے کہے کو اور ڈھنچھوٹا بنالیا۔ ہم ان کے نقش قدم پر بے اختیار چلنے لگے اور چلتے چلے گئے۔ بہوؤں کے اطوار ساس صاحبہ مکمل طور پر بدلنے کا اختیار رکھتی ہے شاید اسی لیے خاندان میں اسی لیے ماں کے بعد زوجہ کی جگہ ملتی ہے۔ تے ہیں کہ ان میں جو فیصد بھی گن آ جاتے ہیں جو خاندان صاحب کی ماں کے اندر ہوتے ہیں۔" تاج بیگم کہتے ہوئے مسکراتی تھیں خالہ انوری بھی مسکرا دیں۔

"تاج بیگم آپ کی باتوں میں سولتا نے سچائی ہے۔ ہم تو ٹوٹی کھٹوٹی لیے پڑے رہتے تھے ساس صاحبہ کی باتوں پر کبھی کان نہیں دھرے مگر ہمارے ساتھ وہ مثل صادق آتی تھی جہاں بہو کا پیار وہیں خسر کی کھاٹ ہمارے مخترم سسر صاحبہ ہماری خوب حمایت کرتے تھے اور ہماری ساس صاحبہ کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔" انوری خالہ نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا تو تاج بیگم ہنس دیں۔

"آپ کے ہمراہ تو وہی بات ہوئی مانی جی کا تھان کیلے چوگان بہر حال ہم نے تو اپنی ساس صاحبہ سے بہت کچھ سیکھا اور ایک طرح سے اپنی ساس اماں کا پوتہ ہیں۔ حکومت جیسے ان کے وصف میں بھی اپنے خاندان کو کس طرح گرفت میں لینا ہے ہم نے تو یہ تک اماں جان سے ہی سیکھا۔ کل بھر لو بھار بھر محبت کا کلمہ ہماری ساس صاحبہ نے ہی ہمیں سکھایا۔" تاج بیگم نے مسکراتے ہوئے کئی راز ایک ساتھ کھولے تھے۔ انوری بیگم مسکرا دیں۔

"چلیے ہم امید رکھتے ہیں آپ کی بہو بیگم بھی آپ سے ایسے طور سے سیکھیں گی اور آپ کا پوتہ بنیں گی۔" انوری بیگم نے اشارہ خات بیگم کی طرف کیا جو کچھ فاصلے پر چاول چن رہی تھیں۔ تاج بیگم نے آنکھیں سیریز کر سخاوت بیگم کو دیکھا اور لب بھینچ لے کر انوری بیگم سے کہیں۔ "جانے دیجیے تاج بیگم کی بھی کیا عداوت؟ آپ کی سب سے بڑھاپا بہو خاتون بیگم ہی تو ہیں۔ باتیں دو کوں دور بیٹھی ہیں۔ انہوں نے اس گھر کو روکنا بات کر دی ہے مگر ج تو ماننا پڑتا ہے۔" انوری بیگم نے کہا جبکہ تاج بیگم نے قدرے فاصلے پر مصروف دکھائی دینے والی سخاوت بیگم کو دیکھا۔

"ساس جہاں کے تو ہیں تو میں بھولی بیٹھ۔" رشتے دکھاوے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتے انوری بیگم۔ رما دیمگر بہوؤں کا قصہ تو آؤ تہہ دار گھر جاؤ بھٹکانہیں۔ ہم نے کسی کو ہاتھ سے پکڑ کر چٹا نہیں کیا جس کو رہنا ہے رہے جس کی مرضی نہیں اس سے کوئی زبردستی واجب نہیں اپنا تو وہی معاملہ ہے کہ اسی راہ پر چال تو جو تجھے گرتا ہے جو بدھیا کے تھان پر

ترت ٹھکانا پائے۔۔۔ والدین کا فرض اولاد کی تعلیم و تربیت ہے جس میں ہم نے کسر نہیں اٹھا رکھی۔" تاج بیگم نے حقے کا کش لیا۔

"خیر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ نے اولاد کی تعلیم و تربیت پر بہت محنت کی ہے۔ اب فاطمہ بی بی کو ہی دیکھئے آپ بچوں کی تعلیم کے اگرچہ خلاف تھیں مگر آپ نے ان کو گھر میں پڑے میں وہ تعلیم کا موقع فراہم کیا۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ سنا ہے اب فاطمہ بی بی کے نام سے ایک درس گاہ کی بنیاد بھی رکھ دی ہیں یہ کام تو قابل ستائش ہے۔" انوری بیگم نے سر ابا تاج بیگم کی گردن کے ساتھ مسکرا دیں۔

"انوری بیگم یائے کہہ گئے ہر کارے کی ہمت بست کرو اگر خار کے بود گلہ مست کرو۔۔۔ ہم تو کر بھلا سو ہو بھلا کے مصداق سب اچھا کرتے ہیں۔ اب کوئی قدر جانے نہ جائے ہمیں ستائش کی تمنا نہیں۔" تاج بیگم نے اپنی گردن تان کر کہا۔ انوری بیگم مسکرا دیں۔

"تاج بیگم صاحبہ خاتون ہیں مگر ہم کچھ نہیں پارتے ان کے ذہن میں اس وقت کیا چل رہا ہے۔" نواب صاحبہ مسلسل تاج بیگم کے متعلق سوچتے رہے مگر ان کی سیاست ان کی سمجھ سے بالاتر رہی۔ یہی سمجھ انہوں نے سپوت کو بلا بھیجا۔ "ابا حضور آپ نے یاد فرمایا؟" وقار ہاتھ باندھ کر کھڑے تھے۔ نواب صاحبہ نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا اور ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"معاملہ کیا ہے ابا حضور؟ آپ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔" وقار نے دریافت کیا مگر نواب صاحبہ خاموش دکھائی دے ان کی آنکھیں کسی طرح کے جذبات سے عاری تھیں۔ وہ اپنے جذبات پر اختیار رکھنے والی بھرپور شخصیت کے حامل تھے۔ اس سے پہلے کہ وقار کچھ اخذ کرتے یا ان سے دریافت کرتے بھی وہ بولے۔ "آپ فاطمہ بی بی کے متعلق کیا سوچتے ہیں؟" ان کا سوال اگرچہ غیر متوقع اور حیران کن تھا مگر وقار بہت متانت سے بولے۔

"فاطمہ بی بی ایک ہونہار و شیرہ ہیں ابا حضور ان کے اندر کچھ کرنے کی لگن ہے اور ہم امید رکھتے ہیں وہ اپنے تعلیمی مقاصد ضرور بروئے کار لانے کا باعث بنیں گی۔" وقار نے بہت سمجھداری سے جواب دیا۔ نواب صاحبہ نے سر ہلادیا۔ "فاطمہ بی بی انوکھی اور بھرپور شخصیت کی مالک کم عمر و شیرہ ہیں جو کچھ کرنے کی لگن رکھتی ہیں اور ہم چاہتے ہیں وہ اپنے خواب جیتیں اور بھرپور انداز میں جیتیں۔" نواب صاحبہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا وقار اگرچہ چونکے تھے مگر فوری طور پر کچھ نہیں بولے۔

"وہ فاطمہ جناح بننا چاہتی ہیں۔ ان کی طرح تحریک کا حصہ بننا چاہتی ہیں۔ مردوں کے شانہ بشان کام کرنا چاہتی ہیں۔ پاکستان کی تحریک زور پکڑ رہی ہے اور یہ خوش آئند بات ہے کہ نیا خون نیا جوش اور ولہ اس تحریک کا حصہ بن رہا ہے۔" نواب صاحبہ نے انوکھی اور بھرپور شخصیت کی علامتوں اور جدوجہد و سرلہ وقار نے سر ہلایا۔ وہ کچھ نہیں بایا کہ ابا حضور اس سے یہ ذکر کیوں کر رہے ہیں۔ فاطمہ اس گھر میں اتنا اہم موضوع کیونکر بن رہی تھی؟ اس کے پس پردہ کیا حقائق تھے وہ ان سے یقیناً نا بلند تھے مگر وہ چونک ضرور گیا تھا۔

"ابا حضور۔۔۔ تحریک جس تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اس سے جتنی دکھائی دیتی ہے۔ پاکستان کا خواب پورا ہو کر رہے گا۔" وقار کا لہجہ نرم اور ولہ انگیز تھا۔

"بے شک۔" نواب صاحبہ نے تائید کی کچھ دیر تک وہ خاموش رہے۔ پھر ہمارے گھر کا گھر اکش لیتے ہوئے

صاحب زادے کی مست دیکھا۔
”کیا آپ فاطمہ کی طرف کوئی وابستگی یا محسوسات رکھتے ہیں؟“ ان کا سوال وقار کو حیران کر گیا مگر انہوں نے فوری طور پر جواب نہیں دیا اور دھیمے سے انداز میں مسکرائے۔

”ابا جان! ہم سمجھ نہیں پاتے آپ کہنا کیا چاہتے ہیں معذرت خواہ ہیں آپ کے سوال کا اصل مدعا جاننے سے قاصر ہیں، ہم گستاخی معاف مگر ہم واقعی سمجھ نہیں پاتے آپ کس بابت دریافت کر رہے ہیں۔“ وقار نے حیرت کو ایک طرف رکھ کر ممانعت سے کہا ”نواب صاحب نے سر ملایا۔“
”دراصل ہمیں لگا ہوا تھا کہ آپ کی جذباتی وابستگی یا کوئی ربط ان سے جڑ گیا ہو تو جو ان سے بچے ہم بزرگوں سے الگ سوچتے ہیں اور ان کے عمل مصلحتوں کے پابند نہیں ہوتے۔ وہ عمل اور سوچ دونوں میں شفاف ہوتے ہیں۔“ نواب صاحب نے بات واضح کی۔ وقار مسکرائے۔

”بجائے آپ نے ابا حضور کو عموماً بزرگ و جوانوں کی ان خصوصیات کو ماننے سے انکار ہی ہوتے ہیں اور ان کی صلاحیتوں کی نفی کرتے ہیں۔“ وقار کے سینے پر نواب صاحب نے سر ملایا۔
”بہر حال نئے خون کے جوش و دلولے سے انکار ممکن نہیں اگر کوئی نفی کرتا ہے تو بات ایسی ہی ہے جیسے کوئی نکلے ہوئے آفتاب کو دیکھے اور اس کی روشنی سے انکار کرے۔ ہر کی دراصل ہمارے اندر ہوتی ہے ہم کسی کی صلاحیتوں کا انکار نہیں کرتے ہم اپنی منفی سوچ کے تحت ایک ڈر میں جی رہے ہیں نفی کسی کی صلاحیتوں کی نہیں خود کی نفی ہے۔“ نواب صاحب نے حتمی انداز میں کہا۔ وہ روشن خیال تھے اور زمانہ شناس بھی۔ انہوں نے دنیا دہی بھی اور ان کو انسان کی پہچان کی وقار اپنے والد محترم کی خصوصیات کے قائل تھے۔ ان کے درمیان ایک لمحے کو خاموشی دوڑائی، نواب صاحب کسی سوچ میں غلطی دکھائی دیے اور وقار خاموشی سے بیٹھنے ان کے بولنے کے منتظر رہے۔

”ہم آپ سے ایک مددے پر بات کرنا چاہتے تھے وقار.....“ وہ گویا ہوئے اور وقار نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سر ملایا۔

”ہم محد و درشتوں کے ساتھ زندگی جی رہے ہیں مگر ہم رشتوں میں دیواریں اٹھانے کے قائل نہیں۔ رشتوں کی مٹھاس اور خوب صورتی اس میں ہے کہ رشتوں کو ان کے تقدس کے ساتھ سنبھالا جائے اور عزت دی جائے۔ رشتے جس خلوص اور توجہ کے مستحق ہوتے ہیں ان کو وہی جائز مقام دیا جائے ایسے میں رشتوں کے درمیان کا خلا بھرتا ہے اور دریاں سنبھلتی ہیں۔“ انہوں نے تمہید باندھی۔ وقار خاموشی سے والد محترم کی بات کو سن رہے تھے۔ اس بات کا اندازہ تو انہیں ہو گیا تھا کہ ان کے پاس کہنے کو یقیناً کوئی بڑی بات ہے ورنہ وہ اس طرح تمہید نہ باندھتے اور وہ اس بات سے بھی واقف تھے کہ وہ ان کے ساتھ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، ان کے درمیان بہت شفاف رشتہ تھا۔ سو وہ اپنے والد محترم کو بہت اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ یہ اعتدال پسند سوچ اور معاملہ فہمی ان کی طرف سے ہی تھی انہیں۔

”تاج بیگم نے بلوایا تھا ہمیں جو مدعا انہوں نے فاطمہ بی بی کی تعلیم کو لے کر اٹھا ہوا تھا ہم اس میں اصلاح دینے کی غرض سے گئے تھے۔ ہم نے فاطمہ پر لگے جانے والے الزامات کے نتیجے میں ان کے سامنے آپ کا رشتہ رکھا مگر وہ ایک دم خاموش ہوئے۔ وقار یک دم چوکے تمام معاملہ کسی قدر ان کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔ جس طرح فاطمہ کے گھر خاموشی تھی جو سکون تھا وہ خاصا برابر لگا تھا۔

”آپ کو اندازہ نہیں وقار! آپ کی ایک حماقت کی سزا وہ لڑکی کس طرح بھگت رہی ہے۔ تاج بیگم کو تو جیسے ایک موقع چاہیے تھا انہوں نے آپ کے اس اقدام پر آپ سے تو کوئی باز پرس نہیں کی مگر انہوں نے اس بچاری لڑکی پر خوب

کچھ اچھائی آپ کا فاطمہ کو ملنے کی غرض سے بلا یقیناً ایک بڑی حماقت تھی وقار! حق..... آپ کو ایسا اقدام کرنے سے قبل سوچنا چاہیے تھا ناظم الدین کا گھرانہ یوں تو بڑھا لکھا ہے مگر وہ بیٹیوں کی تعلیم کے خلاف ہیں اور ہمیں جب خبر ہوئی کہ وہ فاطمہ کی تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھانے سے روک رہی ہیں تو ہم نے فاطمہ کو گھر میں رہ کر پڑھانے کے لیے آپ کا نام تجویز کیا اس تجویز کا مقصد آپ پر بے پناہ اعتماد کا ہونا تھا۔ ہم نے اماں جان کو کسی نہ کسی طرح راضی بھی کر لیا تھا مگر آپ کے ایک چھوٹے سے اقدام نے سب ختم کر دیا۔..... فاطمہ جس کرب سے گزر رہی ہے اس کا اندازہ میں یا آپ نہیں کر سکتے مگر فاطمہ باخوبی اس کا اندازہ کر رہی ہیں۔“ نواب صاحب خاموش ہوئے تو وقار اٹھ کھڑے شرمندگی سے سر جھکا گئے۔
”ابا حضور! ہم انسان ہیں بندہ بشر میں فرشتوں والی صفات تاہم ہیں مگر بخدا ہمارا ارادہ کوئی غلط نہیں تھا نا ہماری نیت میں کوئی فتور تھا ہم صرف فاطمہ کو دیکھنا چاہتے تھے آپ کہہ سکتے ہیں یہ تجسّس انسانی ظنا جو بندہ بشر کی طبیعت کا حصہ رہا ہے ہمارا ارادہ فاطمہ بی بی کے راز کو افشاء کرنا نہ تھا۔ ان کے کردار پر کچھ اچھا نا تھا۔ وہ مایوسہ رہی تھیں ایک بار ہم نے بھٹک چکی تھیں تو انہیں دیکھنے کا تجسّس ہوا سہم نے ملنے کی ضرورت تھی۔ ہم ماننے میں ہم سے غلطی ہوئی مگر اس حماقت کے لیے ہم شرمندہ ہیں ہم نہیں جانتے تھے کہ فاطمہ کی دادی جان اس واقعے کو اس قدر غلط رنگ دیں گی۔ ہمیں اس کا اندازہ ہوتا تو ہم فاطمہ کو بھی اس ملاقات کے لیے نہ کہاتے، مگر ہم اس غلطی کی سزا اچھتے کو تیار ہیں۔ آپ جو کہیں گے ہم کریں گے ابا حضور۔“ وقار حق نے سر جھکا دیا۔ نواب صاحب نے نیچے کی جھکی ہوئی گردن کو دیکھا اور قدرے نرمی سے بولے۔

”مگر ہم نے جو صل تجویز کیا وہ محترم متان بیگم کو پسند نہیں آیا.....“ ان کا لہجہ صبر اور یاسیت بھرا تھا۔ وقار حق چوٹے۔
”معاملہ کیا ہے ابا حضور دادی جان کیا چاہتی ہیں؟“ وقار حق جاننے کو بڑے تجسس ہوئے۔ نواب صاحب قدرے توقف سے گویا ہوئے۔

”ہم نہیں جانتے تاج بیگم کے دماغ میں درحقیقت کیا چل رہا ہے مگر ان کا کہنا ہے کہ اگر فاطمہ کا نکاح اس صورت میں ہوگا تو آپ سے نہیں ہم سے..... انہوں نے فاطمہ کے لیے ہمیں چنا ہے۔ وہ چاہتی ہیں ہم فاطمہ کو نکاح میں لیں۔“ وقار چوٹے۔

”کیا.....؟ تاج بیگم اس طرح کیسے سوچ سکتی ہیں؟ اگر بدنامی کا باعث ہم بنے ہیں تو پھر اس کا سد باب بھی ہمیں ہی بننا چاہیے تاکہ آپ کو جھکاؤ کی عمر میں کبھی تنہا نہ رہے اور فاطمہ کے والد آپ کے بہت قریبی اور پرانے رفقاء میں سے ہیں۔“ وقار حق ششدر ہو گئے۔

”یہ تو ہم نہیں جانتے تاج بیگم ہمارا انتخاب کیوں کر رہی ہیں مگر ان کے ارادے نیک نہیں لگتے۔ وہ یقیناً فاطمہ کو سزا دینا چاہتی ہیں اور ان کے لیے ان کی عمر سے بڑے شخص کا انتخاب کر کے ان کے دل سے باندھنا چاہتی ہیں۔“ وقار حق ابا حضور کی بات پر کسی قدر سمجھتا ہوا کھڑکھائی دیتے۔

”ابا حضور..... ہمیں انہوں نے ایک لڑکی کی زندگی بھر کی حماقت کے باعث اس درجہ مشکل میں گھر گئی۔ ہمیں ان سے ہمدردی ہے۔“ وقار حق دھیمے لہجے میں بولے۔

”جیہا..... ان کو آپ کی ہمدردی کی نہیں ساتھ کی ضرورت ہے۔ ہم تصور کیے بیٹھے تھے آپ کو فاطمہ بی بی سے عشق ہو گیا ہے سو آپ سے ایسی حماقت سرزد ہوئی۔“ نواب صاحب نے قیاس کیا۔ وقار نے یک دم نفی میں سر ملایا۔

”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہمیں فاطمہ بی بی سے عشق نہیں ہوا ہم دل میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتے آپ تو جانتے ہیں ابا جان ہم اس لمحے ماحول کا حصہ نہیں..... نہ ہم عشق جیسی خرافات پر یقین رکھتے ہیں۔“ نواب صاحب نے صاحب زادے کو بغور دیکھا۔

”ہم آپ کا مزاج سمجھتے ہیں صاحب زادے مگر آپ فاطمہ کا مزاج شاید نہیں سمجھ پائے۔ بہر حال اس مسئلے کا کوئی حل تو نکالنا ہوگا ورنہ ہمیں بچھڑنا ہوگا کہ ایک کم عمر بچی کی زندگی اس حماقت کے باعث برباد ہوئی اور ہم کوئی مدد نہیں کر پائے۔“ نواب صاحب متفکر دکھائی دیئے۔

وقار الحق خاموش رہے۔ اپنا آپ مجرم سامحوں ہوا۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا حضور اب کیا موقف اختیار کریں گے یا اس طرح اس لڑکی کی مدد کریں گے مگر وہ کسی حد تک پریشان ضرور ہو گئے تھے۔

”لیکن ہم ان سے نکاح نہیں کر سکتے۔“ ایک دم خاموشی کو توڑتے ہوئے ان کی آواز ابھری اور وہ خود جبران رہ گئے تھے۔ ماحول کو بغور جانچا مگر ادھر ادھر نگاہ کرنے پر کوئی دکھائی نہیں دیا۔

”خواجہ صاحب آپ کو نہیں لگتا آپ اپنی بیٹی کے ساتھ نا انصافی کر رہے ہیں؟ آپ کی یہ خاموشی فاطمہ کو کڑو کر رہی ہے۔ بچوں پر کوئی اور یقین کرنے نہ کرے والدین ان تکلیفیں بردہ کرتے ہیں مگر آپ.....“ سخاوت بیگم نے کہا۔

ان کا لہجہ شکوے سے بھر پور تھا۔ خواجہ ناظم الدین صاحب خاموشی سے سر جھکائے اسی توجہ سے دستاویز دیکھتے رہے۔ سخاوت بیگم انھیں دیکھنے لگیں۔

”کیسے والد محترم ہیں آپ؟ آپ کی بیٹی پر لعن طعن کیا جا رہا ہے اور آپ خاموش ہیں؟“ سخاوت بیگم نے ان کو بولنے پر جیسے اکسایا۔ خواجہ صاحب نے دستاویز سے نگاہ ہٹا کر انہیں دیکھا۔

”بیگم یہ معاملات اس قدر پیچیدہ نہیں ہیں جس قدر بنائے جا رہے ہیں۔“ ان کا لہجہ اطمینان سے بھرا تھا۔ سخاوت بیگم چونکیں۔

”بیگم اب اس کا کیا مطلب ہوا؟ گویا آپ کو اپنی دختر پر غرورنے والی قیامت کا کوئی احساس ہی نہیں؟ بیٹی ہیں کہ نیر بہائے جارہی ہیں اور والد محترم ہیں کہ سرے سے بیٹی کی تکلیف سے واقف ہی نہیں۔“ سخاوت بیگم نے درشت لہجے میں کہتے ہوئے میاں صاحب کو دیکھا۔ خواجہ صاحب نے گہری سانس خارج کی اور نرمی سے بولے۔

”ہم کسی معاملے کو اٹھا کر تماشا بنانا نہیں چاہتے بات لگتی ہے تو پھر در تک جاتی ہے سو خاموشی ہی بہتر ہے۔ کبھی کبھی خاموشی اختیار کر لینا معاملات کا بہتر حل ہوتا ہے۔“ خواجہ صاحب نے کہا۔ سخاوت بیگم ان کو دیکھ کر کہیں۔

”گویا آپ کی اماں جان جو کچھ آپ کی دختر کے دامن پر اچھال رہی ہیں آپ اس سے متفق ہیں؟“ سخاوت بیگم نے خاوند کو گور کر دیکھا۔ ناظم الدین دستاویز ایک طرف رکھ کر بیگم کو دیکھنے لگے۔

”ہم کسی معاملے پر بات کرنا نہیں چاہتے سخاوت بیگم فاطمہ پڑھنا چاہتی تھیں اور ان کی تعلیم کا سلسلہ بتا کسی رکاوٹ کے اسی طرح دواں دواں ہے اماں جان کیا کہتی اور سوچتی ہیں ہم اس متعلق بات نہیں کر سکتے۔ ہم نے گھر کی معاملات میں مداخلت نہ پہلے کی ہے نواب کریں گے۔“ وہ صاف لگی گزرتے دکھائی دیئے۔ سخاوت بیگم میاں صاحب کے تئیر دیکھ کر ہنستا کر رہ گئیں۔

”گویا وہ فاطمہ کا نکاح کسی لیرے سے کر دیں یا پھر اس کی عمر سے چار گنا بڑے کسی نواب سے؟ آپ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ایسے ہے جس ہیں آپ؟ آپ کی تمام روشن خیالی آپ کی نرینہ اولاد کے لیے کئی اب آپ کی روشن خیالی پر منوں کے حساب سے مٹی پر مٹی ہے بھائی بات کرنے کو تیار نہیں والد محترم بولنے کو تیار نہیں..... اس ایک معصوم بچی کو تنہا کر کے رکھ دیا یہ پدرانہ شفقت ہے آپ کی؟“ سخاوت بیگم نے ان کو جذباتی طور پر اکسایا۔ وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگے پھر قدرے نرمی سے اور طمانیت بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

”بیگم جو کام حکمت سے لکھا ہے حکومت سے نہیں لکھا، بعض اوقات ایک چپ ہزار کھ ہوتا ہے اماں جان جو کر رہی ہیں ان کو کرنے دیجیے کبھی کبھی حکمت اس میں ہوتی ہے کہ فیصلے وقت کے ہاتھ سوئپ دیے جائیں، اماں جان اسکی بھی دشمن نہیں فاطمہ کی آپ کیوں اتنی خلاف ہیں اماں جان اسکی ہی جلاو ہیں کیا؟“ انہوں نے نہر سکون انداز میں سمجھایا جیسے یہ کوئی بہت معمولی معاملہ ہو سخاوت بیگم تھکی رہ گئیں۔ وہ اٹھنے اور باہر نکل گئیں۔

پڑے کے اس طرف وقار الحق بہت خاموش اور شرمندہ سے بیٹھے تھے دوسری طرف فاطمہ خاموش تھیں۔

”آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں اگر کوئی بہرے دار کن رہا ہے تو ہمیں اس سے فرق نہیں پڑتا۔“ وہ ملازمہ کو سر پر تعینات دیکھ کر آہستگی سے بولے۔

”آپ ایک باوقار دوشیزہ ہیں فاطمہ بی بی بی بی بی آپ کا احترام کرتے ہیں بخدا جو بھی ہوا اس کا مقصد آپ کے کردار پر کچھ اچھا نہایت آپ کو کسی مشکل صورت حال سے دوچار کرنا نہیں تھا اصل میں لگا تھا آپ کا گھر اتنے چنگل بڑھا لکھا ہے سو سب اس قدر روشن خیال تو ہوں گے کہ اس ایک لمحے سے بھی کسی ملاقات کو کوئی غلط رنگ نہ دیں گے مگر ہم غلط تھے کیا مرد و عورت میں صرف ایک رشتہ قائم ہوتا ہے کیا خلوت ان خرافاتوں کے علاوہ کوئی معنی نہیں رکھتی کیا تا محرم ہونا ایسا گناہ ہے ہم جانتے ہیں ان سوالوں کے جواب آپ کے پاس نہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم نے بہت غلط اقدام کیا اور آپ کو بھی اس اقدام پر اکسایا جو کہ سراسر غلط تھا ہم بہت غلطی پر تھے اور اس ملاقات کا کوئی جواز نہ تھا مگر خدا وہ عشق نہ تھا نہ کوئی ہوں آپ ایسی معصوم فطرت دوشیزہ ہیں کہ آپ کے بے داغ دامن پر ہم کوئی داغ نہیں دیکھنا چاہتے آپ کا کردار شفاف اور پاکیزہ ہے آپ چاہیں تو ہم آپ سے نکاح کرنے کو تیار ہیں۔“ ملازمہ جو سر پر ہرے پر کھڑی تھی اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں وہ بھاگتی ہوئی اماں جان کو بلائی وقار الحق اپنی دشمن میں بولتے رہے تھے اور فاطمہ سر جھکائے روٹی رہیں۔ اٹک تھے کہ کھنکھن رہے تھے۔

”فاطمہ بی بی آپ کے تقدس و حرمت کا پورا خیال ہے ہمیں ہم آپ کی کردار کشی ہوتی نہیں دیکھ سکتے سو ہمیں کسی رشتے کے بنانے میں کوئی قباحیت نہیں ہم آپ کے محرم بننا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟ کیا آپ ہمیں اس قابل سمجھتی ہیں؟“ نواب زادہ وقار الحق مدھم لہجے میں اس درمیان کی دیوار کو دھکے دے رہے تھے جب اماں جان کی آواز ابھری۔

”فاطمہ بی بی ابھی بال بچہ ہیں وہ اپنے فیصلے خود سے لینے کی اہل بھی نہیں ہیں۔ برائے کرام نواب زادہ وقار الحق فاطمہ بی بی کو اکسانا بند کیجیے۔“ اماں جان کی آواز سن کر وقار ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

”نواب زادہ وقار الحق آپ کے والد محترم سے ہماری بات دہن کی ہے اور تمام معاملات پہلے سے زیر بحث ہیں۔ سو مزید بات کرنے کی کوشش سیر حاصل نہیں ہوگی آپ فاطمہ بی بی کو پڑھانے کا کام بیجیے، باقی معاملات اس قدر ضروری نہیں۔“ نواب بیگم نے سکون لہجے میں گویا ہوئیں۔ نواب زادہ وقار الحق ان کا چہرہ دیکھ کر کہہ گئے فاطمہ خاموشی سے انھیں اور اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

تو قیر حیاں نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بیگم کی طرف دیکھا۔

”کئی دن ہوئے اماں بی کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا ہمارے صاحب زادے ایسے گئے گز رہے ہیں کہ ان کے رشتے کو اس طرح التوا میں ڈالا جائے؟“ انہوں نے اتراتے ہوئے سینہ چوڑا کرتے ہوئے ایسے کہا جیسے ان کے

صاحب زادے کہیں کدافر ہوں۔ بیگم نے سر ہلایا۔

”بات تو آپ کی بجائے اپنی اماں جان کو لون کر کے دیکھ لیجیے، کہیں ان کا ارادہ نہ بدل گیا ہو یا کہیں آپ کے صاحب زادے کی بھانک ان کو نہ پڑ گئی ہو۔“ انہوں نے پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو قیر نے فوراً سرنگی میں ہلایا۔

”نہیں ایسا ممکن نہیں، ریحان میاں کے متعلق ان کو کون آگاہ کرے گا؟ اماں جان غیب کا علم تو رکھنے سے رہیں۔“ انہوں نے سوچتے ہوئے کمرے کے کونے سے ریسرورٹ اٹھایا اور اماں جان کا نمبر ملانے لگے۔

”بیگم لکھ کر رکھ لیجئے فاطمہ بی بی، یہو بے کی تو صرف ہمارے گھر کی ریحان میاں ہی ہیں جو ان سے نکاح کریں گے۔ اماں جواباً جان کی جائیداد سنبھالے لیٹھی ہیں اس طرح ہاتھ آسکتی ہے کچھ لوگوں کے وہ فاطمہ بی بی کو آخرو پونی ہیں ان کی۔“ تو قیر میاں مسکرائے اور دوسری طرف سے فون اٹھائے جانے پر ادھر متوجہ ہو گئے۔

”آداب اماں جان، کسی طبیعت سے آپ کی مزاج گرامی کیسے ہیں؟“ تو قیر میاں مسکرائے۔

”ہم ٹھیک ہیں میاں، مطلب کی بات کہو کس لیے فون کیا ہے آج؟“ اماں جان نے دو ٹوک بات کی تو قیر میاں اپنا سامنے لے کر رہ گئے۔

”اماں جان بیٹے ہیں ہم آپ کے آپ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہے کیا کسی حوالے کے بنا ہم آپ کو فون نہیں کر سکتے؟“ تو قیر نے شکوہ کیا۔

”اے میاں جانے دو ہمارا منہ نہ کھلو، چلو بھر پوٹنگ نہ ہوا تمہارا اتنے برسوں ماں سے دور ہے اب ایسی چاہت کیسی لہی آ رہی ہے آنکھوں پر چربی آئی تھی آپ کے؟ تب ماں کیوں دکھائی نہ دی؟ جب برسوں پلٹ کر نہ پوچھا اور اپنی بیگم کے کہنے پر دوری اختیار کیے ابھی خون سفید ہوتا ہی کو کہتے ہیں میاں۔ بجائے جسے عالم اسے بجا کہو مگر ہم ماں ہیں اور ماں تو صمد کی جذباتی واقع ہوئی ہے سو آپ سے بات کیا کر لی آپ نے تو قعات لگا لیں جس مزاج سے چھوڑ کر گئے تھے آپ کے مزاج اتنی جلدی تو صمد کا نے آنے والے نہیں تھے؟ آپ کا معاملہ تو وہ ہوا اپنی غرض کو گدھا چراتے ایسا اچھے تو آپ ہیں نہیں سدا کی بالائے اولاد ہے ہماری۔ اس بارے میں جانتے ہیں ہم۔“ اماں جان نے لے لے لیے۔ تو قیر صاحب کے کانوں سے حواں نکلنے لگا۔

”اماں جان سنئے تو۔۔۔۔۔“

”تم ایسے قابل ہوتے میاں تو رو نہ کس بات کا تھا؟ ہم نہیں جانتے اپنی والدہ سے اب کیا توقع رکھتے بیٹھے ہو مگر کچھ زیادہ کی امید مت رکھو تو اچھا ہوگا۔“ اماں جان نے صاف بتایا، کبھی تو قیر میاں بولے۔

”اماں جان ایسا غصہ؟ جانے دیجیے، کہا تو ہے ہم شرمندہ ہیں۔ غلطیاں بچوں سے ہی ہوتی ہیں معاف کر دینا“

”الاف بی بی، اولاد تو آپ کی ہی ہیں۔ اب اس سے تو انکار ممکن نہیں؟“ سچ بتائیے کیا آپ کے دل میں ہمارے لیے کوئی مصلحتیں؟“ تو قیر صاحب نے دھڑکی پر جیسے ہتھ رکھا اماں جان خاموش رہیں کبھی تو قیر بولے۔

”اچھا اب بتائیے اب آپ کی طرف رشتے کی باقاعدہ بات لے لے کر؟“ اماں جان ہم رشتوں کو دائمی مضبوط کرنے کے خواہاں ہیں۔ ہمیں غلط مت سمجھیے۔“ تو قیر صاحب نے کہا۔

”تو قیر میاں یہ سب کچھ زیادہ قبل از وقت نہیں؟ یہ تو وہی معاملہ ہوا کہ بیاہ ہوا نہیں گونے کا جھگڑا۔۔۔۔۔ اولاد ہوتی ہے جو رشتوں کا اصل مقام یاد رکھنے جو کرتا ہے اپنی فائدے کی کرتا ہے۔“ اماں جان نے صاف کہا۔

”زیادہ کی توقع مت رکھو اسی راہ پر چل جو تجھے گروتا ہے جو بدصیا کے تھان پر ترستے تھکا تا پائے جانتے ہیں آپ کی عقل میں ہماری بات دیر سے آئے گی مگر فی الحال اور معاملات چل رہے ہیں سو اس قصہ کو کبھی اٹھا سکتے۔۔۔۔۔ وعدہ نہیں

کرتے۔“

97

کرتے مگر اچھے کی امید بھی مت رکھیے۔ ریحان میاں کو مزید قدم حملے دیجئے ان کی دادی جان چاہتی ہیں کچھ میدان اور مار لیجیے شہر میں ڈک ٹاکو بجے کہ پوتے میاں کتنے پانی میں ہیں؟“ اماں جان مسکرائیں اور فون رکھ دیا۔ تو قیر میاں اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

”وقار میاں۔۔۔۔۔“ وقار الحق زینہ چڑھ رہے تھے جب منشی صاحب کی آواز کان میں پڑی۔

”جی بچا جان کیجیے۔“ وہ رک گئے۔

”آپ کو نواب صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ وہ اپنے کمرے میں ہیں۔“ منشی صاحب کہہ کر اسلئے قدموں واپس لوٹ گئے اور وقار فوراً ہی اباحصور کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

”اب ان کاغذات پر فاطمہ کے دستخط لینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“ نواب صاحب کو کوئی لین دین کرتا ہے تو ہم سے رجوع کرتے۔“ دادی جان نے کاغذات کو اسٹ پلٹ کر دیکھا تمام کاغذات انگریزی زبان میں تھے۔ اماں جان کو انگریزی زبان کا کچھ پتہ نہ تھا اور یہی حال کرم دین کا تھا۔

”اماں جان، نواب صاحب نے کہلویا ہے کہ یہ نہروالی زمین کے کاغذات ہیں جن پر فاطمہ منشی کے دستخط ہونا لازمی ہیں وہ باقاعدہ اس زمین کو فاطمہ بی بی کے نام کر رہے ہیں تاکہ اس زمین پر درگاہ بننے کا کام جلد شروع ہو سکے۔“ کرم دین کے کہنے پر اماں جان نے انجمن سے انہیں چشمے کے پیچھے سے گھورا۔

”وہ تو ٹھیک ہے میاں مگر۔۔۔۔۔ ہم اس انگریزی زبان کو پڑھنے سے قاصر ہیں اور وکیل صاحب شہر سے باہر ہیں پھر ایسے میں ہم ان کاغذات پر کس طرح دستخط کر سکتے ہیں؟“ اماں جان نے جواز پیش کیا، ابھی کھلے دروازے سے نواب صاحب اندر داخل ہوئے۔

”اماں جان، کیا آپ کو ہم پر اعتبار نہیں؟“ نواب زمان الحق نے مسکراتے ہوئے پوچھا، تاج بیگم نے ان کو بغور دیکھا۔

”اے میاں ایسی بات نہیں، انجمن سے اس گھر میں آتے جاتے ہو اب تم پر تو شک ہونے سے رہا۔۔۔۔۔ ہم تو بس ان کاغذات کا لب لباب جانتا چاہتے تھے۔“ اماں جان نے انہیں بائیں شاہ میں یا تو نواب صاحب مسکرا دیے۔

”اماں جان آپ نواب زمان الحق پر اعتبار کر سکتی ہیں، انہیں یقین رکھیے آپ کو ماں کہا ہی نہیں ماں سمجھا بھی سے اور ماں کو دھوکہ دینا دھوکے بازی کرنا ہمارے خون میں نہیں۔۔۔۔۔“ نواب صاحب کے کہنے پر تاج بیگم نے سر ہلایا اور نوکر کو بلوا کر کاغذات اس کے ہاتھ بٹھائے۔

”جائے جلدی سے فاطمہ بی بی کے دستخط لے کر آئیے نواب صاحب غصہ میں سوتا خیر نہیں ہوتی چاہیے ابھی جائے اور انہی واپس آئیے۔“ اماں جان نے ہدایت نامہ جاری کیا۔ ملازمہ فوراً اندر کی طرف بڑھ گئی اور نواب صاحب مسکراتے ہوئے تاج بیگم کی طرف دیکھنے لگے۔

”آپ درگاہ کا کام شروع کروائیے اماں جان اس درگاہ کی عمارت پر آنے والے تمام اخراجات ہم برداشت کریں گے۔“ نواب صاحب نے کہا تو اماں جان نے ان کو خاموشی سے دیکھا۔

98

ناظم الدین شملیتے ہوئے راہداری میں رک گئے جانے قدم خود رک گئے تھے یا انہوں نے دانستہ روک لیے تھے۔ آگے

99

آنچل جولا نی ۲۰۱۸ء

راہداری کے اختتام پر فاطمہ کا کمرہ تھا۔ دل میں جیسے کوئی گرہ سی تھی کہ قدم آگے بڑھ ہی نہ پائے تھے۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے کھڑے رہے پھر پلٹے تو اپنے سامنے کرم دین کو کھڑے دیکھ کر چو گئے۔

”کرم دین صاحب آپ..... اس وقت کوئی ضروری کام تھا کیا؟“ انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

”جی، فاطمہ صاحبہ! ماں جان سے اس دستاویزات پر دستخط لینے تھے انہوں نے جو زمین کا ٹکڑا ان رکھا تھا اس زمین کے مالک نے کسی طرح کر کے اپنی پوری زمین کی رقم لوٹا دی ہے سو اب قاعدے کے مطابق ماں جان کو یہ زمین واپس لوٹانا ہوگی۔ بہر حال یہ کام تو چلتے رہتے ہیں آپ فاطمہ بیٹی سے ملنے جا رہے ہیں شاید“ کرم دین نے پوچھا۔ فاطمہ نے الہ دین سے ہاتھ کاٹے جیسے غور کی طور پر ان کے پاس کوئی جواب نہ ہو۔

”خواجہ صاحب..... بیٹیاں اللہ تعالیٰ کا بہترین تحفہ ہوتی ہیں وہاں رکھنا چاہیے کہ دانستہ یا نادانستہ ان کا دل نہ دکھ جائے کیونکہ بیٹی خفا نہیں ہوتی مگر اللہ اس کے دل کا حال جانتا ہے بیٹی شکوہ نہ بھی کرے تو اللہ بندے سے اس بات کی باز پرس ضرور کرتا ہے“ کرم دین نے جیسے غور سے انداز میں اپنا دیکھا کہ خواجہ فاطمہ اللہ دین ایسے تامل سے تھے کہ ان کی بات نہ سمجھتے مگر شاید وہ اس معاملے پر زیادہ بات نہیں کرتا چاہتے تھے۔

”کرم دین آپ صبح ماں سے مل بیٹھے گا کی افال وہاں رام فرماری ہیں اور ان کے لئے رام میں ٹٹل واقع ہو یہ ان کو گوارہ نہیں۔“ تب کرم دین نے بھی سر ہلا دیا۔

”جی یہی مناسب ہوگا چلتا ہوں“ کرم دین نے کچھ کام سے جانا ہوگا سو یہ کائنات کسی لڑکے کے ہاتھ بھجوا دوں گا تا کہ ماں جان کے دستخط کے بعد دستاویزات مالک کے حوالے کی جا سکیں۔“ کرم دین نے کہا تو خواجہ صاحب نے سر ہلا دیا۔

”یہ مناسب ہوگا۔“ خواجہ صاحب کے کہنے کے ساتھ ہی کرم دین پلٹ گیا۔ خواجہ صاحب ان کو دیر دیکھتے رہے پھر پلٹ کر راہداری کے کنارے پر فاطمہ کا کمرہ بغور دیکھا اور ہنسی سے پلٹ گئے۔



رجت سنگھ دستاویزات ہاتھ میں لیے پرسکون انداز میں بیٹھا ماں جان کا دفتر تھا۔ اس کے انداز میں غلبت نمایاں تھی۔ جیسے اسے کسی معاملے کو لے کر تاخیر ہو رہی تھی اور وہ بے چینی کا شکار تھا۔ ماں جان سامنے راہداری سے آتی دکھائی دیں۔ رجت سنگھ ادب سے کھڑا ہو گیا۔ ماں جان قریب آن رہیں۔

”بھئی پاؤں! ماں جی..... کچھ کرم دین چاہا ہے۔“ ماں جان کو دیکھ کر اس نے جھک کر ادب سے ان کے پیروں کو چھوا۔ ماں جان نے اسے جاؤ کی نظروں سے دیکھا۔

”کرم دین نے بتایا نہیں کہ اس نے غیر مذہب کا کوئی لڑکا کام پر رکھا ہے۔“ انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ رجت سنگھ بہت ملاکت سے مسکرایا۔

”ماں جی مذہب تو شخص و صلہ ہیں اصل تو اس رب کی ذات ہے جو اس مالک کی ذات کو کیا گیا اس کے لیے رب اپنے کرم کے دروازے کھول کر ہر شخص کو آسان کر دیتا ہے۔“ رجت سنگھ نے نرمی سے کہا اور دستاویزات ماں جان کی طرف بڑھا دیئے۔ ماں جان نے اسے بغور دیکھا۔

”پڑھے لکھے لگتے ہو اور سمجھ دار بھی۔ ایسی معمولی نوکری کیوں کر رہے ہو؟ تمہیں تو کہیں بھی افسری مل جائے یا کام میں وقت کیوں ضائع کرتے ہو میاں؟ ایسی کہا آفت آگئی؟“ ماں جان جہاں دیدہ تھیں وہ رجت سنگھ کو دیکھتے ہوئے مکمل جا بوج رہیں تھیں۔ رجت سنگھ ان کی بات پر مسکرایا۔

ماہنامہ حجاب کلاچی

جولائی 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

میرے خواب زندہ ہیں
شب آرزو تیری چاہ میں
عشق دی بازی
نادیہ فاطمہ رضوی کا سلسلے وار ناول
نائلہ طارق کا سلسلے وار ناول
ریحانہ آفتاب کا نیا سلسلے وار ناول

اس کے علاوہ

شازیہ مصطفیٰ، نزہت جبین ضیاء، مریم شیراز، راؤ سمیرا یاز، سیما بخت عاصم، ہمارا
زار ارضوان، حمیرا نگاہ سمیت دیگر بہنوں کی خوب صورت تحریریں

قارئین کے ذوق کے عین مطابق مستقل سلسلوں میں پیش ہے

طلب نبوی، بزم سخن، کچن کارنر، آرائش حسن، عالم میں انتخاب
شوخی تحریر، حسن خیال، ہومیوکارنر، شو بزنس دنیا، نوٹس

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں! (021-35620771/2)

”اماں جان“ کچھ کرنے کا جنون جب چین نہ لینے دے تو پھر یونہی گردش میں آ جاتے ہیں۔ یہ گردشیں ماہ و سال کہاں دیکھتیں ہیں جنون تو اندھا ہوتا ہے ناں؟ وہ مسکرایا اور اس کا اعتماد دیکھ کر اماں جان ٹھٹھکیں۔

”ایسی کون سی گردشیں ہیں جو تمہیں ساتھ لیے پھرتی ہیں میاں؟ اس عمر میں خواہو نہ خواہو کے جھگڑے مول مت لو جنوں کو جھگڑو تنور میں اور جا کر ماں باپ کے مال و دولت کو سنبھالو۔ اس موئے جنوں کے ساتھ خود کی پیمانی بھی کیونکر گنوار ہے ہو عقل گھاس چرنے لگی ہے کیا؟ بہر حال شکل و صورت سے اچھے گھر کے لگتے ہو۔۔۔ سو فیصد کڑوا لئی اور سناج حکم کی کی پروا نہیں کرنی۔ کرم دین کو میرا سلام پہنچاؤ اور کہنا شام میں آئے تو اس مہینے کے کھانے کی کھیلیاٹ لیتا آئے۔“ رجت سنگھ نے سن کر سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”سنو۔۔۔“ وہ پلٹا جب اماں جان نے پکارا تھا رجت سنگھ رک گیا اور پلٹ کر اماں کو دیکھا۔

”تم نے پوچھا نہیں تمہارے متعلق کیسے خبر ہوئی؟ اور ہاں نام کیا ہے تمہارا؟“ اماں جان جانے کیا سوچ کر بولیں۔ رجت سنگھ مسکرا دیا۔

”مجھے رجت سنگھ کہتے ہیں ہر بندے کے اندر ایک شخص کی رگ ہوتی ہے اور پرکھنے کا طریقہ اپنا ہوتا ہے اس سے زیادہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ بلکہ شاہ کہتے ہیں۔

پڑھ پڑھ کر کتابیں علم دیاں توں نام رکھ لیا قاضی

تجھ دوج پھڑ کے کھوار نام رکھ لیا غازی

کے مدینے مھوم آیا تے نام رکھ لیا حاجی

او بھلیا حاصل کی کینا؟ جے تو رب نا کینا راضی؟

اجازت دیجیے اماں جان۔“ وہ مسکرایا اور پلٹ گیا۔ اماں جان اسے جاتا دیکھتی رہیں۔ رجت سنگھ اسی خود اعتمادی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

”معاذ گیمبر سے نواب صاحب لگتا ہے آپ کا خور و روٹین ہوتا اماں جان کو بھلا گیا ہے رشتہ آپ کا انتخاب کیونکر کرتیں؟“ انوار الحق مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔ ان کی نظروں سے شرارت ہو رہی تھی اور نواب صاحب نے ان کو خاموشی سے دیکھا۔

”میاں مذاق مت بناؤ اب ایسے بھی حالات نہیں۔۔۔ ہم خود پسندی کے عادی نہیں حقیقت کو کبھی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔“ نواب صاحب نے کھلے الفاظوں میں بتایا انوار الحق ہنسنے لگے۔

”میاں خور و روٹو آپ ہیں۔۔۔ رتی بات آپ کے صاحب زادے کی تو ان کی وجاہت سے انکار ممکن نہیں مگر شاید اماں جان کو آپ کے صاحب زادے کا کمزور میدان لگتے ہیں۔ شطرنج کی بساط پر جو بادشاہ کی کشش ہے وہ پادشاہ کی نہیں۔“ انوار صاحب کے کہنے پر نواب صاحب جو کچھ پھر فری سر ہلایا۔

”ہمارے صاحب زادے نواب زادہ وقار الحق کوئی پیادہ نہیں انوار صاحب ہمارا جو بھی ہے وہ ہمارے بیٹے کی ہی وراثت ہے۔ اس میں کسی بھی شکوک شبہ کی گنجائش نہیں۔“ نواب صاحب نے کہا انوار صاحب نے مسکراتے ہوئے ان کو دیکھا۔

”آپ جو بھی کہیں مگر وراثت کی جو اصل بات ہے وہ اماں جان کو کہیں نہ کہیں کھٹک رہی ہے مگر بات یہ بھی ہے کہ آپ اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ کاٹ کر چھوٹے نواب کے ہاتھ نہیں تھما سکتے۔“ انوار صاحب دور کی کوڑی لائے تھے۔

نواب صاحب چونکے اور انوار صاحب کو دیکھنے لگے۔

”ہم اصل معاملات سمجھ کیوں نہیں پاتے؟ کیا فقط مالی حیثیت اور مرتبے کی وجہ سے اماں جان ہمارے صاحب کردہ کردی ہیں؟ جبکہ ہمارا جو بھی ہے وہ ہمارے صاحب زادے کا ہی تو ہے۔“ ان کی آواز حیرت میں ڈوبی ہوئی جیسے اس سوچ پر واقعی حیران تھے۔

”اثر و رسوخ اور سماجی حیثیت و مرتبہ بہت اہم ہوا کرتا ہے نواب صاحب جو اہمیت آپ کی ہے اس سے انکار ممکن نہیں بات سیدھی ہی ہے اور دیگر معاملات میں یہ بھی ممکن ہے کہ اماں جان اپنی عزت و بولی صاحب سے کوئی رجس رکھتی ہوں اور اس رجس کے سبب وہ ایسا اقدام لینے پر مائل ہوں۔“ خیر خالفت میں لوگ بہت زیادہ قوی اور قطعی ہو جایا کرتے ہیں۔ یوں بھی محبت اور جنگ میں سب جانتے ہوتا ہے۔“ انوار صاحب کی بات میں جیسے دم تھا نواب صاحب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔



دو مہینے میں تین صدقہ کی دیوار کو گنتے ہوئے قاطرہ بی بی دوسری جانب بیٹھے وقار سے مخاطب ہوئیں۔

”ہم نہیں جانتے ہماری داد کی جان ہماری پڑھائی کا یہ سلسلہ متواتر کیوں جاری رکھے ہوئے ہیں اگرچہ جو ہمیں اس بات کی امید نہیں تھی بہر حال آپ سے اتنا س ہے کہ آپ غیر ضروری باتوں سے اجتناب برہے۔ جو ہوا اس پر ہم کوئی بحث نہیں کر سکتے میں اس معاملے پر بات کرنا ضروری خیال نہیں کرتی۔“ قاطرہ نے بردباری سے کہا تو دوسری طرف بیٹھے وقار نے سر ہلادیا۔

”آپ کی بات سمجھتا ہوں محترمہ قاطرہ بی بی مدعا یہی تھا کہ آپ کے نام پر کوئی حرف آئے نہیں دیکھ سکتا۔۔۔ اس معاملے کو میں کسی بھی عدالت میں اٹھانے کو تیار ہوں۔“ نواب زادہ وقار الحق کا لہجہ بے خوف اور نڈر تھا۔ پہرے دار ملازمین کی موجودگی میں وہ مزید بات کرنے کی خواہاں نہیں تھی سو پڑھائی کی طرف آنے کا سلسلہ جوڑا۔

”آپ نے جو سبق دیا ہے وہ حفظ کر لیا ہے آپ کا آگے کے ابواب پڑھانے کی رحمت دینا چاہوں گی۔“ قاطرہ بی بی نے رکھ رکھاؤ سے کہا اور نواب زادہ نے کتاب کھول لی۔



”کرم دین یہ لڑکا بہت پڑھا لکھا ہے؟ اسے اس کام پر رکھنے سے پہلے تم نے ہمیں مطلع کرنا ضروری خیال کیوں نہ کیا؟“ اماں جان نے رجت سنگھ کے حلق پوچھا۔

”اماں جان! آپ کو مطلع کیا تھا شاید بات آپ کے ذہن سے نکل گئی۔ مجھے وہ لڑکا حساب کے کام کے لیے مناسب لگا بہر حال آپ جو مناسب سمجھیں وہی کر لیں گے۔“ کرم دین نے کہا۔ اماں جان نے سر ہلادیا۔

”یہ لڑکا کچھ عجیب ہے“ نظر رکھو اس پر۔“ اماں جان نے مہم نامہ جاری کیا۔ کرم دین نے سر ہلایا ساتھ ہی نرمی سے دیکھا۔

”کوئی کشتی ہوگی اس۔؟ میں کان کھینچوں گا اس کے بچاؤ ضرورت مند ہے۔ میں نے جس کھا کر نوکری دے دی تھی۔ پڑھا لکھا ہے اور دیانت دار بھی۔ کام کے معاملے میں کوتاہی نہیں کرتا مگر پڑھے لکھے بندوں والی سوچ ہے بتائیں زیادہ کرتا ہے اس کی طرف سے معافی طلب کرتا ہوں۔“ کرم دین نے کہا تو اماں جان نے خاموشی سے اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولیں۔

”پڑھے لکھے سائنے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ ان کی طرف سے چوکنا ہونے کی ضرورت اضافی ہوتی ہے میاں

”تو پھر کیا کریں گے آپ؟“ وقار الحق نے دریافت کیا۔ نواب صاحب نے گہری سانس لے کر شانے اچکا دیئے تھے۔

”یہ معاملہ پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے میاں! ہم فی الحال نتائج اخذ نہیں کر پا رہے تاج بیگم اپنی نوعیت کی ایک دقیق خاتون ہیں ان کی سوچ اور ارادوں کی خبر کسی کو ہوا میں قیاس آرائیاں ممکن نہیں لیکن تاج بیگم کے خوف سے ان کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اسے اپنی کونجاہیں چھوڑا جاسکتا کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔“ انہوں نے پُرسوج انداز میں کہا اور وقار الحق انہیں دیکھتے رہ گئے۔

تاج بیگم نے اپنے سامنے کھڑے چھوٹے نواب کو بغور دیکھا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اور حقے کو قریب کر کے مگر اکٹس لیتے ہوئے مسکرائیں۔

”کہو نواب زادہ وقار الحق کیا معاملہ ہے؟ آپ نے بات کرنے کی درخواست کی کیا ہم مدعا جان سکتے ہیں؟“ تاج بیگم نے بے چارگی نظر میں سے جیسے انہیں پڑھنا چاہا نواب زادہ نے انہیں لمحہ بھر کو خاموشی سے دیکھا اور پھر نرمی سے گویا ہوئے۔

”ہم فاطمہ بی بی سے متعلق بات کرنا چاہتے ہیں۔“ وہ جیسے ٹھان کرائے تھے۔ سو تمہید باندھ کر وقت ضائع کرنے کی بجائے عین مدعا پر بات کرنا ضروری خیال کیا۔ تاج بیگم نے ان کی ہمت پر بغور انہیں دیکھا پھر بولیں۔

”فاطمہ بی بی سے متعلق کیا بات کرنا چاہتے ہیں آپ نواب زادہ؟“ نواب زادہ چند ثانیوں تک جیسے سوچ میں غطال رہے تھے پھر یکدم بولے۔

”ہم فاطمہ بی بی سے نکاح کرنے کو تیار ہیں؟“ انہوں نے جیسے رکی ہوئی سانس یکدم خارج کی اور تاج بیگم نے ان کو شدید حیرت سے دیکھا پھر حیرت کے تاثرات مسکراہٹ میں بدل گئے۔

”میاں ایسے معاملات بزرگوں کے طے کرنے کی باتیں ہیں۔ ہمارے ہاں ایسی مندرجہ ذیل نہیں! ہم اس متعلق آپ سے کوئی بات مزید نہیں کر سکتیں گے۔“ تاج بیگم کا لہجہ قطعی تھا۔

”لیکن تاج بیگم۔“ نواب زادہ نے بولنے کا اعادہ کیا کہ تاج بیگم نے ہاتھ اٹھا کر ان کو روک دیا۔

”اس معاملے پر آپ کے والد محترم سے بات ہو چکی ہے اس پر مزید بات نہیں ہو سکتی میاں۔ ہم اصولوں کے قائل ہیں اور اصولوں سے ہٹ کر کسی بات کو ضروری نہیں سمجھتے۔“ فاطمہ بی بی انداز اختیار کیا۔

”مگر آپ کے ان اصولوں سے نہیں چھٹی کسی کی زندگی ہے تاج بیگم گستاخی معاف۔ ہم بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہیں تو معذرت چاہتے ہیں مگر اصول انسان کی زندگی سے بڑے نہیں ہوتے اصول انسان بناتا ہے اصول انسان کو نہیں بناتے کسی بھی قانون میں شق میں ترمیم ممکن ہے تبدیلی کی محتاجی باقی رہتی ہے اس پر دوائے قطعی واقع نہیں ہوتی۔“ نواب زادہ نے دلیل دی اور تاج بیگم نے مسکراتے ہوئے انتہائی دھچک سے نواب زادہ کو دیکھا۔

”نواب زادہ آپ کے دلائل مضبوط ہیں مگر خوشی ہوئی قانون کی تعلیم آپ کا گھر سے بڑھنے میں خوب مدد دے گی مگر زندگی ان قوانین سے کچھ سوائے ہم بامیکیوں کو سمجھتے ہیں ہم کسی زندگی کو تحقیر نہیں بنائے فاطمہ بی بی ہمیں بھی اسی قدر عزیز ہیں بھی ہم نے ان کی تعلیم میں کوئی غلط واقع نہیں ہونے دیا۔ وہ بے خوف و خطر بتائی غلطی کے واقع ہوئے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں رہی ان کی زندگی کے فیصلے کی بات تو اس کے لیے ہم کسی سے رائے لینے کے پابند نہیں۔ ہم وہی کریں گے جو ہمیں مناسب لگے گا۔“ تاج بیگم نے جتنا پابند نواب زادہ ان کو دیکھتے رہ گئے تاج بیگم کا

اور ضرورت مند کی بات تو جانے دو ہمیں تو کہیں سے ایسا ضرورت مند نہ لگا۔ اچھے قیمتی لباس زیب تن کر رکھے تھے۔ رکھ رکھاؤ بھی امراء والا تھا۔ پھر اور کون سی ضرورت آن پڑی؟“ اماں جان جہانم یہ دیکھیں وہ اڑنی چڑیا کے پر گن سکتی تھیں۔ کرم دین یہ بات اچھے طرح جانتا تھا سو خاموش ہو گیا۔

”بہر حال اسے حساب کے معاملات میں ہی انکار رہنے دو۔ اگر کام ٹھیک سے کرتا ہے تو ہمیں اجرت دینے میں بھی ہامانیت نہیں اگر سختی سے تو ہم بھی دیانت دار ہیں۔“ اماں جان نے بات مکمل کی اور پھر دیگر معاملات کے متعلق بات نہ کرنے لگیں۔ کرم دین ان کا محتاط رویہ سمجھتا تھا۔ ان کے ساتھ ایک عرصے سے کام کر رہا تھا۔ بیویاں ان کی طبیعت کا حصہ تھا۔ جب بھی وہ کوئی نیلا لڑم رکھتا تھا اماں جان اس کے متعلق باز پرس ضرور کرتی تھیں۔

”ابا حضور ہم بہت شرمندہ ہیں۔ بہت بے کلم سے ہو گئے ہیں کسی طرف چین نہیں مل رہا ہماری وجہ سے کسی کی جان پر ایسا عذاب اترتا ہے ہم اس متعلق سوچ کر ہی افسردہ ہیں مگر بہت سوچنے کے بعد بھی ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پارہے۔“ وقار الحق بہت مضطرب دکھائی دیئے نواب صاحب نے ان کی طرف خاموشی سے دیکھا۔

”ابا حضور فاطمہ بی بی بے قصور ہیں اور بہت بھولیں ہے ان کی فطرت میں ہم نے جیسے کسی کو خیز پھول کو اٹھا کر تمازتوں کے بدلنے پر رکھ دیا ہے۔ ہم اس پچھتاوے سے نکل نہیں پارہے اور اس کا کوئی سدباب بھی ممکن نہیں پاتے اگر کو روز پڑھانے جانا۔ ان سے بات کرنا جیسے اس پچھتاوے کو مزید بڑھاتا ہے۔ ان کا بھجا بھجا سانس بھیس سکون نہیں لے دیتا۔“ نواب زادہ کا لہجہ کرب میں ڈوبا ہوا تھا۔ زمان الحق نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

”ہمیں اندازہ ہے نواب زادہ وقار حق مگر آپ کو بے قصور نہیں سمجھ سکتے آپ نے بہر حال ایک سنگین غلطی کی ہے اور اس غلطی کا سرزد ہونا جہاں آپ کے غیر سنجیدہ رویے کی جانب اشارہ کرتا ہے وہیں آپ کا پچھتاوہ آپ کی سادگی کی طرف بھی دھیان دینے پر مجبور کرتا ہے۔ ہم اس معاملے پر ڈنٹے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالنے کی کوشش کریں گے۔ اس معاملے میں ہماری بات اماں جان سے بھی ہونی ہے بہر حال اب اس درجہ خود کو لامتناہت مت کیجیے اماں جان کی گھر بیوی سیاست عروج پر دکھائی دیتی ہے اور ہدف کمزور ترین ہے۔ ہمیں بھی اس معصوم و شیرازہ پر ترس آتا ہے جو ابھی ایسے معاملات کی سمجھ بوجھ بھی نہیں رکھتی اور اسے ایسے سنگین مسائل سے دوچار کر دیا گیا ہے۔“ نواب زادہ

تاسف کا اظہار کرتے دکھائی دیئے۔ زمان الحق چپ چاپ بیٹے کو دیکھتے رہے جب وہ ہاتھ اٹھا کر انہیں سے بولے۔

”اگر وہ ہماری وجہ سے اس مشکل میں گرفتار ہوئی ہیں تو ہم ہر ممکن کوشش کر کے ان کو اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کریں گے ابا حضور۔“ گران کو بھی ان شرائط پر ایک رشتہ قبول ہوتا۔ انہوں نے نرمی سے کہا نواب صاحب چو سکتے۔

”ہم نہیں جانتے نواب زادہ آپ کن شرائط کی بابت بات کر رہے ہیں مگر ہماری رائے میں رشتہ جو بھی ہو وہ شرائط سے پاک اور برا ہونا چاہیے شرائط کو اٹھا کر معادلوں کے لیے مختص کر دینا چاہیے ہم بھی مسائل کا حل چاہتے ہیں ہم نے اماں جان سے بات کی تھی مگر وہ اس نزاع کے لیے آدگی ظاہر کرنی نظر نہیں آتیں ہم دعوہات تک سمجھ پاتے مگر انہوں نے اس نکاح کے لیے ہمارا نام تجویز کیا ہے۔ وہ چاہتی ہیں ہم فاطمہ بی بی کا اپنے نکاح میں لیں۔“ نواب صاحب نے جیسے لہجے میں کہا نواب زادہ سر جھکا کر بیٹھی رہے۔

”بہر حال ہمیں پابند ہے کہ اس معاملے کو کس طرح حل کرنا چاہیے۔ ایک معصوم بچی کا معاملہ ہے اس کی عزت کی بات نہ ہوتی تو ہم بھی اس معاملے میں نہ کوڑتے مگر معاملہ کیونکہ آپ سے جڑا ہے اور آپ کے باعث یہ سب ہوا ہے تو ہم لا پرواہی نہیں برت سکتے نہ دامن چھڑا کر اطلاق ہو سکتے ہیں۔“ نواب صاحب نے مدغم لہجے میں کہا۔

انداز جیسے قطعی تھا وہ مزید اس موضوع پر بات چیت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھیں۔ سو نواب زادہ نے مزید کچھ کہتا ضروری خیال نہیں کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ تاج بیگم نے انہیں دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولیں۔

”ہمارے فیصلے سنا آپ کے ابا جان محترم واقف ہیں اور ہم اس میں کوئی ترمیم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔“ اماں جان نے مضبوط لہجہ میں جتایا۔ نواب زادہ وہاں سے نکلے چلے گئے۔



فاطمہ ہاتھ پھیلائے اپنی ہاتھوں کی لکیروں کو غور دیکھ رہی تھیں جب خواتین کے پاس آن پہنچیں۔
”کیا ہوا فاطمہ بیٹی؟“ اس طرح پتیلیاں پھیلائے کیا جانچ رہی ہیں آپ؟“ خواتین بیگم کا بچہ بھابھا تھا کہ ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔ بیٹی کی اداسی دیکھیں نہ جاری تھی۔ فاطمہ نے ان کی طرف دیکھا اور سرٹکی میں ہلا دیا۔

”ہم ٹھیک ہیں امی جان، فکر کی کوئی بات نہیں اور یہی بات پتیلیوں کی لکیروں کی تو ان کا کوئی مطلب نہیں اگر کوئی مطلب پانچنی ہے تو ہم اس سے واقفیت نہیں رکھتے سو ہمارے لیے یہ کھل لکیریں ہیں۔ ویسے آپ کی رائے میں ان لکیروں کا کوئی مطلب ہوتا کھنی ہے؟ لکیروں کو کاندھ پر بچوں یا ریت بنایا دو لکیریں ہاتھ پر قدرت نے بنا دیں ان کے معنی سمجھنا آسان نہ ہوگا کیونکہ ہر عقل اپنی استطاعت کے مطابق ان لکیروں کے معنی ڈھونڈے گی اور قیاس آرائیاں کرے گی اندازے غلط یا درست ہو سکتے ہیں ان کے بارے میں آراء ہمیشہ متضاد رہیں گے۔ بہر حال اللہ کے سوا ان لکیروں کا مطلب کوئی نہیں جانتا۔ سو ہم اپنی منہی بند کیے لیتے ہیں۔“ فاطمہ نے کہہ کر اپنی کھلی پتیلی کو دیکھا اور منہ بند کر لی۔ خواتین بیگم نے اپنا ہاتھ ان کی بند منہی پر رکھا اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ہشتی گزے۔

”کاش ہم آپ کے لیے کچھ کرنے کی استطاعت رکھتے۔ اماں جان نے گھر بیٹو حکمرانی کا جو انداز اختیار کیا ہے اس کے سامنے ہم کیا زبان کھولیں؟ جب کہ خونا آپ کے ابا جان بھی کچھ بولنا گوارہ نہیں کر رہے ہیں۔ واز آپ کے ابا جان کو اٹھانا چاہیے بھائی تو آپ کے بیرون ممالک مقیم ہیں ان کے کان تک تو بات گئی نہیں انہیں خبر ہی نہیں ان کی ماں جانی کیسے حالات سے گزر رہی ہے۔“ امی جان دھکی ہوئیں فاطمہ نے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھا۔

”امی جان، ہم کسی سے کوئی شکوہ نہیں رکھتے، دادی جان کا اپنا ایک مزاج ہے اس پر بھی نکتہ چینی ممکن نہیں اور ابا جان.....“ فاطمہ کی آواز بھرا گئی اور وہ خاموش ہو گئی تھیں خواتین بیگم نے صدر بخیدہ دکھائی دیں۔

”محض پڑھنے کی ایسی سزا؟ ایسی بدنامی کر ڈال اماں جان نے.....“ اللہ غارت کرے گا انہیں۔“ خواتین بیگم نے کوئی مروت دیکھے بنا کہا۔

”امی جان انسان جو کرتا ہے اس کے لیے ہم اسے مورد الزام کیوں ٹھہرائیں؟ دادی جان نے جو کہا وہ ایک عمل کا رد عمل ہے خطا تو دراصل ہم سے ہوئی ہے اگر ہم سب ایسی غلطی ہی پر زور دیتی تو کوئی ہم پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ہم نے اس معاملے کو اٹھانے کا موقع خود دیا ہے۔ وقت کی ذور سمجھ کر ہم نے کھل خود اگلے ہیں یہ پوچھ گیا ہمارا خود کی تہہ کر رہے ہیں۔ یہ ہماری قسمت میں تھا۔ ہم نے کونیں اور کھائی میں کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ ہمارا تعجب تھا۔ وہ مصلحتوں کے خوش نظر مدح میں بولیں۔ خواتین بیگم نے ان کے ہاتھوں کو تھام کر لکیوں سے لگا یا اور کھنی آنکھوں سے فاطمہ کا چہرہ دیکھا۔

”تم ایک بے داغ چاند ہو میری بیٹی زمانہ چاند پر تھوک دے تو چاند وافر نہیں ہوتا۔ وہی تھوک ان کے منہ پر واپس آن گرتا ہے جو غلط کر رہا ہے اسے بہر حال اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ اللہ کی انھی بے واز ہے۔“ خواتین بیگم نے تاج بیگم کو کوسا۔ فاطمہ ان کو دھکی رہ گئیں۔



”آؤ بیٹھو میاں ضروری بات کرنا ہے تم سے۔“ اماں جان نے خواجہ صاحب کو بلاوا بھیجا تھا۔ وہ جو خاموش کھڑے تھے ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ تب اماں جان نے ان کی طرف دیکھا۔

”ایک ضروری بات گرتی ہے آپ سے؟“ کیاں جان نے مدعا اٹھایا۔ جب خواجہ صاحب ہشتی سے گویا ہوئے۔
”ایک بات ہمیں بھی آپ سے گرتا ہے اماں جان۔ گستاخی معاف..... آپ کے حکم کے خلاف جانے کا ارادہ نہیں کرتے..... آپ ہماری جنت ہیں اور ہم دنیا اور آخرت خراب نہیں کر سکتے۔ آپ کا بہت احترام واجب ہے ہم پر ہجاری جنت ہیں آپ..... مگر ہم فاطمہ کے متعلق بات کرنا چاہتے تھے۔“ خواجہ صاحب نے نرمی سے مدعا بیان کیا۔ تاج بیگم جو مسکرائی تھیں انہوں نے لب کھینچ لیے اور خاموش ہو کر خواجہ غلام الدین کی سمت دیکھنے لگیں۔

”ہم آپ کے خلاف جارہے ہیں ایسا مت سوچئے گا ہم ایسا بھی نہیں کر سکتے مگر فاطمہ کے متعلق اتنا کہنا چاہیں گے کہ ایک معصوم بچی ہے بڑے کرم اس کے متعلق کوئی فیصلہ لینے سے قبل ایک بار نظر ثانی کر لیجئے گا۔ غلطیاں بچوں سے ہی سرزد ہوتی ہیں فاطمہ اپنی کم عمر اور کم سن ہے اور بڑھائی اس کا جنون بخود پڑھنا ہی ہے ہم سب اس بات سے واقف ہیں اماں جان وہ اور دور تھا جب لڑکیوں کے پڑھنے کو برا سمجھا جاتا تھا پڑھنا معیوب نہیں ہے۔ جرم ہے سوام پڑھنے کی اس خواہش کو کسی جرم کے بنانے میں نہیں رکھ سکتے۔“ خواجہ صاحب کہہ رہے تھے جب کہ اماں جان نے ہاتھ اٹھا کر ان کو مزید بولنے سے روکا اور چشمکیں انکھیں ان سے ان کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”میاں جوتیاں ہی مارتا ہیں تو شوق بجا کر مارو نا کہ لوگوں کو بھی خبر ہو کہ خواجہ غلام الدین جس کی پرورش ایک ماں نے تنہا کی اس نے ماں کی اس محنت کا کیا اجر دیا؟ تینوں صاحب زادوں میں ہمیں آپ پرنا تھا خواجہ غلام الدین مگر آپ نے بھی وہ ماں توڑ دیا..... کیا صلہ دیا آپ نے ہماری تعلیم و تربیت کا؟ ہم بڑھائی کے خلاف ہوتے تو پڑھنے کو آپ کو ولایت کیوں بھجواتے؟ وہ ہم ہی تو تھے جنہوں نے آپ کے لیے راہ کھولی تھی۔ آپ کی پرورش پڑھائی کھائی کے اخراجات..... ولایت کی پڑھائی..... سب کا بوجھ ہمارے ہی کاندھوں پر تھا اور ایک آپ ہی کہاں تھے ایک بیوہ نے تین تین بیٹوں کی پرورش میں کوئی کسر اٹھانہ بھی مگر سچ کہتے ہیں ماں کوئی تفریق نہیں رکھتی کوئی تفریق نہیں کر سکتی مگر اولاد ایسی تفریق ہی کیا ہر رو یہ روارہ تھی ہے۔ بیٹا منہ کی منہ اس اندر کی کڑواہٹ کو چاشنی میں نہیں بدل سکتی۔ عقل ہے ہم میں..... باتیں سمجھا تھیں ہیں ہمیں علم ہو رہا ہے کیا ہر جملہ رہا ہے آپ کی رگوں میں بیٹی سے ہونے والے سلوک کی پروا ہے آپ کو؟ ہم کو؟ تھی ہوں ناں میں خواہواہ کی مخالفت کر رہی ہوں ناں ایسا ہی سمجھتے ہوں تم؟ فاطمہ کو بدنام کر رہی ہوں اس کی نیکی نامی پر کچھ اجمال رہی ہوں ایسا ہی لگتا ہے ناں تمہیں تو چاہا ہم نے کب مشورہ دیا تھا آپ کی صاحب زادی کو کہ جا کر خلوت میں کسی پرانے مرد سے ملے۔ کیا ہم نے روانہ کیا تھا انہیں؟ کھر میں پڑھائی کو بھی تو ہم نے ممکن بنایا ناں..... یہ نیک نیتی تو دکھائی دیتی ہے آپ کا اور جو کہ ہم نے ان کے تنہا کسی غیر مرد سے ملاقات پر اٹھایا اس پر فوراً اعتراض ہو گیا آپ کو..... کیسے کیا ہم غلط ہیں؟ اس اقدام پر ہم نے اسے کیا تصور ہوا تھا؟ عقل کھاسا ہے نہ مٹی کی مٹی کی محنت..... فاطمہ غلطی جتنے سے متاثر نہیں تھیں وہ کیا تعلیمات ہیں فاطمہ جناح کی؟ تحریک میں حصہ لےنا چاہتی تھیں ناں ایسے بڑے عزائم رکھنے والے ایسے کارنامے سرانجام دیتے ہیں؟“ اماں جان نے خوب لٹے لیے۔ خواجہ غلام الدین کچھ بولنے کے قابل نہ رہے۔ سر جھکا کے خاموشی سے سنتے رہے۔

”خواجہ غلام الدین میں دشمن نہیں ہوں تمہاری ماتمہاری اولاد کی میں نے کبھی کسی معاملے میں مخالفت نہیں کی مگر جو غلط ہے سو ہے میں خیر خواہ ہوں نیکی کر رہی ہوں ایسی بدنامی کے باعث کون کہے گا اس لڑکی کو؟ عزت و دوڑ کی کی کردی بات تو کہتی ہے مجھے زبان سے نکالو میں اسے مٹنے سے نکالتی ہوں۔ سو معاملہ وہ ہے کہ اب بات زبان سے نکل کر ہر

طرف پھیل چکی ہے۔ لوگ منہ جوڑ جوڑ کر باتیں کر رہے ہیں۔ کیا بتلاؤں میں ہم ان کو..... کس کس کا منہ بند کریں؟“ اماں جان سمجھ کر، ہم کتنے نکال لائیں۔ وہ سخت جس کو سن کر خواجہ غلام الدین کی رگیں غصے سے تن گئیں۔ وہ اٹھے اور خاموشی سے وہاں سے نکل گئے۔ اماں جان خاموشی سے انہیں دیکھتی رہیں۔ ان کے چہرے پر بلا کا اطمینان اور سکون دکھائی دیا تھا۔



نواب زادہ نے درمیان میں موبو صندوق کی اس دیوار کو دیکھا پھر آہستگی سے گویا ہوئے۔

”ہم آپ سے ضروری بات کرنا چاہتے ہیں فاطمہ! کیا کچھ وقت تحلیہ کا مل سکتا ہے؟“ دوسری طرف فاطمہ کا چہرہ خوف سے بھر گیا۔

”نواب زادہ ہم بڑھنا نہیں چاہتے برائے کر ہم آپ دوبارہ یہاں مست آئیے گا۔“ فاطمہ نے بنا سوچے سمجھے کہا۔ نواب زادہ ان سے ایسی بات کی توقع نہیں رکھتے تھے سو چونک پڑے۔

”ہم آپ کے خیر خواہ ہیں فاطمہ۔ آپ ایسی باتیں کیوں سوچ رہی ہیں؟“ نواب زادہ نے نرم خوئی سے کہا۔ ”ہم کیا سوچتے ہیں اس کی پروا آپ کو نہیں ہونا چاہیے جو بدنامی ہوئی ہے وہ ایک بچھا ہوا شخص ہے ہم اور بدنامی نہیں چاہتے۔ برائے کر ہم ایسی خیر خواہی مت روک کیجیے جو ہواوی کالی ہے ہم مزید ایسا کچھ نہیں چاہیں گے۔ بہتر ہوگا اس تعلیم کے سلسلے کو بند کر دیا جائے۔ نہ رہے گا ہاں نہ بچے گی ہائسری۔ تعلیم کے حصول کی خواہش نے رسوا کر دیا ہمیں۔“ فاطمہ ہلا ز زمین کی پروا کرتے ہوئے بھر پور احتجاج کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔ نواب زادہ شرمندہ دکھائی دے رہے تھے۔

”فاطمہ بی بی! ہم پہلے ہی پچھتاوے کا شکار ہیں۔ بخدا اس پچھتاوے کو مزید مت بڑھائیے۔ ٹھیک ہے ہم اس معاملے پر کوئی بات نہیں کرتے مگر آپ وعدہ کیجیے آپ اپنی بڑھائی کے سلسلے میں کوئی خلل واقع ہونے نہیں دیں گی۔“ نواب زادہ نے مصلحت کے تحت کہا۔ دوسری طرف فاطمہ نے خاموشی سا دھڑلے۔ نواب زادہ کو اطمینان محسوس ہوا۔

”معذرت چاہتے ہیں ہماری بات آپ کی دل آزاری کا باعث بنی۔ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جو کوئی سن رہا ہے وہ سن لے گا۔ آپ کا دامن شفاف اور پاک ہے۔ آپ کی پاک دامن پر کوئی داغ نہیں لگا۔ اس روز خلوت میں ایسا کچھ نہیں ہوا تھا جس کے باعث آپ کو دکھ جھکا پڑے۔ ہم آپ سے ملنا چاہتے تھے اور اس خواہش کا اظہار ہماری جانب سے ہوا تھا مگر آپ کی رسوائی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ہمیں افسوس ہے ہمارا ایک اقدام آپ کی بدنامی کا باعث بنا اگر اس کا کوئی سدباب ہو تو ہم ضرور ایسا کرنا چاہیں گے۔“ وہ مضبوط لہجے میں بولے مگر فاطمہ بی بی نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔



”کیا ارادہ ہے میاں تو قیر؟“ اماں جان نے ریوڑ کان سے لگائے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ دوسری طرف تو قیر مسکرا دیئے۔

”اماں جان ہمارے ارادے کی تو جانے دیجئے ہم تو آپ کے حکم کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ آپ ہم صادر کریں گی ہم سر جھکا دیں گے۔“ تو قیر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو دوسری طرف اماں جان نہیں دیں۔ ”آپ رادار دوم کھیت کھیت..... میاں! ایسے سیدھے ہی نہ بوجھ جائے ہو تو بہار کی ماں جان سب مدعا کہتی ہیں تو اس کا لب لباب کیا ہوتا ہے۔“ اماں جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہم تو دشمن سے بھی بنا کر رکھتے ہیں۔ ہمیں ان کی ضرورت شان پڑے۔ ہماری مثل تو وہ ہے کہ خیر جانے دو کہو معاملہ کیا ہے؟“ اہلیہ اور بچوں کی کبو..... ایسا کرو..... ریحان میاں کو لے کر یہاں آ جاؤ۔“ اماں نے کہا تو قیر صاحب مسکرائے۔

”اماں جان کیا اس کو ہاں سمجھوں؟“ تو قیر صاحب کا دل بلیوں اچھلا۔ اماں جان نے ڈپٹا۔

”تھوڑے کو کم جاننا سیکھو میاں! فی الحال جتنا کہہ رہے ہیں وہ کرؤ اس سے آگے کی مت سوچو۔“ اماں جان نے کہا تو تو قیر صاحب نے دوسری طرف سر ہلا دیا۔

”تفکرات اماں جان! ہم آپ کے مزاج سے خوب واقف ہیں۔ ٹھیک ہے ہم آ جاتے ہیں آپ کے حضور حاضری دینے آ گئے۔ آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔“ تو قیر میاں نے کہا تو اماں جان نے اطمینان سے ریوڑ ملا زہ کو کچڑا دیا جسے ملا زہ نے ٹبل پر رکھے فون پر ٹکا دیا تھا۔

”اماں جان حقاً زادہ کر لاؤں کیا؟“ ملا زہ نے دریافت کیا اماں نے مسکراتے ہوئے گردن اثبات میں ہلا دی۔



”کیسے والد ہیں آپ؟“ بی بی کا ساتھ نہیں دے رہے؟ بی بی مشکل میں ہے اور آپ کو اپنی اماں جان سے محبت کا بخار چڑھا ہے۔ جنت کی فکر کر رہے ہیں آپ کی بی بی اولاد کی فکر کیا کوئی باہر سے آ کر کرے گا؟“ سخاوت بیگم نے مریح سے بی بی کو چڑنا مدار کی خبر لی۔ خواجہ صاحب سر جھکا کر دستاویزات دیکھتے رہے۔ سخاوت بیگم غصے سے سال بلی ہوتی رہیں۔ ”اے کیسے کان لپیٹے ہیں آپ نے..... آپ سے بات کر رہی ہوں فاطمہ بی بی کے والد بھڑکے آپ ہی ہیں ناں؟“ سخاوت بیگم کا غصہ عروج پر تھا۔ خواجہ صاحب نے ایک لمحے کو سر اٹھا کر زود کو دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

”بیگم ہم نے اماں جان سے بات کی تھی۔ انہوں نے نرمی سے کہا۔

”فقط بات ہی کی تھی ناں کوئی حل تو نہیں نکالا ناں؟“ سخاوت بیگم نے گھر کا۔ خواجہ صاحب نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ تب سخاوت بیگم ان کے سامنے بیٹھ کر گہری سانس لیتے ہوئے بولیں۔

”خواجہ صاحب اگر میری صاحب زادی کے ساتھ کچھ غلط ہوا تو دیکھیے گا کیا نتائج نکلتے ہیں۔ خود پر تیل چھڑک کر آگ لگا لوں گی میں۔ اپنی اولاد کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گی۔ اس سے قتل مرنا گوارہ ہے۔“ سخاوت بیگم کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ خواجہ صاحب نے گہری سانس خارج کی اور زوجہ کی سمت دیکھا۔

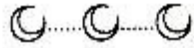
”بیگم یہ وقت جذبات سے کام لینے کا نہیں..... ہم اس معاملے پر سوچ بچار کر رہے ہیں، کوشش کر رہے ہیں کوئی مناسب حل ہاتھ لگ جائے۔ آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں ناں ہونے کے ناطے آپ کے جذبات گراں قدر ہیں مگر بیگم یہ وقت عقل و خرد سے کام لینے کا ہے۔“ خواجہ صاحب نے نرم کون انداز میں کہا۔

”اگرے اور کتنا سکون رہیں گے آپ؟“ آپ کو ماں سے محبت کی پرہی ہے ان کے احترام کی فکر ہے مگر بی بی کی کچھ فکر نہیں اس سے وہ آپ کے سامنے بیٹھی بن رہی ہیں اور گہری چال چل رہی ہیں۔ یہ تمام بھیل ان کی کار چایا ہوا ہے۔ ”سخاوت بیگم نے کھل کر الزام لگایا۔ خواجہ صاحب نے دستاویزات سنبھال کر ایک طرف رکھ دیئے۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا اماں جان نے فاطمہ کو ان نوجوان سے اس طور خلوت میں ملنے کا بھیل رکھا یا تھا؟ کیا یہ ان کا منصوبہ تھا؟“ خواجہ صاحب نے نرم سکون انداز میں پوچھا۔ سخاوت بیگم نے نرمی میں ہلایا۔ ”نہیں! نہیں ہوا خواجہ صاحب آپ کی اماں تو بے قصور ثابت ہو گئیں آپ کی آنکھوں پر تو بچی بندھی ہے کچھ دکھائی ہی کہاں دیتا ہے آپ کو؟ بے کار میں آپ سے بات کر ڈالی۔ دماغ میں خلل واقع ہوا ہے ہمارے۔ فراموش کر دیجیے۔“

سخاوت بیگم نے غصے سے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ خواجہ صاحب خاموشی سے ان کو دیکھ کر رہ گئے۔ بالائی منزل پر کھڑی اماں جان بہت دیر سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ ان کے کانوں نے سب سنا تھا مگر اس کے باوجود وہ بہت اطمینان سے مسکرا رہی تھیں۔

ختر نیک سے یہی غلطی ہوئی۔۔۔۔۔ اب دیکھتی ہوں کیسے بڑے خواب دیکھتی ہیں محترمہ اور کیسے سیاسی لیڈر بنتی ہیں۔ تاج بیگم نے زمانے کو پرہایا ہے، ایسی سیاست کو تو میں جنگلی سے مسل دوں، سنا ہیں ہول کر نہیں ہیں مگر پھر بھی اینٹ سے اینٹ بجا سکتی ہوں۔۔۔۔۔ تاج بیگم سکرامیں۔



نواب زادہ بہت افسردہ سے دکھائی دے رہے تھے جب جنت بی بی ان سے ملاقات کرتا تھا۔
 ”آپ کی معاملے میں اچھے دکھائی دیتے ہیں چھوٹے نواب کیا ہم جان سکتے ہیں کہ عدا کیا ہے؟“ جنت بی بی نے دریافت کیا۔ ان کا نرم لہجہ ہمدردی سے زیادہ غمناک تھا مگر نواب زادہ نے سرنگی میں ہلادیا۔
 ”معاذہ ایسا دیکھیں کہ آپ ہم سے اس متعلق کوئی بات کرنا نہیں چاہتے؟“ جنت بی بی نے ان کو جاننے کی کوشش کی۔ نواب زادہ نے سرنگی میں ہلادیا۔

”ہم پریشان نہیں ہیں جنت۔۔۔۔۔ آپ یہاں کسی خاص معاملے پر بات کرنے آئی تھیں، اچانک ملاقات کا خیال کیونکر آیا؟“ جنت اب حضور کے قریبی دوست کی بیٹی تھیں، سوان کو بچپن سے جانتی تھیں۔ ان کا آنا جانا اس گھر میں اپنے بچپن سے تھا۔ جنت نے جب نواب زادہ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بیرون ملک جا رہے تھے تب جنت بی بی نے بھی بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور انوار الحق چونکہ امرائیں شہر ہوتے تھے سوان کے لیے اس میں کوئی دقت نہ تھی کہ وہ بیٹی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کو رد کر دیتے۔ سوانہوں نے قانون کی اعلیٰ تعلیم انگلستان میں حاصل کی اور چھوٹے نواب کی ہمراہی میں کی تھی اور ہندوستان واپس لوٹ کر مسلم لیگ میں شمولیت بھی انہی کی تقلید میں کی تھی۔ ان کے درمیان جو تعلق تھا بی بی ان کوئی نام نہ نہ رکھتا تھا مگر یہ بات واضح تھی کہ وہ تعلق خاص حوالہ رکھتا تھا اور نواب صاحب کے قریبی دوست بھی ان دونوں بچوں کے درمیان رشتہ جوڑنے کی خواہش کا اظہار کئی بار کر چکے تھے۔

”نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں“ نہیں جانے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کچھ الجھن کا شکار ہیں اگرچہ کچھ دنوں سے آپ سے ملنا بھی ممکن نہیں ہوا مگر ہم اس دوران شب بیداری کا شکار رہے۔“ جنت بی بی بولیں تو نواب زادہ وقار الحق مسکرا دیے۔

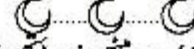
”محترمہ یہ کیا بات کہہ دی آپ نے ہماری الجھنوں کا آپ کی شب بیداری سے کیا تعلق۔ بائے دی دے کیا آپ کسی الجھن کا شکار رہی ہیں؟“ وقار نے پوچھا جنت نے مسکراتے ہوئے سر ہلادیا۔

”ایسا ضرور کی کہیں کہ ہم کسی الجھن کا شکار ہوں؟ ایسا بھی تو ممکن ہے کہ آپ کی الجھنوں کے باعث نیند ہماری آنکھوں سے دور بھاگ گئی ہو۔“ جنت نے مسکراتے ہوئے کہا وقار نے ان کی سمت دیکھا اور مسکرا دیے۔

”ذہین و شیرازہ محبت ہونا بھی باعث نقصان بن سکتا ہے کئی راز ان کے ہاتھ لگ سکتے ہیں۔“ وقار مسکراتے جنت نگاہ جھکا کر ان کے چہرے پر حیا کے رنگ واضح دکھائی دے رہے تھے وقار ان کے چہرے کو بغور دیکھنے لگے پھر آہستگی سے بولے۔

”ہم نے غور نہیں کیا جنت آپ کی دراز چٹوں کا قص آپ کے رخساروں پر بہت بھلا لگتا ہے شاید ہم اس عمل کو دیکھنے کے لیے ایک عزم قائم کر سکتے ہیں۔“ بچ پوچھے تو اس سے کل ہم نے بھی غور ہی نہیں کیا کہ آپ کی مسکراہٹ کیسی دلکشی رکھتی ہے یا آپ کی ہلکوں کی یہ لرزش اپنے اندر کیا سرار رکھتی ہے۔“ وقار مدھم لہجے میں گویا ہوئے اور جنت جھینپ کر نگاہ پھیر گئیں پھر قدرے توقف سے گویا ہوئیں۔

”کیا آپ اپنے الجھنوں کے باعث پریشان ہیں؟ اباماں جان سے تذکرہ کر رہے تھے کہ کوئی نکاح کا معاملہ زیر غور



اماں جان کا رویہ سخاوت بیگم کی سمجھ سے بالاتر تھا وہ بظاہر مٹھنی بنی ہوئی تھیں، کوئی مخالفت براہ راست مول لیتے ہوئے بھی وہ عداوت رکھنے میں اپنا نمائی نہیں رکھتی تھیں۔ ابھی بھی وہ جو کر رہی تھیں سو کر رہی تھیں مگر وہ خود کو خیر خواہ جتاری تھیں۔ ”مرض کے لیے بھی کڑی دوا کھانا پڑتی ہے سخاوت بیگم کو خصوصاً فاطمہ بی بی کی پڑھائی کے خلاف نہیں، تم سب نے دیکھا کہ چھوٹے نواب جوں کے توں پڑھانے آرہے ہیں اور فاطمہ بی بی کی پڑھائی میں کوئی غفل واقع نہیں ہوا۔ فاطمہ اس گھر کی بیٹی ہے ہم بھی چاہتے ہیں کہ وہ کسی قابل نہیں آؤ کوئی مہاتوا کسی خاندان کا روشن ہوگا ناں مگر کیا کریں کہ جو بھی دانش کی یا دانش کی میں ہوا وہ خاندان کی عزت کو کسی میں لانے کی لیے کافی ہے چلو مان بیا، فاطمہ بی بی کی پاک دانشی پر اعتبار کر بھی لیں مگر کس کس کا منہ بند کریں گے، کس کس کو یقین دلائیں گے کہ فاطمہ بے قصور ہے؟ سو بہتر یہی ہے کہ جو ہو رہا ہے اسے ہو جانے دیں۔ اگر عزت سے معاملہ نہٹ سکتا ہے تو اس سے اچھی بات ہو نہیں سکتی۔“ اماں جان نے سمجھایا تو سخاوت کا خون اگلنے لگا۔

”اماں جان فاطمہ کم سن ہیں ان پر ایسے الزامات لگانا اور ان کی حرمت پر شک کرنا غرماک اقدام ہے ہمیں اپنی بیٹی پر بھروسہ ہے اور اس سے بال برابر فرق نہیں پڑتا کہ دنیا کیا کہتی ہے۔ بھائی میں جائے ایسا نہ۔۔۔۔۔ میں لگ رہے ہوں اپنی صاحب زادگی کی زمانے کو آگ میں جھونکنا ہے کیا؟ فاطمہ کا دامن پاک تھا اور رہے گا۔۔۔۔۔ ان کی تربیت ہم نے کی ہے وہ ایسا کوئی گرا ہوا کام نہیں کر سکتیں۔۔۔۔۔ کسی سے ملاقات کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ خلوت میں وہی ہوا جس کی قیاس آرائیاں کی جارہی ہیں۔“ سخاوت بیگم پر دم دکھائی دیں۔ تاج بیگم نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں مزید بولنے سے باز رکھا۔

”وہی جو سخاوت بی بی کی مٹی ڈالو جو ہوا سو ہوا۔۔۔۔۔ اب بولنے کا کوئی منہ بند کر سکتا ہے کیا؟ سیانے کہہ گئے ہیں مارتے کا ہاتھ روکا جا سکتا ہے بولنے کی زبان نہیں پکڑی جاسکتی۔ بس کس کس کا منہ بند کریں گی آپ؟ خلوت جلوت کی بات جانے دیں ایسے معاملات زیر بحث آنے سے فاطمہ بے پروا ثابت نہیں ہو جائیں گی۔ ہر سے قدم نکالنا ان کی غلطی بہر حال تھی اور اب جن لوگوں نے انہیں کسی سے ملاقات کرتے دیکھا وہ تو منہ جوڑ کر باتیں کریں گے ناں اب کوئی کسی کے دل میں گھس کر تھوڑا نہ بیٹھا ہوا ہے کہ نیت کی خبر ہو جائے تو ایسا ہی ہے بھیا۔۔۔۔۔ وقار حق کے دندانے ایک طرف ہوتے ہیں اور دنیا کے دونوں طرف۔۔۔۔۔ عزت چلی جائے تو واپس نہیں آتی۔ اپنی پارسائی ثابت کرنے کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے کہ نہ کہ آپ ایسی وضاحتوں سے بے قصور ثابت نہیں کر سکتیں کیونکہ ہر دماغ کے سوچنے کا ڈھنگ اپنا ہے خیر بحث طویل ہو جائے گی سیدھی بات یہ ہے کہ جو ہوا سو ہوا اب اس واقعے سے کچھ باہر نہیں نکلے گا فاطمہ بی بی کی بے گناہی ثابت نہ ہوں جو بوجھکا ہے اس کا ازالہ کچھ نہیں بہتر یہی ہوگا کہ جو رشتہ مل رہا ہے نکاح کرو یا جائے۔“ اماں جان دور کی کوڑی لڑاں جیسے سخاوت بیگم ان کو دیکھ رہی تھیں وہ اماں جان سے الجھنا نہیں چاہتی تھیں مگر اپنی رشتہ کا معاملہ سمجھنا بھی نہیں کی تھیں۔ اماں جان نے بہت مہارت سے حال ہیچ یا تھا جان بوجھ کر ایسی صورت حال پیدا کی تھی کہ رشتہ کرتے ہی بنے۔ دوسرے محفل میں اماں جان کھل کر اپنی پوتی سے مخالفت کرتی دکھائی دے رہی تھیں مگر دوسری طرف ہمدردی بھی جتاری تھیں۔ یہ گھریلو سیاست تھی اور ایسی سیاست کے لیے کسی درس گاہ کی سند کی ضرورت نہیں پڑتی، گھریلو عورتیں جو سیاست کرتی ہیں وہ کامیاب چلانے والے دماغ بھی نہیں کر سکتے۔ سخاوت بیگم ساس کا مزاج جانتی تھیں سوچنے سے منہ لپیٹ کر اٹھ گئیں۔ اماں جان مسکراتے ہوئے حق کے کش لینے لگی تھیں۔

”تاج بیگم سے کوئی نہیں ٹکرا سکتا سخاوت بی بی سیانے کہہ گئے ہیں سمندر میں رہ کر مگر چھ سے بیڑ نہیں لیتے اور تمہاری

ان کی پیشانی کی رگمیں تن گئیں۔ وہ جیسے شدید ذہنی کشمکش کا شکار دکھائی دیئے تھے۔

”کیا ہوا قدار الحق..... کیا واقعی ایسا ہے کہ چچا جان دوسرا نکاح کرنے کے خواہش مند ہیں؟“ حسرت نے کہا اور وقار الحق نے ان کی طرف سے چہرہ پھیر لیا تھا۔

”معذرت چاہتے ہیں، ہم کل ہونے پر حال ہم مسلم لیگ کے ایک جلسے کے متعلق بات کرنے آئے تھے اگر آپ کے پاس وقت ہو تو دفتر کوئی کر کے معاملات غصے کر بیٹھ جائے گا۔“ جنت کہہ کر عمر عت سے وہاں سے نکل گئیں۔ وقت اتنی الجھن میں تھے کہ انہوں نے پلٹ کر جنت بی بی کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ شدید حیرت میں مبتلا تھے کہ کیا حضورؐ نے اگر کوئی فیصلہ لے لیا ہے تو اس کی خبر ان کو کیوں نہیں ہونے دی۔



فاطمہ کے ہاتھ پکپکا رہے تھے مگر وہ جیسے ہمت نہیں ہارا چاہتی تھیں تو خود کو سنہالی کھڑی تھیں سو ہمت کر کے قدم کھٹے دروازے کے اندر رکھ دیئے تھے۔ داؤی جان نے گردن اٹھا کر دیکھا اور فاطمہ بی بی کو سامنے کھڑا دیکھ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

”بھولے کی یاد کا ہے..... پڑھائی کے معاملے کو لے کر کوئی مشکل آن نہی ہے؟ ہم آپ کے استاد کے کان میں نہیں گئے یا سر سے استاد ہی بدل دیں گے۔ تاج بیگم کی بات چلتی ہے، کیسے ممکن ہے کہ ہم کسی سے آپ کو پڑھانے کی درخواست کریں اور وہ انکار کرے؟“ وہ مسکرائیں۔ غلطی سمجھ کر تاج بیگم نے غوراً ان کو سر تپا دیکھا۔

خاندانی عظمت و وقار کی آرزو میں جذبات کو مجبور کر کے داستان

خاص موضوع اور خاص وقت میں جنم لینے والی ناقابل فراموش داستان

ماہنامہ قریشی شمس سے کچی دہش و دل موہ لینے والی تحریر

بہت جلد آنکھیں مل کے صفحات پر جلوہ افروز ہونے والا ناول

”معدرت چاہتے ہیں داوی جان! ہم خاندان کے وقار کے منافی کچھ روائیس رکھ سکتے، ہم سے ایک غلطی ضرور ہوئی ہے مگر ہم سنبھل گئے ہیں۔ ہم درخواست کرتے ہیں آپ اس معاملے کو رفع دفع کر دیجیے۔ ہم پڑھائی کے اس عمل کو متروک کرنے کو تیار ہیں، ہم مخالفت کے اس عمل کو مزید نہیں جمیل سکتے۔ ہم اب جان کی نگاہ میں مجرم بن رہے ہیں۔ ہم تھک گئے ہیں اور ہمت نہیں آپ سے معافی کی درخواست کرتے ہیں ہم دوبارہ اس پڑھائی کے متعلق سوچیں گے بھی نہیں۔ وعدہ کرتے ہیں مگر برائے گرم آپ ان معاملات کو نہیں روک دیجیے۔“ فاطمہ کی آنکھیں لبریز تھیں آنسو چپ چاپ بہہ رہے تھے۔ تاج بیگم ان کی سمت بغور دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔

”یہ کیا الزام تراشیاں ہیں فاطمہ؟ ہم آپ کی داوی جان ہیں ہم آپ کی مخالفت کریں گے آپ ایسا سوچ بھی کیونکر سکتی ہیں..... بلکہ ہم وہ واحد فرد ہیں جو آپ کی حمایت میں کھڑے دکھائی دے رہے ہیں بھلا ہم آپ کی پڑھائی کا سلسلہ کیونکر روکنا چاہیں گے؟ کیا چھوٹے نواب کو ہم نے اجازت نہیں دی کہ وہ آپ کو پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھیں؟ اگر ہمارے دل میں کوئی بات ہوئی تو ہم اس پڑھائی کے سلسلے کو روکا دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں ہونے دیا آپ ہماری نیت پر شک کر رہی ہیں اور ایسا بے باعث حیرت ہے فاطمہ بی بی! داوی جان نے شکوہ کرنا کہ فاطمہ بی بی میرے کچھ کہہ نہیں پائیں وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے کھڑی رہیں پھر آگے بڑھ کر تاج بیگم کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیتے۔ سرور برف سے فخر ہاتھ دینے لگتا جیسے اس کی اسٹینڈرٹ بھی کہ فاطمہ اس قدر ثناء و محبت حاصل کر چکی ہیں وہ حیرت کے فاطمہ کو کبھی نہیں رہیں عمران کی آنکھوں میں سرشاری کی کیفیت بہت واضح دکھائی دے رہی تھی۔ سخاوت بیگم جو وہاں سے گزر رہی تھیں ایک دم دروازے کے اندر جھانک تو ٹھٹھکی گئیں۔ فاطمہ بی بی داوی جان کے قدموں پر سر رکھ کر زار و قطار رو رہی تھیں۔

”ہمیں معاف کر دیجیے داوی جان۔ ہم شرمندہ ہیں بہت تھک گئے ہیں نوٹ گئے ہیں بہت بڑی گستاخی کر ڈالی ہم نے، ہم فراموش کر گئے تھے کہ خواب ہماری زندگی کا حصہ نہیں، ہمیں معاف کر دیجیے۔“ فاطمہ بے ہمت دکھائی دے رہی تھیں۔ تاج بیگم جو سروس فاطمہ کی طرف دیکھ رہی تھیں ایک دم ان کی نگاہ وائیز پر کھڑی شدید حیرت میں مبتلا سخاوت بیگم پر بڑی اور انہوں نے فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور نرمی سے لگایا ہوئی تھیں۔

”جھلی ہوئی ہے کیا عقل کھاس پڑنے لگی ہے؟ ہمارے خاندان کی بیچیاں ایسے پاؤں نہیں پکڑیں اور معافی کس بات کی؟ جیسا کہ قصور واری نہیں، جانے کیسے کوشش کر کے انکھوں میں کیلا لٹاؤں کہ اس کا سہا بوسہ ملے اور جھکا کر انہوں نے فاطمہ پر ہوا اٹھایا، جھلی ہوئی سخاوت بیگم کے بڑھاپے میں اور ماں جان کو کمر لگاتے ہوئے تھا۔

”اماں جان کیسے دل سے آپ کا..... کسی ماں ہیں آپ؟ ایک بیٹی کو اس درجہ تکلیف دینے کا کیا وصف ہے؟ کچھ اللہ کا خوف کیجیے۔“ سخاوت بیگم نے آگے بڑھ کر بیٹی کو اٹھا کر کھڑا کیا اور چشمکیں نظروں سے تاج بیگم کو دیکھا فاطمہ نے بے ہمت سا وجود ماں کے کاندھے پر ڈال دیا۔

”اماں جان اللہ کی لاشی بے آواز ہے ایسا غور ٹھیک نہیں آپ فرعون بن رہی ہیں ایک بیٹی کی زندگی کی ذمہ داری غلطی سے آپ کے ہاتھ آگئی تو آپ سب رو رکھنے کی حق دار نہیں..... کچھ خیال کیجیے اس قیام عارضی ہے آخرت کی فکر کیجیے کیامت دکھائیں گی اپنے رب کو..... وہاں باز پرس ہوئی تو آپ کو کوئی بچائیں سکے گا۔“ سخاوت بیگم نے کہہ کر بیٹی کو سہارا دیتے ہوئے آگے بڑھایا اور فاطمہ کو لے کر کمرے سے نکل گئیں۔ تاج بیگم لب بلب پیچھے سخاوت بیگم کو دیکھتی رہی تھیں۔



وقار اندر داخل ہوئے اور زمان الحق کو دیکھا۔ دوسرے جھکائے انہماک سے کتاب پڑھ رہے تھے۔ وقار کو براہ راست کچھ

آخری ایک دیکھ

نزدہت حسین ضیاء

میں دیکھنے سے کیا سبب یہ عید نہ گزرے
گر پیدا کوئی سبب یہ عید نہ گزرے
دنیا کو دکھایا ہے اک چاند جو تو نے
مجھ کو بھی دکھا دے اب یہ عید نہ گزرے



دریافت کرنا مناسب نہ لگے۔ تبھی وہ خاموشی سے رک کر ان کی جانب دیکھنے لگے۔ نواب صاحب بیٹے کی آمد سے واقف ہوئے اور ان کی جانب متوجہ ہوئے بناوے۔

”کیسے صاحب ذرا بے خبریت سے تشریف لائے ہیں؟“ وقار جو نئے مگر فوری طور پر کچھ کہے بنا قدم گئے بڑھائے اور نواب صاحب کے سامنے آن رکے۔

”ایسا حضور ہم اجلاس کے سلسلے میں کھنڈ جانا چاہ رہے تھے۔“ انہوں نے اصل مد سے پر بات کیے تاکہ سرسری معاملہ ان کے سامنے نہ رکھا۔

”کب جاتا ہے آپ کو؟“ نواب صاحب نے دریافت کیا۔ بیٹے کے چہرے پر کئی الجھنوں کا کار دکھائی دیتے تھے مگر انہوں نے براہ راست پوچھنا ضروری نہیں خیال کیا۔

”ابا جان! اگلے ہفتے جانا متوقع ہے۔ بہر حال جانے سے پہلے آپ کو مطلع کروں گے۔“ وقار الحق نے کہا تو نواب صاحب نے سر ہلایا شاید وہ خطرہ تھے کہ وقار مزید بات کریں گے مگر وہ طے مئے۔

”کیسے نواب صاحب آج ایسے یاد کر لیا؟“ داؤ کی جان نے نواب صاحب کو اپنے سامنے دیکھ کر دریافت کیا نواب صاحب دو دو ک بات کرنے کے عادی تھے سو گئی لپٹی رکھے بنا کہا۔

”ہم نے فیصلہ کر لیا ہے اماں جان! اسی باعث آپ کے حضور حاضر ہوئے ہیں۔ دراصل فیصلہ مشکل تو نہیں تھا مگر چونکہ آپ سے ہماری زندگی پوشیدہ نہیں سواپ سمجھ سکتی ہیں کہ ہم نے کس باعث وقت لیا۔“ وہ عجیب ایک ٹھہراؤ اپنے لہجے میں رکھتے تھے۔ تاج بیگم مسکرا دیں۔

”کھل کر بات کیجیے نواب صاحب آپ تو دلیر انسان ہیں آپ سے ایسی گلی لپٹی کی امید کوئی نہیں رکھتا یہاں۔“ تاج بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ نواب صاحب نے سر ہلایا کچھ دیر خاموش رہے پھر گویا ہوئے۔

”ہم قاطعہ بی بی سے نکاح پر راضی ہیں آپ کی یہ شرط بھی قبول ہے اماں جان۔۔۔۔۔ اب مزید حکم کیجیے۔“ اماں جان ہنس دیں۔

”کیا بات کرتے ہو میاں! ابھی شرائط رکھی ہی کہاں ہیں! کبھی تمہارا حس مزاج بے سمت گھوڑے کی طرح دوڑتا دکھائی دیتا ہے خیر۔۔۔۔۔“ تاج بیگم نے بات غیر منطقی انداز میں ختم کی نواب صاحب نے لب بچھ کر ان کو دکھا۔

”نواب کیا کہتی ہیں آپ اماں جان! شرائط کی بات ایک طرف رکھ دیجئے ہر طرح کی شرائط ماننے کو تیار ہیں ہم۔۔۔۔۔ اس معاملے میں کوئی دورائے نہیں۔“ نواب صاحب نے یقین دلایا۔ اماں جان مسکرا دیں۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)



عید الفطر کا جائز نظر آ گیا تھا۔ ہر طرف شور کے ساتھ گھبراہٹ اور چہل چلن میں تیزی آ گئی تھی۔ بازاروں میں بلا کی رونق تھی۔ دکان داروں کی چاندنی ہی چاندنی تھی۔ منہ مانگی قیمتوں پر لوگ خریداری کر رہے تھے۔ کسی ہاؤس نامی دو سو گز کے ڈبل اسٹوری گھر میں عید کی روایتیں عروج پر تھیں۔ بڑھ چڑھ کر عید کی آمد کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ کیوں نہ ہو عید کے دوسرے دن کسی ہاؤس کی رہائشی شمس الدین کی بیٹی ارشد کی شادی تھی۔ عید کی شام ارشد کی رہائشی گھر میں ارشد کی چھٹی بہن ارشد کی تیاری خاص الخاص تھی۔ جب کہ ارشد کی والدہ غوثیہ بیگم بھی بیٹی کی شادی کو لے کر خاصی پریشان اور غم مند تھیں۔ گھر کی چھٹی شادی اور وہ بھی جس طرح سے یہ شادی ہو رہی تھی۔ یہ غوثیہ بیگم کے لیے بھی تکلیف دہ تھا۔ شمس الدین مطمئن تھے ان کو اپنے فیصلے پر کوئی دکھ اور نہ ہی وہ کسی قسم کے وہموں اور اندیشوں کا شکار تھے اس بات سے بے خبر بھی نہ تھے کہ ان کا یہ فیصلہ ان کی بیٹی کے لیے کتنا تکلیف دہ ہے مگر..... ان کا فیصلہ اس اور جتنی ہی ہوتا تھا۔ جس میں ترسیم اسوج بھاری کوئی گنجائش نہ ہوتی۔

”آپا..... ارشد نے کمرے کے دروازے پر رک کر آواز لگائی۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ پول اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو؟ باہر آؤ امی بار رہی ہیں۔“ ارشد نے کمرے کی لائٹ جلاتے ہوئے کہا۔ ارشد نے سر اٹھا کر ارشد کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی واضح تھی اور چہرے پر کرب بھی نمایاں تھا۔

”آپا پلیز..... کم از کم اب یہ سب بند کرو۔ اللہ کے لیے کیوں ناخن روگ لگائے بیٹھی ہو..... ایسے بے عقل شخص کے لیے جو شاید موقع کی تلاش میں تھا تم سے بچھڑا جانے کے لیے اتنا بڑا ڈرامہ رچا دیا۔ اتنی بڑی چال چلی اور خاموشی سے تمہاری دنیا سے نکل گیا۔“

”ارشد تم بھی ایسی باتیں کرو گی تمہارے اندر بھی ایسی منفی سوچ لپکتی ہے۔ تم بھی انہی بے کار مغرضوں پر یقین کرنے لگی جو عین مفروضے ہیں من گھڑت اور جھوٹی کہانیاں ہیں۔ مجھے سلی دینے اور خود کو سارے زمانے کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ڈرامہ وہ نہیں ارشد..... ذمہ تو یہ ہے..... کہانیاں تو یہاں بن رہی ہیں میرے گھر میں..... میں جانتی ہوں ارشد کہ شریز بیٹھے بیٹھے بھول سکتا وہ مجھ سے بچا کرتا ہے۔“

اپنی جان سے زیادہ مجھے چاہتا ہے وہ مجھ سے بے وفائی کرے گا یہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی۔ پلیز ارشد! بابا سے کہہ دو کچھ دن اور انتظار کر لیں۔ تمہارا اس وقت حضور اس موقع اور دے دیں میری بہن..... بابا سے کہہ دو تاں..... مجھ پر رحم کریں۔“ ارشد ارشد کا ہاتھ تمام کمریش کرنے لگی۔

”آپا..... بچوں جیسی باتیں مت کرو خود کو اور ہم سب کو آزمائش میں مت ڈالو۔ جو حقیقت ہے اس کو قبول کر لو اور پول خود کو اتنا کمزور مت کرو کہ میں بھی کمزور پڑ جاؤں۔“ ارشد اس کی حالت دیکھ کر تڑپ گئی اور اس کے کانڈھے تمام کمر جذبات سے لبریز لکھ میں کہا۔ ارشد بے بسی سے ہونٹ کاٹ کر رو رہی اور تمام تر ہمتیں جمع کر کے خود کو آنے والے حالات کے لیے تیار کرنے لگی۔

شمس الدین اور عارفہ بہن بھائی تھے شمس الدین بڑے اور عارفہ چھوٹی تھیں۔ والدین حیات نہیں تھے۔ شمس الدین نے بہن کو بالآخر ہالاکا دکھایا اور اس کی شادی کر دی۔ مالی لحاظ سے مستحکم نہ تھے مگر غریب بھی نہ تھے۔ عارفہ کے شوہر مصفاحت ایک مہنتی میں جاب کرتے تھے۔ چھوٹا سا ڈبلی مکان اور ایک عدد بوندہ ماں ان کی کل کماکت تھی۔ شریف اور نیک تھے۔ شمس الدین بھی سرکاری ملازم تھے۔ بہن کی شادی سے فارغ ہو کر انہوں نے بھی عارفہ کے سسرال میں ہی غوثیہ بیگم کو پسند کر لیا۔ غوثیہ بیگم کی فیملی بھی سفید پوش تھی۔ اس لیے دونوں جانب سے سادگی سے شادی کی رسم تو ادا کر دی گئیں اور شادی ہوئی۔ غوثیہ بیگم نے گھر اور شمس الدین کا بہت خیال رکھا۔ اللہ پاک نے دو بیٹیاں ارشد اور ارشد اور ایک بیٹا رووف دے کر ان کی گھرات بھی مکمل کر دیا۔

اگر عارفہ کے ہاں وہ بیٹے شریز اور طالب تھے۔ شریز بڑا اور طالب چھوٹا تھا۔ عارفہ کا سسرال بھی گھر کے قریب ہی تھا۔ اس لیے آنا جانا بھی آگے رہتا۔ ارشد اور ارشد نے آگے کچھ بھی تو اپنے ارد گرد ماں باپ کے علاوہ پھوپھو اور بھوپھو کے دونوں بیٹوں کو بھی دیکھا۔ ساتھ کھینچے کو تے بیچ بڑے ہوئے۔ غوثیہ بیگم اور عارفہ میں بھی رفاقتی تہ بندھان والی کوئی منفی بات قدرتی طور آپس میں بہت پیار و محبت سے رہیں۔ شریز ایم کام کر رہا تھا۔ طالب لی ایس سی الاسٹ ایئر میں تھا۔ ارشد نے بھی ان کا مکمل انتخاب کیا تھا اور وہ انٹر میں بھی ارشد میٹرک میں اور رووف آنٹھویرن کلاس میں۔ شمس الدین بچوں کی پڑھائی کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ اسی وجہ سے بچے دل لگا کر پڑھتے اور ہر کلاس میں

نمایاں پوزیشن لے کرتے۔ یونہی ہنستے کھینچتے لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کی سنگت میں بچے بڑے ہو گئے اور کب ایک دوسرے کے لیے دلوں میں کب اور کیسے نرم اور کوئل جذبات پروش پانے لگے شاید اس بات کا اور اک ہوتا بھی نہیں کہ جب ارشد کو کسی شادی کی تقریب میں خاتون نے اپنے بیٹے کے لیے پسند کر لیا اور جب غوثیہ بیگم سے اس سلسلے میں بات کی تو حسب عادت غوثیہ بیگم نے سب سے پہلے عارفہ کو یہ خبر دی۔ ایک ماں ہونے کے معاملے اس بات کو کن کران کے ہاتھ چیر پھولنے لگے۔ تب انہیں احساس ہوا کہ بیٹی بڑی ہو گئی ہے۔ آنگن میں کتنی چڑیوں کی مانند اچھلتی کودتی اور لڑتی ہوئی بیٹیاں کب بڑی ہو جاتی ہیں۔ بیٹی نہیں بچتا۔ اچانک جب کوئی رشتہ آتا ہے تب ماں کو احساس ہوتا ہے کہ ان کی کتنی کتنی چیزیں بڑی ہو گئی ہیں اور اب وقت گیا ہے کہ ان کو رخصت کر دیں۔ یہی حال غوثیہ بیگم کا بھی تھا۔ جب خاتون نے کسی کے ذریعے غوثیہ بیگم کا سہیل نمبر لے کر ان کو ارشد کے حوالے سے کہا کہ میں اپنے بیٹے کے ہونٹے کے سلسلے میں آپ کے گھر آنا چاہتی ہوں تو غوثیہ بیگم زبر پڑا گئیں۔

شام کا وقت تھا۔ آج کل شریز کے ایگزامز ہو رہے تھے۔ وہ حسب معمول مہین میں بیٹھ کر پڑھائی کر رہا تھا۔ اس نے اپنی جاب کی بھی بات کر رکھی تھی۔ ایگزام کے فوراً بعد اس کی جاب بھی لگنے کی امید تھی۔ مصفاحت صاحب بھی اس وقت آفس سے آئے تھے۔ طالب بھی پاس بیٹھا اسٹڈی کر رہا تھا۔ عارفہ جائے لے گئیں۔ بیچ جانے پہنچنے کے ساتھ بڑھ رہے تھے اور میاں بیوی آپس میں باتیں کرتے۔ گھر جب ہی عارفہ کا سوا ہاں بنتے لگا۔ سکرین پر حال دکھا دیکھ کر کال پر سیو کی۔

”اسلام علیکم بھائی..... اے دلو اچھی بات ہے۔ بیٹی جی میں ضرور آؤں گی۔ مہرے بھی آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ اتنی فکر کرنے والی کون کی بات ہے۔ بیٹیاں ہیں تو یہ تو ہونا نا۔“ چائیں میں رات کو مصفاحت کے ساتھ پھر کال کر لیں گی۔ آپ بیٹنس صحت میں جی ائمنا۔ سب ٹھیک ہیں۔ جی جی مصفاحت..... عارفہ کی بات پر سب لوگ ان کی طرف متوجہ تھے۔ بات سمجھنے لگی تھی۔

”کیا ہوا..... خیریت تو ہے کیوں پریشان ہیں غوثیہ بھائی؟“ مصفاحت صاحب نے کال بند ہونے کے بعد عارفہ سے پوچھا تو عارفہ نے زور سے قہقہہ لگا دیا۔

”عجب ہیں بھائی بھی بھلا اس میں پریشان ہونے کی کیا

بات ہے؟“

”مہرے بھی ہوا کیا؟“ مصفاحت صاحب نے کہا تو عارفہ بیگم نے ہنستے ہوئے بتایا۔

”بھائی بیٹوں کو لے کر کسی شادی میں گئی تھیں وہاں پر کسی خاتون نے ہماری ارشد کو اپنے بیٹے کے لیے پسند کر لیا ہے اور وہ ارشد کا پوزل لے کر کہہ آنا جا رہی ہیں اور ہماری بھائی صاحبہ پریشان ہو رہی ہیں۔“ عارفہ کی بات سہم ہوئی تو شریز پڑھتے ہوئے بری طرح چونکا۔ اس خبر سے نہ جانے کیوں اسے کوئی خوش نہیں ہوئی تھی بلکہ عجیب سی فیلنگ تھی۔ اس نے سر جھٹک کر دوبارہ دھیان پڑھائی کی طرف لگانے کی کوشش کی۔

”اچھی بیٹیاں ہیں۔ بھلا انک اور دیگر مہادی طاہر ہے آج کل شرافت اور سادگی کا فقدان ہے تو خاندانی لوگ پہلے دیکھتے ہیں۔ اللہ پاک سب اچھا کرے اور بچوں کے نصیب اچھے کرے۔ رات کو چلتے ہیں آپ کی بھانجی کے یہاں۔“ مصفاحت صاحب نے پہلے دعا یہ الفاظ کہے پھر مسکراتے ہوئے عارفہ کی جانب جھٹک کر پولتو عارفہ پر ہلکا کر دیا۔

”کیا ہوا بھائی خیریت تو ہے؟“ طالب جو خاموشی سے شریز کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ آخر پوچھ بیٹھا۔

”کچھ نہیں یار۔“ شریز نے گڑبڑا کر کہا اور دھیان پڑھائی پر لگانے کی تا کام کو کش کرنے لگا۔ لیکن دل پر جیسے کوئی بوجھان پڑا تھا۔

مغرب کی آذان ہوئی تو مصفاحت صاحب نماز پڑھنے کے لیے مسجد روانہ ہو گئے۔ شریز اور طالب نے بھی کتابیں سیٹ لیں اور عارفہ بھی نماز کی لوائیں کے لیے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ نماز مغرب سے فارغ ہو کر عارفہ بیگم بچن کی طرف آئیں تاکہ رات کے کھانے کی تیاری کر سکیں۔ آنا تسلے میں نکال کر گوندھے لگیں۔ تب ہی شریز آ گیا۔

”تمہیں جانے کی طلب ہو رہی ہو گی؟“ غیر متوقع شریز کو بچن میں دیکھ کر عارفہ نے آگوندھے ہوئے سسرال شریز کی طرف دیکھا۔

”نہیں میں ایسے ہی آ گیا تھا۔ دیکھوں تو لیں کیا کر رہی ہیں۔“ وہ مسکرایا۔

”اچھا.....“ عارفہ بھی مسکرائیں۔

”سائن تو کیا ہوا ہے روٹیاں کھالوں تاکہ جلدی کھانے سے فارغ ہو کر پھر بھائی جان کے گھر چلا گئیں۔ میں اور تمہارا سہلا

جی۔ عاقلہ نے آگوندہ کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔
 ”دیکھو دراصل کی بی بات لگتی ہے جب ارش پیدا ہوئی تھی
 اور آج۔۔۔ ماشاء اللہ اس کے لیے پرنسپل آنا شروع ہو گئے جج
 بے بیٹیاں کتنی جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔ بس اللہ پاک بچیوں
 کے نصیب اچھے کرے وہ جہاں رہیں شاد آباد خوش و خرم
 رہیں۔ آمین شہزادین۔“ بات ختم کر کے عاقلہ نے سر اٹھایا تو
 شمریز کو گہری سوچ میں پلایا۔
 ”کیا ہو شمریز؟“ انہوں نے پوچھا۔
 ”ای جی ایک بات کہوں۔“ اس نے پوچھا اس کے چہرے
 پر الجھن نمایاں تھی۔
 ”ہاں۔۔۔ ہاں کوئی بات ہے سب خیریت ہے ناں؟“
 عاقلہ جلد پریشان ہو جاتی تھیں۔
 ”جی ای جی سب خیریت ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ۔۔۔
 کیا ابھی ارش کے پرنسپل کے حوالے سے ساموں مای تھوڑا
 دیر نہیں کر سکتے؟“
 ”مطلب؟“ عاقلہ نے ابھی نظروں سے بیٹے کی طرف
 دیکھا۔
 ”مطلب یہ ہے کہ وہ۔۔۔ وہ ابھی پڑھ رہی ہے۔ تو میرا
 خیال تھا کہ اسے ابھی اس چکر میں ڈالنے سے اس کا دھیان
 پڑھائی کی طرف سے ہٹ سکتا ہے اور۔۔۔“ عاقلہ نے بغور شمریز
 کے چہرے کی طرف دیکھا وہ مل تھیں۔ بیٹے کا الجھا دیر اور انداز
 ان سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔
 ”تو ابھی شادی تھوڑی ہو رہی ہے۔ ابھی تو یہ دیکھنا ہوگا
 کہ کیسے لوگ ہیں کون ہیں سمجھ میں آتے ہیں یا نہیں؟“ بیسیوں
 مسائل ہوتے ہیں ایسے تھوڑی کرشتا بار لے ہو گیا شادی
 کے حوالے سے بہت سوچ بچار اور دیکھ بھال سے کام لینا پڑتا
 ہے ابھی تو ابتدا ہے یہ دیکھو آگے کیا طے پاتا ہے۔“ عاقلہ نے نسلی
 بھرے انداز میں سمجھایا۔
 ”اچھا۔۔۔ شمریز نے سر ہلایا۔
 ”اگر۔۔۔ ایسی بات ہے تو۔۔۔ پھر۔۔۔ ارش کا پرنسپل
 ہمارے گھر سے بھی تو جا سکتا ہے۔“
 ”ہائیں۔۔۔“ عاقلہ نے آنکھیں پھاڑ کر شمریز کی طرف
 دیکھا۔ ”کیا مطلب؟“
 ”مطلب یہ ای جی کہ اگر میرا پرنسپل جائے تو۔۔۔ مجھے لگتا
 ہے ای جی میں۔۔۔ شاید۔۔۔ ارش کو پسند کرتا ہوں۔ ابھی تک تو

اس بات پر توجہ دیتی نہیں مگر۔۔۔ شاید۔۔۔ اس کی شادی کے حوالے
 سے خبر سن کر۔۔۔ مجھے اسی لیے اچھا نہیں لگا۔ صاف نظروں میں
 یہ کہ میں ارش سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور جانتا ہوں کہ ابھی اس
 قابل نہیں ہوں۔ مگر بقول آپ کے رشتہ طے ہو سکتا ہے تو
 رشتہ طے کر لیں اگر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔۔۔ شادی ان
 ماشاء اللہ وحم وحم سے اور اس وقت کر دیں گا کہ جب خود کو اس
 قابل کر لوں اور۔۔۔ آپ کی ہر لپٹائی کی ہماری شادی کے حوالے
 سے جتنی خواہشات ہیں وہ پوری پوری کر سکیں۔“
 ”نہوئے ہوئے۔۔۔ مطلب یہ کہ میرا بچہ بھی بڑا ہو گیا ہے
 میں تو بچی کے لیے سوچ رہی تھی اور یہ بچوں کی کسر اچھڑی تھی تو
 بڑا ہو گیا ہے وہ ابھی یہ بہت اچھی بات کی تم نے۔“ ذہبت
 کر دیا کوئی بڑے ہو گئے ہو۔“ شمریز کے منہ سے اتنے اچھے
 انداز میں اتنی بڑے بات اور موثر انداز نے عاقلہ کو واقعی امیر نہیں
 کر دیا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بیٹے کی بلائیں لیں۔ شمریز
 جھینپ گیا۔ واقعی اس طرف تو عاقلہ کا خود بھی دھیان نہیں گیا
 تھا۔ ان کو ویسے بھی بھائی بھادج اور اپنی جیتیاں عزیز تھیں۔
 طالب کی بات تو بچپن میں ہی فصاحت نے لے لے بھائی کے گھر
 طے کر چکی تھی لیکن۔۔۔ شمریز۔۔۔ شمریز تھا تو اور یہ تو اور ابھی بات
 تھی۔ رشتہ مزید مضبوط اور پائیدار ہو جاتا۔ میکے اور سرسہل سے
 ایک ایک لڑکی بہو بن جاتی۔ عاقلہ کے لیے یہ تو بڑی اچھی اور
 مثبت تعلقات کی نشانی تھی۔ تب بھی فصاحت صاحب اور
 طالب بھی آگئے۔
 ”اے بھئی خیر تو ہے آج ماشاء اللہ ماں بیٹے کا موڈ تو بہت
 خوشگوار لگ رہا ہے کیا کوئی لازمی نکل آئی ہے جو دونوں اپنے
 سرور نظر آ رہے ہیں۔“ فصاحت صاحب نے بیگم کے
 مسکراتے چہرے اور شمریز کے گلے ہوئے چہرے کی حرکت
 دیکھتے ہوئے سوال کیا اور وہیں اسٹول پر بیٹھ
 ”ہاں بھئی بات ہی پچھو ایسی ہے بیجے۔“
 پھر بتاتی ہوں۔“ عاقلہ نے فرنگ سے گلاب جان کی پلٹ نکالی
 اور ایک گلاب جاسن صبا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
 ”اے دادو۔۔۔ ماشاء اللہ جی ماشاء اللہ۔“ فصاحت صاحب
 نے گلاب جاسن منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔
 ”اے بھئی ای جی۔۔۔ سپنس نہ پھیلاؤں جلدی سے
 خوش خبری شیئر کریں۔“ طالب نے بھی پلٹ سے گلاب جاسن
 ہاتھ سے لے کر کہا۔

”فصاحت ایک بات تو نہ آپ کے ذہن میں آئی نہ میرے
 کہ کیوں نہ ارش کو ہم اپنی بہو بنائیں اور ابھی ابھی اس بات کا
 احساس آپ کے بیٹے نے دایا ہے مجھے۔ ارش کو ہم شمریز
 کے لیے ٹائٹ لیتے ہیں۔“
 ”اے دادو بھئی سچ میں۔ بات ہے گھر کا بچہ گھر
 کی بچی۔۔۔ ہمارا دھیان اس طرف گیا ہی نہیں۔“
 ”تو کیا ہوا بھائی۔۔۔ صبا کا دادو غور کرنا تھا ناں۔۔۔
 وہ تو شاید موقع کی تلاش میں تھے اور اب سچ وقت دیکھ کر انہوں
 نے حیرت پھینکا۔۔۔ بھائی افسس سے بڑے جالا لاک ہو تم۔ یہ بات
 مجھ سے بھی چھپا کر گھر کی ویسے سچ بچ بھاری بات میں دم ہے۔
 صبا کا جی بڑا کال۔“ طالب نے شرارت سے کہہ کر شمریز کو
 گلے لگا لیا شمریز ان سب کی باتوں پر صرف مسکراتا رہا۔ وہ ابھی
 طرح جانتا تھا کہ اس رشتے پر کسی کو اعتراض ہو ہی نہیں سکا اور
 پکھیر بعد ہی عاقلہ فصاحت اور طالب شمریز کا پرنسپل لے
 کر شمس الدین کے گھر پہنچ گئے۔
 ”اے دادو بھئی اچھے نام پر آئے ہو تم لوگ۔۔۔ کھانا لگد با
 ہے اور آج ہماری ارش جی نے بریانی پکائی ہے۔“ شمس الدین
 بہن بہنوں کو کچھ خوش ہو گئے۔
 ”کھانا تو ہم کھا کر آئے ہیں بھائی جان ہاں کچھ ضرور لیں
 گے ارش کے ہاتھ کی بریانی۔“ فصاحت صاحب نے خوشدلی
 سے کہہ کر خوشگوار موشن کھانا کھایا گیا۔ کھانا کھانے کے بعد ارش
 چائے لے آئی۔ ارش طالب اور ارش دوسرے کمرے میں
 چائے پینے لگے جب کہ بزرگ افراد لاؤنج میں بیٹھے تھے۔
 ”ہاں بھئی اب تناؤ کم مسئلہ کیا ہے اور بھائی آپ اتنی
 پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ پرنسپل کا سن کر چائے کے دوران
 عاقلہ نے بھائی کو مخاطب کیا۔
 ”سچ میں عاقلہ۔۔۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے جب ان
 محترمہ نے مجھے کہا کہ آپ کی بیٹی کو بہونا چاہتے ہیں۔“ غوثیہ
 بیگم نے بات کا آغاز کیا۔
 ”اے بھائی۔۔۔ آپ ماشاء اللہ بیٹیوں والی ہیں اس کے
 لیے تو واقعی طور پر تیار ہونا چاہیے ماشاء اللہ جی بچیاں ہیں یہ
 سلسلہ تو چتر رہے گا۔“ فصاحت صاحب کی بات پر غوثیہ بیگم
 نے انہماک سے سر ہلایا۔
 ”میں کچھار ہا ہوں محترمہ کو بس پریشان ہوئے جارہی ہیں
 شام سے کہ کیسے ہوگا۔ تیاریاں کیسی ہوں گی۔ اے بھئی کون

سا کل شادی کرنی ہے بیس مگر۔۔۔ یہ تو خود بخود فخر مند ہوئی
 جارہی ہیں۔“ شمس الدین نے کہا۔ تو عاقلہ بیگم ہنسنے لگیں۔
 ”بھئی ہم بھائی کی فکر بانٹ لیتے ہیں۔ ان کی ذمے
 داریاں بھی اور ان کے کام بھی۔“ عاقلہ بیگم کی بات پر شمس الدین
 اور غوثیہ بیگم نے آنکس دیکھا۔
 ”ہاں بھئی۔“ ظاہری بات ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری بھی
 تھی ہے اور ہم نے بھی اچھی کام کر کے جتنا ہم کریں گے سزا
 یہ ہماری بھی تو بچیاں ہیں۔“ غوثیہ بیگم نے تندگی طرف دیکھتے
 ہوئے بڑے من سے کہا۔
 ”وہی تو کہہ رہی ہوں بھائی کہ آپ کی ذمہ داری اتنی بنانا
 چاہتی ہوں تو بے قیودوں بچیاں میری اپنی ہیں مجھے عزیز ہیں اور
 میرا بس چلتا تو دونوں بچیوں کو ہانگ لیتی مگر یہ نامکن ہے اس
 لیے ارش کا آپ کوں سے مانتے کی ہوں۔ میرے شمریز کے
 لیے ارش کا اچھا نامی ہوں۔“
 ”یہ۔۔۔ کیا؟“ شمس الدین کے ساتھ ساتھ غوثیہ بیگم بھی
 اچھل پڑیں اور خوشی اور حیرت سے ہندوئی کی طرف دیکھا۔
 ”ہاں۔۔۔ دیکھیں تو کسی پتہ نہیں کیوں اب تک بیس بھی
 یہ خیال نہ پائیں اب ارش کے پرنسپل کی بات ہی تو خیال آیا
 کہ گھر کی بچی گھر میں ہی کیوں نہ رہے۔ ویسے بھی مجھے یہ
 بچیاں بیٹیوں کی طرح عزیز ہیں۔ ارش کو ہمیشہ کے لیے
 میری بیٹی بنا دیں۔“ عاقلہ کی بات پر شمس الدین اور غوثیہ کے
 ساتھ ساتھ کمرے میں آئی ارش بھی خوشی سے بے قابو ہو گئی۔
 ”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ فصاحت عاقلہ بیس خوشی
 ہوئی اگر ہماری بیٹی تمہارے گھر جائے تو ہمارے لیے بھی بہت
 خوشی کی بات ہے بیس کوئی اعتراض نہیں کیا اچھا ہوتا کہ ہم
 بچوں کی مرضی بھی معلوم کر لیں۔“ شمس الدین نے کہا۔
 ”بھئی ہمارا شمریز تو راضی ہے اور آپ کو بھی کوئی اعتراض نہیں
 ہے۔ پھر پو۔“ ارش نے بے ساختہ ان کی بات کو کاٹ کر کہا
 کہ نہ کہہ جاتی تھی کہ ارش کو شمریز اچھا لگتا ہے۔ گوکہ کبھی کبھار
 کوئی بات نہ کی تھی مگر اتنا اندازہ تو چھین کھینے ساتھ رہنے والی
 بہن کو دتا ہی ہے۔
 ”واہ بھئی دادو۔۔۔ پھر تو کچھ نہ بھٹا ہو جائے۔“ اسی وقت
 طالب بھی آ گیا۔
 ”ضرور ضرور کیوں نہیں اور بھٹا کھائیں گی آپ پاسپ کو اپنے
 ہاتھ سے۔“ ارش کا تادیکہ وار ارش نے بلند آواز میں کہا۔

”کیا ہو گیا بھی کیا چا جان کا پرشون ہو گیا؟“ ارش نے پوچھا۔
 ”ہیلے تم مٹھائی تو لاؤ فرج سے“ طالب نے بھی آگے بڑھ کر شریک میں ارش سے کہا تو ارش کچھ نہ سمجھتے ہوئے فرج سے سوئی کا حلوہ لے آئی اور باری باری سب کو کھلایا سب اسے معنی خیز انداز میں دیکھ رہے تھے۔
 ”یہ لو اب یہ بیٹھا میرے ہاتھ سے تم کھاؤ“ حافظ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پیٹ اور جھج لے لیا اور اس کا منہ میٹھا کر دیا۔
 ”آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو“ طالب نے با آواز بلند کہا۔
 ”اے بھی“ اس کی کسوتی پھیل رہی تھی وہ صاحب... ہاؤ ناں ہو کیا ہے کہیں تمہاری مٹھی مٹھی تو نہیں ہو رہی؟“ ارش نے تھوڑا سا جھنجھلا کر کہا۔
 ”نہیں جناب... طالب کی نہیں بلکہ شاید آپ کی ہو جائے جلد ہی اور پتہ ہے کون کر رہا ہے مٹھی آپ کے سے؟“ طالب نے تھوڑا جھک کر شریک میں کہا۔
 ”ہاں...“ ارش بولی۔
 ”شریز سے“ ارش نے دوسری جانب سے جھک کر ارش کے کان کے پاس آ کر زور سے کہا۔
 ”ہاں...“ ارش کا منہ کھلا رہ گیا... اور سب کی طرف حیرانگی سے دیکھنے لگی۔
 ”تمہیں امتزاض تو نہیں ہے ناں گزرا؟... ہمارے فیصلے سے اگر تمہیں امتزاض ہے تو تم منع کر سکتی ہو ہر روز جی نہیں کریں گے؟“
 ”نہیں چھو پو... مجھے امتزاض نہیں...“ حافظ کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ بے ساختگی اور مصیبت سے بولی تب اسے احساس ہوا کہ اس نے رضامندی میں مذہب سے میری دکھائی ہے کیونکہ اس کے جملے کے ساتھ ہی سب کا قبضہ ابھر تھا اور وہ بری طرح جیسٹ کر کر کے سے باہر بھاگ رہی تھی۔ بہت خوشگوار صوف میں غوثیہ بیگم کے دل کا بوجھ مکمل طور پر ہلکا کر کے حافظہ اور فصاحت صاحب گھر واپس لوٹنے۔ ارش کے لیے یہ بہت خوب صورت دن تھا۔ اسے شریز اچھا لگتا تھا۔ شمس الدین اور غوثیہ بیگم بھی بہت خوش تھے۔
 وہ رات کو ستر پڑ کر لیٹی تو شریز کی کال آگئی۔ زندگی میں

کولی بار سے اسکرین پر چمکانا مہر کیہ کر شریز کی تھی۔ دل عجیب انداز سے جھکا تھا۔ چند منٹوں میں ہی اس کی دل کی حالت یکسر تبدیل ہو چکی تھی۔
 ”اسلام علیکم؟“
 ”علیکم سلام۔“
 ”کیس ہو؟ کیا ہو رہا ہے؟“
 ”الحمد للہ ٹھیک ہوں سو نے کے لیے بیٹی تھی“ گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔
 ”مطلب یہ کہ تمہیں نیند آرہی ہے... نیند اڑی نہیں تمہاری؟“ شریز نے شوخ لہجے میں سوال کیا۔
 ”نیند نہیں اڑتی ہے شریز جہاں دوستوں سے ملنے خدشات اور فکر ہیں ہوں... الحمد للہ صبح سے ساتھ لیا کچھ بھی نہیں...“ ارش کے جواب نے اسے جواب کر دیا۔
 ”بہت بہت شکر یہ مجھ سے منسوب ہو کر تم اتنی ریٹیکس ٹیل کر رہی ہو“ شریز نے جھپکے ہوئے کہا۔
 ”ویسے ایک بات بتاؤ جھج...“ شریز نے کہا۔
 ”جی پوچھیں۔“
 ”یہ اطلاع تمہارے لیے شاید تو ہوگی ناں؟... تم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کیا ہو سکتا ہے... ہمارے درمیان کبھی ایسی بات ہوئی ہی نہیں...“ شریز نے کہا۔
 ”جی حیرت تو بہت ہوئی تھی لیکن...“
 ”نیکن خوشی زیادہ ہوئی تھی ناں...“ شریز نے بات کاٹ کر شوخی سے کہا۔
 ”ہاں بالکل...“ صحت مند سی سا آواز آئی۔
 ”واؤ سو سو نیٹ...“ ارش... میں بھی بہت بہت خوش ہوں۔“
 ”ویسے آپ کو یہ خیال آیا کیسے؟“ ارش نے پوچھا۔
 ”ہاں ایک لمحہ تمہارے پر پوزل کے حوالے سے ای سی نے بات کی تو مجھے احساس ہوا شاید میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گا کہ تم کسی اور کی ہو جاؤ... میری خاموشی محبت تھی شاید کہ میں بے چین ہو گیا اور اس کے کوئی تم کو اپنے نام سے منسوب کرتا میں نے فوراً بے ہوشی میں جی جی سے اپنا موقف بیان کیا ناں جی تو لوہار کھائے بیٹھی تھیں اور لیا جی بھی بہت خوش ہوئے یہ سن کر لوہو لوگ فوراً ہی تمہارے گھر آ گئے۔ اس امید و یقین کے ساتھ کہ انکار کی کوئی صورت ہی نہیں اور الحمد للہ ناں کا یقین اور امید

قائم رہی۔“ شریز نے تفصیل بتائی۔
 ”اور سنو لڑکی؟“ کچھ دیر بعد شریز نے ایک دم سیریس لہجے میں کہا۔ ”شادی کی جلدی ہرگز مت کرنا کہیں شوہر چاؤ کہ مجھے لے جاؤ مجھے لے جاؤ کیونکہ مجھے بہت سارا پیار کانا ہے۔“ شریز کی بات پر وہ بے اختیار ہنس دی۔
 ”جی بالکل جلدی نہیں کروں گی لیکن... بہت دیر بھی برداشت نہیں کروں گی مجھے قاعدہ پسندی اچھی لگتی ہے۔“ اپنی بات کو خوب صورت انداز میں گوش گزار کر دیا تو شریز روتے رہنے لگا۔
 ”اوکے ہاں آپ جیسے کہیں۔“
 شریز سڑیل لگا کر شریز کی جانے لگا۔ ایگم کے فریوڈ جاب بھی لٹنے والی تھی۔ دونوں بچپن سے ایک ساتھ رہے تھے۔ اس لیے کوئی پابندی درمیان میں نہ تھی۔ ویسے بھی شریز مصروف رہتا اس لیے کم ہی آتا۔ تا کہ اور ستر پر لڑنے میں رہتا۔ ارش نے بھی گریجویشن کر لیا۔ شریز بھی جاب پر لگ گیا لیکن بقول اس کے یہ جاب اتنی اچھی نہیں تھی۔ پھر بھی وہ نہایت محنت دہشی اور چافٹالی سے اپنا کام کرتا اس کے پاس اس سے خوش تھے۔ ترقی کے چانسز بھی تھے۔ ارش کے لیے بھی پریوزل آ گیا تب شمس الدین اور غوثیہ بیگم نے سوچا کہ پہلے ارش کی شادی سے فارغ ہو جائیں پھر ارش کا رشتہ طے کریں گے ورنہ لوگ رشتہ طے ہوجانے کے بعد شادی کی جلدی ہو دیتے ہیں اور فی الحال ایک شادی کرنا بھی مشکل تھا۔ یہی سوچ کر حافظ اور فصاحت کو بلوانے کا خیال تھا کہ شادی کی تاریخ طے کر دی جائے۔
 ”اتوار کا دن تھا۔ شریز اتوار کو زری چکر لگاتا تھا۔ ارش سارا ہفتہ اتوار کی شام کا انتظار کرتی۔ اس روز بھی شام کو ارش نے فیروز کی اور سفید پرغڈ کاٹن کا سوٹ پہنا مر جڈا رنگ کا دوپٹہ اوڑھے تینے بالوں میں اچھی لگ رہی تھی۔ سب لوگ محسن میں بیٹھے تھے۔ ارش نے چائے کے ساتھ پھونکے چکن ڈال اور شریز کا ہنسنے والا منہ دیکھ کر ہنسا تھا۔ شریز آگیا۔ بلکہ ہنسنے اور ریڈی شرت میں گھر اٹھا اچھا لگتا تھا۔
 ”اے بیٹا... ای ابا کو بھی لے آتے کچھ بات کرنی تھی۔“ غوثیہ بیگم نے کہا۔
 ”جی ماماں... ای کہہ رہی تھیں آئے کا ایک دو دن میں چکر لگائیں گی۔ میں تو ایک خبر دینے آیا ہوں۔“ شریز نے کرسی پر

بیٹھتے ہوئے کہا۔
 ”آپ سے اجازت بھی لیتا چاہوں گا کیونکہ ای نے کہا تھا کہ سب آپ کی اجازت بھی ضروری ہے۔“ شریز نے سعادت مندی سے سر جھکائے ہوئے کہا۔
 ”کیا مطلب؟“ شمس الدین نے پوچھا۔
 ”دراصل ماموں جان... بہت اچھا چانس مل رہا ہے میرے دوست کے توسط سے ایک سال کا ٹرپ ہے دو جی کا تو میں چاہ رہا ہوں کہ ایک چکر لگ کر جاؤ۔“
 ”اے بھگے ہم تو شادی کی پلاننگ کر رہے تھے“ غوثیہ بیگم نے بے ساختہ بولیں۔
 ”ہاں ایک سال کی بات ہے ماماں... ورنہ شاید آج ہی شادی ہو جائے گی اور پھر میں ارش کو بھی بلواؤں گا۔“ شریز کی بات پر ارش کا دل کچھ سا گھبرا گیا۔ اسے باہر جانا بالکل پسند نہیں تھا اور ایک سال کی دوری؟ وہ تو ہفتہ بہ مشکل برداشت کر لیتی تھی۔ شمس الدین گہری سوچ میں تھے جیسے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے ہوں۔
 ”ماموں جان... میں نے ہمیشہ سے چاہا ہے کہ اپنی پہلی کو اچھا گھر اور اچھی زندگی دے سکوں۔ تمام عمر لبا جی نے دن رات محنت کر کے میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔ اب ہمارا کام ہے کہ ان کو سائش دیں اس کے لیے کوشش تو کر سکتے ہیں ناں... یہاں رہ کر ساری زندگی بس دو روز چارو لے جاتا رہیں گے ان شاء اللہ وہاں جا کر بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ طالب کی پر حال بھی ختم ہو رہی ہے اس کے لیے بھی چانس بن جائے گا۔ اب صرف ای لبا جی اور صاحب ہی نہیں بلکہ آپ لوگ بھی میری فیملی کا حصہ ہیں اور... میں آپ سب کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔“ شمس الدین ان بات میں سر ہلکا کر رہے تھے۔ انہیں شریز کی بات سے اتفاق تھا کہ وہ کچھ کرنا چاہتا تھا تو موت دینا چاہیے کبھی کون سا عمریں لگی جا رہی تھیں۔
 ”نہیں شریز کوئی ضرورت نہیں کہیں جانے کی۔ ہمیں پرہ کر جو کر سکتے ہیں کریں... مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوگا۔“ اکیلے میں ارش نے سخت مخالفت انداز میں ارش کی۔
 ”اگرے یار... تھوڑے دنوں کی بات ہے ہم روز بات کریں گے۔ دو دن کون سا بہت دور ہے اب تو اتنی آسانیاں ہوگی ہیں راپٹوں میں دل چھوٹا نہ کرو۔ شکر او کرو کہ میرا دوست سارا خرچہ بھی خود کر رہا ہے کہ بعد میں واپس دے دینا آج کل کے دور میں کوئی کسی کے لیے اتنا کچھ کہاں کرتا ہے اس لیے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

لاہور سے آئے مہمان اہلن، شایان، زویہ اور فرح آؤنگ کا پروگرام بناتے شہرینہ کو بھی زبردستی ساتھ لے جاتے ہیں شہرینہ سب سے لائق ایک جگہ جا کھڑی ہوتی ہے اہلن اس کی اس حرکت کا بغور جائزہ لیتا ہے تب ہی شہرینہ کا بھائی (شایان) سے کسرت میں طے کی بات کرتا ہے لیکن اہلن وہاں جانے سے منع کرتا شہرینہ کو غصہ دلا جاتا ہے اور وہ اس کسرت میں جانے پر بغض ہو جاتی ہے تب ہی شایان واپس گھر چلنے کی بات کرتا ہے راستے میں شہرینہ کے موہل پر اس کے گلے فیروزین کی کال آتی ہے جس سے وہ بے لگن ہو جاتی ہے اہلن کو اس سے دوچار کر جاتی ہے۔ دوسرے دن شہرینہ کو اپنے گروپ کے ساتھ سوئنگ پر میس پر جانا ہوتا ہے تب وہ غصہ سے جھنجھلائی زمین سے پک کرنے کا کہتی ہے تب اہلن فائدہ بیگم سے شہرینہ کو کانٹا ڈراپ کرنے کی اجازت لیتا اسے مزید غصہ دلا جاتا ہے وہ کسی بھی صورت اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوتی ہے تب وہ اہلن پر غصہ کرتی ساتھ ہی اپنی ناپسندیدگی کا بھی اظہار کرتی ہے جس پر اہلن اس کا ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے سے لے جاتا ہے شہرینہ تمل کر رہ جاتی ہے۔ شہرینہ نے کالج میں ابھی تک کسی کو اپنے نکاح کے حوالے سے نہیں بتایا ہوتا ہے تب کالج میں فریجہ اس سے لاہور سے آئے مہمانوں کا پوچھتی ہے اس کی دوستوں پر نکاح والی بات بھی ظاہر کر دیتی ہے جس پر صبا اور حور یہ (کالج فیو) حیرت کا اظہار کرتی اسے نکاح کی تصویر دکھانے کا کہتی ہیں شہرینہ اہلن کی تصویر انہیں نہیں دکھائی صبا اور حور یہ اس کے ساتھ اہلن سے ملنے کھڑی جاتی ہیں شہرینہ ان کی وجہ سے سوئنگ پر کسرت پرکشت جاسکی تھی فائدہ بیگم حسب پروگرام عثمان صاحب کے ڈرائیور کے پاس کسی انویٹیشن پر جا چکی ہوتی ہیں جبکہ اہلن بھی ابھی گھر پر نہیں ہوتا ہے تب شہرینہ انہیں اماں بھی سے ملوٹی ہے فرح بھی ان سے مل کر خوش ہوتی ہیں۔ اہلن گھر آتا ہے تو ملازمینہ فرح کو اماں کے کمرے میں بلاتا ہے صبا اور حور یہ بھی اہلن سے ملنے کو یہ تاب ہو جاتی ہیں تب شہرینہ انہیں اماں بی کے

کمرے میں لے آتی ہے۔ صبا اور حور یہ اماں بی سے اجازت لے کر اپنے گھر رخصت ہو جاتی ہیں۔ فرح شہرینہ سے شاینگ پر چلنے کا کہتی ہے لیکن وہ اکیلے جانے پر راضی نہیں ہوتی ہے فرح اس سے اہلن کے حوالے سے بات کرتی ہے عثمان صاحب سے اماں بھی اہلن اور شہرینہ کی کسرت کی بات کرتی ہیں جبکہ عثمان صاحب اس کی پرہیزی کی وجہ سے انکار کر دیتے ہیں اہلن کی کوفہ ہوتا ہے کہ کہیں شہرینہ کی خند اس رشتے میں بگاڑ پیدا نہ کرے لیکن عثمان صاحب اس بات کی گارنٹی لیتے ہیں۔ فرح شہرینہ، زویہ اور شایان چاروں شاینگ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور وہیں ماں میں اہلن سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

اہلن کے الفاظ فائدہ کے دل میں عجیب سا تاثر چھوڑ گئے تھے۔
”انسان جو بھی کرتا ہے وہ اچھے کے لیے کرتا ہے لیکن اگر علم ہو جائے کہ اس کے فیصلے کیا نتائج لے کر آئیں گے تو شاید وہ بھی غلط فیصلے نہ کرے اور سب سے بڑا الہ یہ ہے کہ انسان کبھی بھی اپنے فیصلوں کو غلط نہیں سمجھتا۔“ وہ کھڑا ہوا۔
”اب ضروری کام ہے وہ دیکھ لوں۔“ وہ کہہ کر چلا گیا اور فائدہ کم صدمی اپنی جگہ بیٹھی رہیں۔ ان کے ارد گرد ان کا ماضی گھوم رہا تھا جس میں بچپن کران کی ساری زندگی عجیب سے انداز میں ابھی ہوئی تھی ان کا ماضی ان کی ساری خوشیاں اٹھ گیا تھا۔

فائدہ اور فائدہ کو وہ ہمیشہ ہی تھیں۔ اماں باپ کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ اماں بی سوچ جاسدا لک لک تھیں جو ان دونوں بہنوں کی صرف خالہ ہی نہیں جانی تھیں انہوں نے ان دونوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھائی تھی ماں باپ کی کے بعد دیگرے وفات کے بعد وہ ان دونوں کو ساتھ ہی لے آئی تھیں۔ دونوں تعلیم میں اچھی تھیں انہوں نے جہاں تک ممکن ہو سکے ان دونوں بہنوں کی تعلیم کا خاص

خیال رکھا تھا۔ فائدہ ابھی گریجویشن ہی کر پائی تھیں جب اماں بی نے ان کی شادی اپنے بڑے بیٹے سے کرادی تھی جبکہ فائدہ نہ صرف اپنی بلکہ اپنی تعلیم حاصل کرنے کا شوق بھی تھا اماں بی نے فائدہ کے لیے کبھی تعلیم حاصل کرنے میں رکاوٹ نہ آنے دی تھی۔ فائدہ لاہور کے کسی تعلیمی ادارے میں داخل نہیں لیتا جانتی تھی اماں بی نے اس کی خواہش کے مطابق اسلام آباد میں اس کا داخلہ کر دیا تھا اور پھر اس کی رہائش کا انتظام بھی ہاسٹل میں ہو گیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔

اپنی تعلیم حاصل کرتا اس کا خواب تھا۔ ان دنوں عثمان اپنی تعلیم حاصل کرنے باہر گیا ہوا تھا۔ بابا صاحب کچھ سالوں سے سیاست میں بہت زیادہ اٹھو اٹھو تھے ان کا ارادہ اپنی اولاد کو بھی سیاست میں لانے کا تھا۔ عثمان فاروق کا انٹرسٹ مکمل طور پر پرنس کی طرف تھا لیکن عثمان بابا صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی جبکہ فائدہ شدت سے عثمان کے پاکستان آنے کی منتظر تھی۔ اماں بی نے واضح الفاظ میں سارے خاندان میں کہہ دیا تھا کہ وہ عثمان فاروق کی شادی صرف اور صرف فائدہ سے کریں گی۔ ہاسٹل میں قیام کے دوران فائدہ کی دوستی ماہا راے سے ہوئی تھی۔ فائدہ اسے دیکھ کر کافی دیر تک مبہوت رہ گئی۔ اتنا مکمل حسن اس نے اپنی زندگی میں آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو حسن کا پرتو تھی۔

ماہا راے ریزور سے والی لڑکی تھی۔ وہ ہاسٹل میں فائدہ کی بدمعاش تھی۔ وہ اپنے بارے میں کم ہی کہتی تھی سسکس کرتی تھی۔ فائدہ اسے بہت اہمیت دیتی تھی فائدہ کی کوشش سے وہ کچھ عرصہ بعد اس کے ساتھ مکمل مل گئی تھی۔ دونوں کی خوب دوستی ہوئی تھی۔ فائدہ کو یہ جان کر جراتی ہوئی تھی کہ ماہا راے کی فیملی اسلام آباد میں ہی رہائش پذیر تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنی فیملی سے ملنے نہیں جاتی تھی اور نہ ہی کوئی اس سے ملنے آتا تھا۔

ہاسٹل میں ایگزیز کے بعد سب ہی لڑکیاں اپنے اپنے گھر رہی تھیں جبکہ ماہا راے ابھی بھی وہیں تھی وہ پرسکون انداز میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

”تم نہیں جا رہی ہو کیا؟“ فائدہ کو اشتیاق فاروق لینے کے لیے آنے والے تھوہہ بیگ تیار کر رہی تھی۔

”نہیں۔۔۔۔۔“ اس معاملے میں وہ ایک دم دھوک ہو جاتی تھی۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟“ فائدہ نے جیسے طے کر لیا تھا کہ اس کے جد جانے کی وجہ جان کر رہی ہے۔

”میں اس معاملے میں کئی بار کہہ چکی ہوں کہ میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“ وہ کتاب سے نکلا جس ہٹائے بغیر بولی تھی۔ فائدہ کو اس کا رویہ بہت عجیب سا لگا تھا۔

”لیکن کوئی وجہ بھی تو ہو؟“ وہ خاموش رہی تھی فائدہ نے اسے بغور دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔ پتا نہیں کیوں وہ اتنی ریزور تھی اس سے دوستی کرنا بھی فائدہ کی ہی کوشش سے ممکن ہوا تھا اور نہ شاید وہ اس سے دوستی بھی نہ کرتی۔

”اچھا یہ بتاؤ میں چلی جاؤں تو کیا کرو گی؟“ وہ بیگ کی زپ بند کر کے اس کے پاس ہی بستر کے کنارے آ بیٹھی تھی۔

”وہی جو ہمیشہ سے کرتی آئی ہوں۔۔۔۔۔ بکس پڑھوں گی کہیں گھوٹنے چلی جاؤں گی یا پھر کچھ پور۔۔۔۔۔“ فائدہ نے کچھ ہل سوچا تھا اور پھر اس کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا تھا۔

”ایسا کرتے ہیں اس بات تم میرے ساتھ میرے گھوٹ چلو۔۔۔۔۔ اشتیاق بھائی آ رہے ہیں ایک دو دن ہم ان کی طرف لاہور ہیں گے پھر گاؤں چلے جائیں گے۔“

”تمہارے ساتھ۔۔۔۔۔ تمہارے گاؤں۔۔۔۔۔؟“ وہ حیران ہوئی تھی۔

”ہاں۔۔۔۔۔ اماں بی فائدہ اپنی سب ہی سے تمہارا اس قدر ذکر کیا ہے میں نے۔۔۔۔۔ سب ہی تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔“

”میں یار۔۔۔۔۔ اس طرح میں بھلا کیسے چلی جاؤں۔“

”کیوں اس میں کیا قحاح ہے۔۔۔۔۔ لاسٹ ٹائم تم

گھوٹنے پھرنے چلی گئی تھیں وہاں بھی جا کر تم اکیلی ہو گی میرے ساتھ چلو وہاں جا کر تم بہت انجوائے کرو گی۔“

”اچھا میں کچھ سوچ کر جواب دوں گی۔“

”کل صبح اشفاق بھائی آجائیں گے..... رات بھر میں سوچ لوں“ اس نے اثبات میں سر ہلاتا تھا۔

وہ تمام تیاری کر کے سوچنے لگی اور ماہ رانے بستر پر بیٹھی رہی۔ اس کے سونے کے بعد وہ کارڈ روم میں نکل کر بیٹھ گئی۔ اس کی زندگی بھی عجیب سی تھی۔ اس کی زندگی کے ابتدائی سالوں کے بعد کی باقی ساری زندگی مختلف گھڑیوں میں گزری تھی۔ اس کی زندگی بہت سارے لوگوں کے لیے سواہر نشان تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے بارے میں بہت سے لوگوں میں بہت ساری کہانیاں مشہور ہو چکی تھیں۔ وہ کسی سے بھی کچھ نہیں کہتی تھی۔ نہ تعلیق کرتی تھی اور نہ فریاد۔ وہ اس خاموش رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی دوستی کسی سے نہ ہو سکتی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی لڑکی روم شیئر بھی نہ کرتی تھی۔ لڑکیاں اس سے دور بھاگتی تھیں۔ یونیورسٹی میں اس کی خوب صورتی اور بزرگوں کی وجہ سے بہت سارے لڑکے اس کی طرف بڑھتے تھے لیکن اس کے متعلق مشہور ہونے والی باتوں کو سن کر وہ خود بخود ہچکچاہٹ جاتے تھے نہ کبھی اس نے کسی کی پذیرائی کی اور نہ ہی کبھی کسی کو انکار کیا تھا۔ بس وہ غور انداز کرنے اور خاموش رہنے کی پاسی پر عمل پیرا رہی تھی۔ ان سب میں واحد فائدہ یہ تھی جو اس کے ساتھ حمل مل گئی تھی جو اس کی بری شہرت یا اس کے متعلق مشہور کی جانے والی باتوں کو سننے کے باوجود اس سے کچھ نہیں کہتی تھی ہاں اس کے خاندان کے بارے میں جاننے کے لیے چیتاب ضرور رہتی تھی لیکن ماہ رانہ کی خاموشی پر ناراض ہونے کی بجائے وہ کوئی اور بات شروع کر دیتی تھی۔

ساری رات اس کی عجیب سی کشش میں گزری تھی۔ اگلی صبح اس نے چھپے دھپن سے کال کی تھی اس کی اپنی ماں سے بات ہوئی تھی۔

”فائدہ چاہتی ہے میں اس کے ساتھ اس کے گاؤں چلی جاؤں۔“ اس کی ماں اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی تھی۔

”میری طبیعت آج کل بہت خراب ہے..... میں نہیں چاہتی کہ تم یہاں کبھی آؤ..... حسن آرا بہت بد لحاظ ہو چکی ہے..... میں نے جو تم بھولی تھی وہ سنبھال کر استعمال کرے۔“

اب دھپ کے کسی بھی خطے میں صبح ہوں

آنچل شتاجی

ہم ہر وقت ہر ماہ آپ کی دلیر مزاحمت کر سکتے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ

پاکستان کے ہر گھر سے 850 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

8000 روپے

میدل ایسٹ ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

7000 روپے

رقم ویدیا ڈرافٹ منی آرڈر منی گرام ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجا جاسکتی ہیں۔

مقامی افراد

لڑکی ہسپتال کا وٹ نمبر

0316-0128216

سروکی کشش اور وٹ نمبر

0300-8264242

لڑکی ہسپتال کا وٹ نمبر

0300-8264242

لڑکی ہسپتال کا وٹ نمبر

لڑکی ہسپتال کا وٹ نمبر

لڑکی ہسپتال کا وٹ نمبر

حسن آرا مجھ پر بہت زیادہ نگاہ رکھنے لگی ہے وہ ایک ایک پیسے کا حساب لگاتی ہے۔“

”تو میں کیا کروں؟ میرا خیال تھا فائدہ چلی جائے گی تو

میں کچھ دنوں کے لیے آپ سے ملنے آؤں گی۔“

”یہ غلطی مت کر..... حسن آرا نے ایک بہت بڑی

آسانی چھپائی ہوئی ہے اس کا میں نہیں چھٹا کدو چھپیں ایک

دن میں ہی اس کے ساتھ چھٹا کدو میں نے جس جہنم

میں زندگی گزارنی تھی گزار لی میں نہیں چاہتی کہ میرے بعد

میرے لیے کا خزانہ تم بھگتو.....“

”میں ٹھیک گئی ہوں ان لوگوں سے بھاگ بھاگ کر.....“

”تم فائدہ کے ساتھ اس کے گھر چلی جاؤ..... چھٹیاں

گزار کر آؤ جب واپس آؤ گی تو میں خود اپنے آ جاؤں گی تم

پریشان مت ہونا.....“

”جی ٹھیک ہے.....“ اس نے بے وار بیتے آنسو خود ہی

صاف کر لیے تھے۔ اور پھر اس نے فائدہ کو ساتھ چنے کا عندیہ

دے دیا تھا۔

فائدہ بہت خوش تھی۔ اس کی دوست اس کے ساتھ اس

کے گھر جاری تھی وہ بہت خوش ہو کر اس کے ساتھ مل

کر بیٹھ کر رہی تھی۔

وہ فائدہ کے ساتھ اس کی بہن کے ہال آئی تھی۔ اشفاق

بھائی کے ساتھ وہ ان کے لاہور والے گھر آئے تھے۔ فائدہ

بہت خوش اسلوبی سے ملی تھیں۔ ان کے دو بیٹے تھے

شیراز اور شامان۔ فائدہ آئی کو بھی وہ آرا بہت اٹھی لگی

تھی۔ خاموش طبع اور سنجیدہ مزاج۔ وہ فائدہ کے ساتھ ہی

اس کے روم میں ٹھہر گئی تھی۔ وہ لوگ کھانا کھانے کے بعد

اپنے اپنے روم میں چلے گئے تھے۔ فائدہ نے فائدہ کو اپنے

کمرے میں بلوایا تھا۔

”یہ لڑکی کون ہے؟“

”آپ کو بتایا تو ہے میری روم میٹ ہے..... میری

”تم ایک اور نام لیتی ہو مہمان کا کٹروہ کون ہے؟“

دوست ہے۔“

”وہ سب ٹھیک ہے لیکن کوئی خاندان کوئی بیک گراؤنڈ

اس طرح تو کوئی کسی کو اپنے نہیں گھر لے سکتا؟“

”کیا ہے؟..... بہت اچھی دوست ہے۔“

”لیکن کس خاندان سے ہے یہ سب سوچ سمجھ کر تم دوستی

کرتی ہو.....“

”وہ اس سلسلے میں کبھی بات نہیں کرتی..... میں نے بھی

نہیں پوچھا.....“

”چلو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں..... لیکن جب بھی موقع

میلے تو اس کے بارے میں ضرور پوچھنا..... اس طرح کسی کو

بھی محض چند دن کی دوستی کی بنا پر اپنے گھر لے لاہور رکھنا مجھے

امتراف نہیں لیکن انسان کو قحط دار مہنا چاہیے۔ وہ چپ چاپ

کمرے میں آئی تو وہ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر دکان میں

دیکھ رہی تھی۔

”بہت خوب صورت گھر ہے تمہاری آئی کا۔“ خوب

صورت لان میں رنگارنگ پھول در در تک کھلے ہوئے تھے

وہ گھر کی خوب صورتی دیکھ کر اندر ہی اندر ضرور متاثر ہوئی تھی۔

”یہ گھر اشفاق بھائی نے آئی کی چو اس پر بلوایا ہے گھر

کی ایک ایک چیز میں آئی کی پسند شامل ہے۔“

”گھر تو تمہاری آئی کا بڑا آرکیٹیکٹ ڈیزائن ہے..... ہوم

ڈیکوریشن میں ان کا ذوق تو مکمل کا ہے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں.....“ فائن آرٹس اور ہوم

ان کمز آئی کے پسند یہ مفہام تھے شادی کے بعد انہوں

نے تعلیم چھوڑ دی ورنہ وہ شاید اپنے انجینئر میں ضرور

ایکسپٹ ہو جاتیں۔ ماہ آرا دل ہی دل میں حیرت سے زیادہ

لیکچر کی عادت سے متاثر ہوئی تھی۔

”تم میرے ساتھ چلو اور حویلی کی ڈیوریشن دیکھو تم تو

حیران رہ جاؤ گی۔“

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ وہ گھر کو دیکھ کر اندازہ لگا چکی

تھی۔

”تم ایک اور نام لیتی ہو مہمان کا کٹروہ کون ہے؟“

”عثمان.....“ فائقہ مسکرائی تھی۔

”اماں بی کے دوسرے بیٹے ہیں اشتقاق بھائی کے چھوٹے بھائی..... وہ تعلیم کی غرض سے امریکہ گئے ہوئے ہیں۔“ وہ دونوں کچھ دیر اور باتیں کرتی رہی تھیں۔ فائقہ نے اس سے فائزہ کی باتوں کا ذکر نہیں کیا تھا..... وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا دل خراب ہو۔ وہ دونوں وہاں پانچ چھ دن رہی تھیں اور فائقہ اور اس کی بہن کی فیملی کے ساتھ مختلف جگہوں پر گھومنے بھی گئی تھی اور پھر گاؤں سے ذرا نیور لیٹے یا تو وہ اس کے ساتھ گاؤں آگئی تھی۔ اماں بی بھی بہت خوش اخلاقی سے ملی تھیں۔ اس نے اماں بی کے سوالات کے جوابات میں خود سے ہی کہہ دیا تھا۔

”باپ کا انتقال ہو چکا ہے ماں رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہے۔ ماہ آرا باج کر کے اپنی تعلیم کا خرچ پورا کر رہی ہے۔ اچھے خاندان کی لڑکی ہے بڑی مشکل سے اس کے ساتھ آنے پر آمادہ ہوئی ہے۔“ جو کہانیاں اس نے سن رکھی تھیں ان میں سے ایک کہہ دی تھی۔

”ماشاء اللہ لگ بھگ کسی سلیجے ہوئے خاندان کی رہی ہے اللہ صمت دے بچی کو رونما آج کے دور میں کون کسی کا ساتھ دیتا ہے۔“

”جی بہت اچھی ہے ماہ آرا.....“ اماں بی نے سر ہلادیا تھا۔ اس نے ماہ آرا کو بھی یہی کہہ دیا تھا۔ دونوں اس وقت حویلی کے صحن میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔

”اب تم اپنے بارے میں کچھ بتائی تو ہوں نہیں لیکن لوگ تو پوچھتے ہیں نہ میں نے اماں بی کو کہہ دیا ہے کہ تمہارے فادر زندہ نہیں ہیں والدہ رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہیں اور تم جاب کرنی ہو اب اماں بی کچھ پوچھیں تو چلیں یہی بتانا۔“ اور ماہ آرا وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

”تھیک کیو..... لیکن یہ سچ ہے میرے والد زندہ نہیں ہیں اور والدہ بھی رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہیں باقی روگنی جاب کی بات اس ہاسٹل میں آنے سے پہلے تک میں واقعی جاب کرتی تھی لیکن اب چھوڑ دی ہے۔“

”کیوں چھوڑی؟“

”بس تھی ایک مجبوری.....“ وہ چاہ کر بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کی ماں کی شہرت اس کی جاب والی جگہ پر بھی پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے اسے جاب چھوڑنا پڑی تھی۔

”کتنی عجیب سی بات ہے ناں ہم دوست ہیں اور تمہارے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی۔“

”کوئی عجیب بات نہیں اس میں..... بعض اوقات ہم لوگ ساری زندگی کسی کے ساتھ گزار دیتے ہیں اور اسے جان نہیں پاتے۔“

”لو کے میں تمہیں کبھی فورس نہیں کروں گی لیکن اگر تمہیں مجھ پر اور میری دوستی پر ہمتاء ہو تو تم ضرور مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گی۔“ ماہ آرا شخص مسکرا دی گئی۔

ان کو حویلی آئے ابھی ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ عثمان کی کال آئی تھی عثمان نے بتایا تھا کہ وہ پاکستان آ رہا ہے۔ اماں بی ایک دم خوش ہو گئی تھیں..... وہ نئے سرے سے عثمان کا کمرہ سجا رہی تھیں۔ ساری حویلی کی ترتیب بدل دی تھی۔ کئی ماہ بعد عثمان واپس آ رہا تھا۔

بابا صاحب بھی خوش تھے اور فائقہ وہ تو گویا خوشی سے نہال تھی۔ رات کے کھانے کے بعد وہ ماہ آرا کے ساتھ حویلی کے عقبی باغ میں آگئی تھی۔

”بہت خوش ہو.....؟“ ماہ آرا ٹوٹ کر رہی تھی کہ جب سے اماں بی نے عثمان کی آمد کا بتایا تھا فائقہ بہت خوش تھی۔ فائقہ نہیں دیکھتی تھی۔

”ہاں۔“

”بہت جلدی ہو اپنے گزن کو.....“ وہ مسکرا دی۔ وہ اکثر ماہ آرا کے سامنے عثمان سے جاہت کا اظہار کرتی رہی تھی۔

”بہت کا تو مجھے نہیں علم لیکن یہ سچ ہے کہ شہر کی دنیا میں قدم رکھنے ہی میں نے اپنے ساتھ اگر کسی کا نام سنا ہے تو وہ یہی عثمان فاروق ہیں۔ سوئے اچھے بچے جیسے“ اگر مجھے کسی کا خیال آتا ہے تو وہ یہی عثمان فاروق ہیں..... اگر اسے محبت کرنا کہتے ہیں تو ہاں میں عثمان سے محبت کرتی ہوں۔“ ماہ آرا مسکرا دی تھی۔ اس وقت اسے فائقہ بہت زیادہ حسین لگی تھی اور بہت زیادہ لگی بھی۔

”تمہارا خاندان تو میری توقع اور سوچ سے بھی بڑھ کر باقی ایشیئس دکھتا ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ یہی بہت اچھے خاندان سے ہو لیکن تم تو میری سوچ سے بھی بڑھ کر ہو۔“ ماہ آرا واقعی مرعوب بھی فائقہ مسکرا دی تھی۔

”میرے نزدیک مزید و اماں کی کوئی جگہ نہیں اصل دلیو تو انسان کی ہوتی ہے اس کے اہل کرو اور عہدہ سوچ کی..... باقی سب بے معنی ہے۔“

”میں سوچ رہی ہوں کہ تمہارے گزن کے آنے سے پہلے میں واپس ہاسٹل چلی جاؤں۔“

”کرت..... وہ کیوں بھڑا؟“

”مناسب نہیں لگتا ناں وہ مجھے دیکھ کر بھانپنے کیا سوچے؟“

”کوئی کچھ نہیں سوچتا..... تم میری دوست ہو ان سب کے لیے یہی کافی ہے۔“

”تھیک یہ تم بہت اچھی ہو۔“

”اب جو اب میں تھیک ٹو نہیں کہوں گی۔“ وہ دونوں ہنس دی تھیں۔ ماہ آرا حقیقت حویلی آنے کے بعد فائقہ کی مالی حیثیت سے آگاہ ہوئی تھی۔ چند دن گزرے تو عثمان فاروق کی آمد بھی ہو گئی تھی۔

بابا صاحب اور اماں بی بیٹے کی آمد پر بہت خوش تھے۔ بیٹا تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے واپس آ گیا تھا۔

ماہ آرا تو عثمان فاروق کو دیکھ کر دوک رہ گئی تھی۔ مردانہ وجاہت و خوب صورتی کا شہکار تھا وہ شخص اس کی عثمان فاروق سے براہ راست ملاقات نہ ہوئی تھی۔ وہ جس دن آیا تھا وہ دن بولور تھا اور جب حویلی پہنچا تو رات کا وقت تھا۔ وہ فائقہ کے کمرے میں تھی۔ فائقہ عثمان کا انتظار کرتے ہوئے تھی۔

”اگرچہ میں ٹرپ رہی ہو دوسری طرف شاید اسے تمہاری پردہ ہی نہ ہو۔“ اس نے مردوں کے ایسے ایسے روپ دیکھ رکھے تھے کہ وہ مرد حضرات سے متعلق کافی حقیقت پسند ہو چکی تھی۔

وہ جس جگہ سے تعلق رکھتی تھی وہاں آنے والا ہر مرد ایک

اگ ہی مزاج اور طبیعت رکھتا تھا لیکن ان سب کی کمزوری کیا تھی وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی اس کی ماں اس کی ذہال بنی رہی تھی لیکن اس کی ماں نے اسے ہمیشہ مرد کی حقیقت سے باخبر رکھا تھا۔

”نہ ہو لیکن مجھے تو پورا ہے ناں۔“ ماہ آرا کے جواب میں فائقہ نے کہا تھا۔

”میں تو سونے چلی تمہارے گزن کا ویدار اب صبح ہی ہوگا۔“ وہ کہہ کر مکمل سر تک تان چکی تھی۔

فائقہ اسے کمرے میں چھوڑ کر باہر آگئی تھی۔ کوئی ایک گھنٹہ بعد عثمان کی آمد ہوئی تھی بابا صاحب دونوں پہلے اسے لے گئے تھے اور اب واپس آگئی تھی۔

فائقہ اماں بی کے پاس آگئی تھی۔ جیسے ہی عثمان اندر آیا اماں بی اس سے پریشانی لے گئیں۔ سلام دعا جذبہ ملکا لے..... فائقہ انھوں میں نمی لیے دیکھتی رہی تھی۔ عثمان کی شخصیت اور وجاہت تو اور زیادہ نکھر چکی تھی۔ خوب صورت مردانہ قد کاٹھ لوہے سے بول چال کا انداز وہ تو مہمبوت رہ گئی تھی۔ عثمان سے دیکھتے ہی بات چیت ہوئی تھی۔

فائقہ کے مشاغل اور تعلیم وغیرہ جیسے سوالات کے بعد وہ اماں بی اور بابا صاحب کے ساتھ گمن ہو گیا تھا اور فائقہ وہ ایک طرف صوفے پر بیٹھ کر کئی باندھے عثمان فاروق کو دیکھتی رہی تھی۔ رات گئے محفل برخواست ہوئی تو اماں بی اور بابا صاحب صوفے کے لیے چلے گئے تھے۔ عثمان بھی اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ فائقہ کمرے میں آئی تو ماہ آرا گہری نیند میں تھی اور فائقہ کی آنکھوں سے نیند کھول اور تھی۔

اگلے دن بھی ماہ آرا کا عثمان سے سامنا نہ ہو سکا تھا۔ عثمان بہت اچھا تھا کھانا وغیرہ اس نے کمرے میں ہی کھایا تھا۔ کچھ روزہ اماں بی کے کمرے میں ان کے لے کر باہر نکل گیا تھا۔ گھوڑوں میں ان کی یہی چوڑی برادری اور حلقہ احباب تھا۔ باقی سارا وقت ان سے ہی منے میں گزار گیا تھا۔ رات گئے ان تو ماہ آرا فائقہ کے کمرے میں جا چکی تھی۔

اگلے دن ماہ آرا جلدی اٹھ گئی تھی جب کہ فائقہ ابھی سو رہی تھی وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ صبح کے وقت لان میں

ٹہلنے وہ اپنی زندگی اور اپنی ماں کی بے بسی کے متعلق سوچتی کر جیتی اپنی سوچوں میں من گھڑی کہ بے دھیانی میں سامنے سے آتے جا گئے ڈریس میں بیویں عثمان فاروق سے گمراہے لکراتے پکٹی تھی۔

”آپ.....؟“ وہ فائقہ کے پاس عثمان فاروق کی تصویر دیکھ چکی تھی لیکن اسے سامنے سے مراد وہ جاہت و ثواب صورتی کے پیکر کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی تھی۔ اس قدر مکمل حسن..... اس قدر مردانہ شخصیت کا وقار۔

”عثمان فاروق کہتے ہیں مجھے اور آپ؟“ وہ فوراً سنسجیل چکا تھا اور ماہ راہ چلی ہوئی تھی۔ وہ جو صورت بنی اسے دلچسپ رہی تھی ایک دم سنسجیل تھی۔

”ماہ راہ.....“ وہ دھیسے سے بولی تھی۔

”ماہ راہ..... سوری میں پہچانتی ہیں۔“ اسنے رکھ رکھاؤ والی ملازمہ تو تھی نہیں تو رشیدہ دار بھی نہ تھی۔

”میں فائقہ کی دوست ہوں۔“ اس نے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔

”اوہ آئی سی..... ماں بی نے ذکر تو کیا تھا کہ فائقہ اپنی کسی دوست کے ساتھ آئی ہوئی ہے۔“ اس نے ٹو میٹ یو۔ جواباً

ماہ راہ صرف مسکرائی تھی۔

”کیا کرتی ہیں آپ.....؟“ عثمان فاروق نے اسے لغو دیکھا۔

یہ نہیں تھا کہ اس نے ایسا حسن نہیں دیکھا تھا لیکن ماہ راہ کے وجود میں جو رکھ رکھاؤ تھا وہ کم ہی کہیں دیکھنے میں آتا تھا۔

”میں فائقہ کی یونیورسٹی فیلو اور روم میٹ ہوں۔“ وہ دھیسے سے بولی تھی۔

”لوہ.....“

”ہیکسکووزی.....“ وہ زیادہ دیر اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکی تھی فوراً اندر کی طرف چلی گئی اور عثمان فاروق باہر کی طرف نکل گیا تھا۔

”میلو لیڈر کیا ہو رہا ہے؟“ یہ عثمان فاروق سے ماہ راہ کا دوسرا سامنا تھا۔

”کچھ خاص نہیں..... ماہ راہ کافی بہت اچھی بناتی ہے تو اس سے کافی ہنوا رہی ہوں۔“

”ہائس..... پھر تو میں بھی ایک گف بچوں گا۔“ اس نے براہ راست ماہ راہ کو دیکھا تو فوراً رخ بدل گئی تھی۔

”ماں بی کہاں ہیں؟“ وہ کچھ دیر پہلے سوکر اٹھا تھا۔

فریش ہونے کے بعد اسے ماں بی کہیں بھی دکھائی نہ دیں تو ملازمین کے بتانے پر وہ فائقہ سے پوچھنا شروع کر گیا تھا۔

”وہ تو آپ کے بھلے چچا کی طرف مئی ہیں ان کی سینئر ہو کے ہاں کل شب بیٹا ہوا تھا اس کی مبارک باد دینے گئی ہیں۔“ فائقہ نے بتایا تھا۔

”تمہاری یہ دوست بات چیت نہیں کرتیں کیا؟“ عثمان فاروق نے اسے مسلسل خاموشی سے کافی چھینٹنے دیکھا تو پوچھا۔ فائقہ ہنس دیتی تھی جبکہ ماہ راہ بڑبڑاتی تھی۔

”بڑا وجہ الفاظ کا ذخیرہ ہم لوگ استعمال نہیں کرتے جناب۔“

”پھر تو تم لوگ بڑے باکمال ہو۔“ وہ مسکرایا۔

ایک نظر پھر ان کی طرف پیچہ موڑے اپنے کام میں مگن لڑکی کو دیکھا۔ سرخ جوزے میں جبکہ تاجرہ عثمان فاروق پھر ٹھنکا تھا۔ اس لڑکی میں اسے پھر ایک لمحے کو بڑی عجیب سی کشش محسوس ہوتی تھی۔

”آپ بھرے لیے کیا لائے ہیں؟“ فائقہ نے کہا تو عثمان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”اپنے منہ سے گفٹ مانتے ہوئے شرم تو نہیں آئے گی۔“

”اس میں شرم کیسی؟“ ماں بی نے کہا تھا میں نے کتے کو ابھی طرح یاد کرادیں کہ مجھے کیا کیا چاہیے؟“

”لایا ہوں بابا سب کچھ لایا ہوں..... ذرا یہ ملنے ملانے سے فارغ ہوں پھر وہ سب بھی دے دوں گا۔“ وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ ماہ راہ رائے کن اکیوں سے اسے دیکھا۔

وہ اچھی خاصی پر اعتماد لڑکی تھی لیکن اس شخص کے سامنے

اسے اپنے الفاظ کو نگے بھرے نگے لگے تھے۔ اس نے کافی بنا کر ایک گف فائقہ کو دیا اور دوسرا عثمان فاروق کی طرف بڑھایا تھا۔

”تھینکس.....“ گف لیتے پکسا ہاتھ بچھو رہا تھا۔

ماہ راہ نے سرعت سے ہاتھ ہٹا دیا تھا جبکہ عثمان فاروق حیران ہوا تھا۔ فائقہ نے نوٹ نہیں کیا تھا۔

”میں کمرے میں جا رہی ہوں۔“ وہ اپنا گف کے کر فائقہ کو کہہ کر تیزی سے پکے سے لگی تھی۔

”تمہاری اس دوست کا بیک گراؤ کتنا ہے؟“ کافی کا سب لیتے اس کا انداز سوچ تھا۔

”سینئر روم میں ہے ہائس میں۔“

”کہاں سے ہے؟“

”اسلام آباد سے ہی ہے۔“

”حیرت ہے پھر بھی ہائس میں رہ رہی ہے؟“ وہ حیران ہوا تھا۔

”ان کے کچھ فیملی انشوز ہیں اسی وجہ سے.....“ اس نے ہانچا ہوا تھا عثمان فاروق خاموش رہا تھا۔

”اب کیا ارادہ ہے آپ کا آگے کے لیے؟“ اس نے جان بوجھ کر بات بدل دی تھی۔

”نی الحال تو میں اپنا آفس سٹیکلش کروں گا..... اس کے بعد اگر باکی رضامندی ہوئی تو ان کا سیاست میں ساتھ دوں گا۔“ وہ تفصیل سے اپنا پلان بتانے لگا تو فائقہ کچھ بھی سے اسے سننے لگی تھی۔

عثمان کی وطن واپسی پر بابا صاحب نے ایک بڑے پیمانے پر جمعیت کا اہتمام کیا تھا ان کے حلقہ احباب کی ایک وسیع لسٹ تھی جو دعوت تھی۔ اندرونی طور پر ماں بی نے بھی خاندان کے تمام لوگوں کے لیے ایک تقریب منعقد کر رکھی تھی۔ فائزہ بھی لاہور سے آئی ہوئی تھیں۔ ان کے دونوں بیٹے خالد کے ارد گرد گھوم رہے تھے۔ ماہ راہ نے مدد بھی ہوئی باتیں کرتے شیراز گل کو کچھ کمر لہا تھا۔

”تمہارا یہ بھانجا مجھے بہت پسند آیا ہے.....“ دونوں

اور پھر اس نے عثمان سے کوئی بات کی گئی عثمان ٹھکھلا کر ہنسا

فائقہ کے کمرے میں تھیں۔ بچے بھی وہیں تھے۔

”یہ مجھے بھی بہت پسند ہے بلکہ ماں بی چاہتی ہیں کہ شیراز گل ان کے پاس ہی رہے لیکن یہ اسکول جاتا ہے تو لاہور میں رہتا ہے ورنہ چھٹیوں میں سارا وقت اس کا گاہاں میں گزرتا ہے۔“ اس نے گل کے گال پر پیار کرتے کہا تو گل

معلوم سامنے بنا کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔ ماہ راہ کو اسے دیکھ کر مزید ہنس آئی تو شیراز گل کو برا لگا تھا۔

”خالد یا آئی مجھ پر ہنستی ہیں۔“

”نہیں بیٹا آئی تو آپ کی تعریف کر رہی تھیں۔“ اس نے سمجھا تو اس نے عجیبی سے دھڑلے کو کھا۔

”ماہ راہ کو کور“

”میں ماں بی کے پاس جا رہا ہوں چلو شایان۔“ وہ شایان کی آغلی تمام کروہاں سے نکل گیا تھا۔

”امیرنگ بار..... بڑا ہی ڈہن لڑکا ہے۔“

”آخر بھانجا کس کا ہے؟“ فائقہ نے کار کھڑے کیے۔

”چلتا تو باہر چلتے ہیں ماں بی نے دوبارہ پوچھا ہوا ہے۔“

دونوں تیار تھیں۔

فائقہ نے اسے اپنا نیا ڈریس دیا تھا پتک کھر کے بلکی کڑھائی والے سوٹ میں ماہ راہ باہتاب کی طرح دکھ رہی تھی۔ فائقہ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ دونوں بڑے کمرے میں پہنچیں تو فائزہ نے فائقہ کے ساتھ کھڑی ماہ راہ کو غور دیکھا تھا۔

”کیون ہے؟“ ان کی ایک چچا زاد نے بھی فائزہ سے پوچھا تھا۔

”فائقہ کی دوست ہے۔“

”بہت خوب صورت لڑکی ہے۔“ وہ بڑی سست سی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ فائقہ بہت حسین لڑکی تھی لیکن وہ آرا کے سامنے وہ ماند پڑ رہی تھی۔ اسی دوران عثمان کسی کام سے اندھا ہوا تھا۔ اور ان دونوں کے پاس کر گیا تھا۔ فائزہ کے ماتھے کے تیر بد لئے گئے تھے۔

عثمان نے شاید ماہ راہ سے کچھ کہا تھا وہ بڑل ہو رہی تھی اور پھر اس نے عثمان سے کوئی بات کی گئی عثمان ٹھکھلا کر ہنسا

تھا اور پھر فائقہ نے کچھ کہا تو وہ کندھے اچکا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ فائزہ کو یہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔ بجائے کیوں نہیں فائزہ کی دوست اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ موقع ملنے پر فائقہ کے پاس آئی تھی۔ ماؤ را کسی رشتہ دار لڑکی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔

”یہ تمہاری دوست واپس نہیں آئی۔“ انہوں نے چھوٹے
 ہی پوچھا تھا۔
 ”جب میں واپس جاؤں گی تو میرے ساتھ ہی جائے

”جی.....“ وہ کہہ کر تیزی سے وہاں سے اندر کی طرف چل دی تھی۔ دو فائدہ کے پاس آئی تو وہ بیٹھ ہوئی تھی۔

”میری امی سخت بیمار ہیں میرے جی وہاں جاؤں گی۔“

خاموش ہوئی تھی کچھ توقف کے بعد اس نے ہاں میں سر ہلا دیا تھا۔ اماں بی نے اسے کافی سارے تحائف دیے تھے خود لینے میں متامل تھی لیکن اماں بی اور فائقہ کے اصرار پر اسے قبول

وہوں اسلام آباد میں تھے۔ جانے پہچانے رستے دیکھ کر وہ ایک دم محتاط ہوئی تھی۔ وہ اس سے ہاتھ ملانے کا نام شروع نہیں ہی پوچھ چکا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ ہاتھ ملانے کے سامنے تھے۔

”آپ نے مجھے یہاں ڈراپ کیا بہت بہت شکر ہے۔“ میں اندر چلی جاتی ہوں۔ ”نجانے وہاں اماں کے ساتھ کون کون ہوگا؟ کسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے۔ اس کی ذات کا نجانے کیسے متاثر ہوگا؟ وہ عثمان فاروق کے سامنے اپنی ذات کی بے توقیری ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ عثمان فاروق ہمیں گیت سے ہی واپس چلا جائے۔“

”چلیں میں ساتھ ہی چلتا ہوں اسی بہانے آپ کی حد کی عیادت بھی ہو جائے گی۔“

”نہیں آپ کو مسئلہ ہوگا۔“ اس نے بہانے سے منع کرنا چاہا تھا۔

”جہاں میں نے اتنا سفر طے کیا ہے وہیں عیادت کے لیے جاتے مجھے قطعی تکلیف نہیں ہوگی۔“ وہ اپنی جگہ مصر تھا۔

”چلیں آئیں چلتے ہیں۔“ علم تو ہوگا ناں کس نام سے ایڈمٹ ہیں اور کس طرف؟“ حویلی سے نکلنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر کال کر کے خالہ سے ساری معلومات لے لی تھیں۔

مرتا کیا نہ کرتا؟ کے مصداق وہ عثمان فاروق کے ہمراہ اندر آئی تھی یہ کوئی درمیانے درجے کا پرائیویٹ ہاسٹل تھا۔ ریسپشن سے معلومات لے کر وہ مطلوبہ کمرے کی طرف آئی تھی۔

”دیکھیں وہاں میرے رشتہ دار بھی ہوں گے پتا نہیں وہ کس طرح کاری ایکشن دیں۔“ میں صورت حال دیکھ لوں تو پھر آپ کو کمرے میں لے جاؤں گی۔“ دھڑکی مزل پر کمرہ تھا۔ میری ہاں چڑھتے اس نے کہا تو عثمان فاروق رکا۔

”یعنی مجھے دیکھ کر وہ کچھ غلط سمجھ سکتے ہیں؟“ اس نے واضح الفاظ میں پوچھا تھا۔

”کچھ بھی سمجھیں۔“

”اوسکا پل لیں۔ پھر جو صورت حال ہوئی بتا دیجیے گا۔“

میں ادھر ہی دھت کرتا ہوں۔ ”میرے بھائیوں کے ساتھ ہی کمرہ تھا وہ اسے وہیں چھوڑ کر خود کمرے کی طرف بڑھی تھی عثمان نے اسے جاتے دیکھا تھا وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں چند لوگ جمع تھے اسے دیکھ کر فوراً چوکنے ایک کام والی ملازمہ تھی ایک حسن آرا کے ماتحت کام کرنے والی لڑکی۔

”لو آئی ماہ آئی۔“ لڑکی ماہ آرا کو دیکھ کر فوراً چپکی تھی لیکن ماہ آرا اسے نظر انداز کرتے اپنی ماں کی طرف بڑھی تھی جوا نکھیں بند کیے ملتی ہوئی تھی۔

”بڑے وقت پڑا آئی ہے تو۔“ ڈاکٹر کہتا ہے اب تیری ماں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ایک دو دن کی کہانیاں ہے بس۔“ اس لڑکی نے کہا تو اس نے بریشان نگاہوں سے ماں کو دیکھا تھا۔

”اماں۔۔۔“ اس نے ماں کا کندھا ہلایا تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔ بچی کو سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر پیدا ہوا تھا۔

”کیوں آئی تو یہاں۔۔۔؟“ وہ بھی سی آواز میں بولی تھی۔

”چا چلی جا۔۔۔ حسن آرا کو علم ہو گیا ناں تو وہ تجھے قید کر لے گی۔“ بھوکے شیر کی طرح وہ تجھے ڈھونڈ رہی ہے۔“ وہ آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

”آپ کی اس قدر خراب طبیعت کا سن کر میں بھلا کیسے کہہ سکتی تھی۔ حسن آرا کچھ بھی کرے میں آپ کو اس قدر تکلیف میں مبتلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔“

”ابھی بھی میری بات مان لے چلی جا۔۔۔ حسن آرا رات کا گئے گی اس سے پہلے یہاں سے نکل جا۔“

”میں نہیں ڈرتی اس سے جو اس کے خوف میں اپنی ماں کو موت سے لانے کے لیے تنہا چھوڑ دوں۔“ وہ دہری ہوئی تھی۔

”کیسے آئی ہے تو؟“

”فائدہ کے کزن کے ساتھ۔“

آ کر میری محنت ضائع مت کر۔۔۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ کر چلی جاؤ یہاں سے۔۔۔“ ماہ آرا ماں کے ہاتھوں پر سر رکھ کر رو رہی تھی۔

”بڑی بد نصیب ہوں میں جو تجھے اپنی طرف سے کوئی سکھ نہیں دے سکی لیکن بس یہی ایک خواہش ہے کہ تم عزت کی زندگی گزارو۔“ وہ بچی کا سر پیچھا رہی تھیں۔ ماہ آرا خاموشی سے سسکتی رہی کچھ دیر تک وہ ماں کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔

اماں اسے بار بار سمجھا رہی تھیں کہ وہ یہاں سے چلی جائے پھر اسے اماں کی بات ماننا ہی پڑی تھی۔ وہ اماں سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے جانے لگی تو وہاں موجود دونوں خواتین نے اس کا رستہ روک لیا تھا۔

”اتنی جلدی جا رہی ہو۔ حسن آرا تو تمہیں تلاش کرتے ہوئے نہجانے کہاں کہاں سے کھونچ رہی ہے اور تم ہو کہ ملتی ہی نہیں ہو۔ رات کو آئے گی علم ہوا کہ تم آئی تھیں تو ہمیں بھول کر رکھ دے گی۔ ہم تو تمہیں اب نہیں جانے دیں گی۔“ لڑکی نے کہا تو ماہ آرا نے خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں اپنی ماں کی خبر گیری کا تو کئی تھی۔“

”چلو اس بہانے علم تو ہوا کہ تم زندہ بھی ہو۔ ویسے آئی کس کے ساتھ ہو اور ہوتی کہاں ہو؟“

”اپنے کام سے کرا رہی۔ میں تم لوگوں کی غلام نہیں ہوں جو تم لوگوں کی مانوں۔“ خیر وار میرا سر روکا تو۔“ وہ لڑکی کو دھکا دے کر تیزی سے کمرے سے نکلی تھی لیکن باہر کمرے کے دروازے کے پاس کھڑے عثمان فاروق کو کچھ کرائی جگہ سہاگت ہوئی تھی۔ ملازمہ دروازہ لڑکی کو فوراً پوچھنے لگی لیکن سہاگت کا منظر دیکھ کر رک گئی۔

”آپ باہر نہیں آئیں تو میں سوچا خود چل کر آپ کی والدہ کی عیادت کر لوں۔“ وہ ماہ آرا کو کہہ رہا تھا لڑکی معنی خیز انداز میں مسکرائی تھی۔

”ارے ماہ آرا تم تو بڑی چھپی رستم لگی ہو۔ بڑی موٹی آسامی پھنسائی ہے تو نے تو۔ ویسے ہے کون یہ۔۔۔؟“

انداز بڑا عامیانا تھا اور الفاظ اس سے بھی زیادہ ناگوار۔ عثمان فاروق نے نہایت ناگواری سے دونوں کو دیکھا تھا ماہ آرا تو مزید شرمندہ ہو گئی تھی۔

”آپ یہاں سے چلیں وہ ٹھیک ہیں۔“ وہ فوراً یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔

”ایسے کیسے چلی جاؤ گی۔ حسن آرا نے شہر کا سب سے امیر بندہ تیرے لیے پھنسا لیا ہے۔ وہ تو ہماری بونیاں نوچ دے گی اگر تمہیں ہم نے جانے دیا تو۔۔۔“ وہ لڑکی پھر بہہ رہی تھی۔ عثمان فاروق نے نہایت حیرانی سے ان کو دیکھا۔

”چلیں جلدی ہے۔“ وہ فوراً آگے بڑھی تھی لیکن لڑکی نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”آرام سے اندر بیٹھ۔ میں ہاسٹل کے فون سے حسن آرا کو کال کر لیتی ہوں وہ ابھی پہنچ جائے گی۔“ اس نے زبردستی اسے اندر کی طرف گھسیٹنا چاہا تھا۔ ماہ آرا روکنا ہی چھوٹی تھی۔

”پلیز عثمان میری مدد کریں۔“ اس نے کہا تو عثمان فاروق نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

”مجھے یہاں سے لے چلیں پلیز عثمان۔“ وہ مزید کہہ رہی تھی لڑکی زیادہ مزاحمت نہ کر سکی تھی۔

عثمان کے سامنے وہ بالکل بے بس تھی عثمان نے کھینچا تو اس نے ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ ماہ آرا تیزی سے وہاں سے بھاگی تھی۔

”تو اس جھگڑے میں مت پڑ۔“ عثمان نے غصے سے استدعا کیا۔

”مجھے نہیں پتا حسن آرا نے اس کے بدلے کیا کیا ہے۔ اسے ماہ آرا کی زندگی تو اس نے آگے لے لی ہے۔“

کوئی بچ ڈالے لگا۔“ وہ در و شور سے کہہ رہی تھی۔

عثمان کو اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ لڑکی کا لب و لہجہ اس کے الفاظ و اطوار۔ وہ کس قماش کی لڑکی تھی سب کچھ واضح تھا۔ وہ اس لڑکی سے اچھے خیر تیزی سے واپس پلٹا تھا۔ میری ہاں اتر کر نیچا آیا تو وہ کہیں دکھائی نہ دی۔ وہ باہر

آیا تو وہ ایک طرف روڈ کے کنارے کھڑی تھی۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔

”آؤ میں تمہیں ڈراپ کروں۔“ وہ رو رہی تھی۔

”نہیں میں چلی جاؤں گی۔“

”کہاں؟“

”ہاٹل۔۔۔۔۔“ وہ عثمان کے سامنے از حد غر مند تھی سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔

”چلو میں تمہیں چھوڑتا ہوں۔“ اس نے دو تین بار کہا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس کے ساتھ ہوئی تھی۔

”یہ لوگ کون تھے؟“ کچھ دیر بعد عثمان نے پوچھا تو وہ بنور خاموش رہی تھی۔

”آپ کا تعلق کن لوگوں سے ہے؟“ وہ پوچھ رہا تھا اور ماہ آرا ایک دم دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو رہی تھی۔

وہ جس حقیقت کو ساری دنیا سے چھپاتی آ رہی تھی وہ آج آخر کار لوگوں پر آشکار ہونا شروع ہو چکی تھی۔ اس کی ذات بے مول ہو چکی تھی۔ کتنی مشکل سے وہ اپنا مقام بنیادی تھی اور وہ سب بے معنی ہو گیا تھا۔

”آپ پلیز روئیں مت۔۔۔۔۔ دیکھیں مجھے کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔۔ میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔“ جواباً وہ رو رہی رہی تھی۔ کچھ دیر بعد عثمان اسے ایک چھوٹے سے ریستورنٹ میں لے آیا تھا۔

”آئیں جائے پلاٹا ہوں۔۔۔۔۔ پھر آپ کو آپ کے ہاٹل ڈراپ کروں گا۔“ گاڑی روک کر اس نے کہا تو ماہ آرا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”میں کوئی ایسی دلی لڑکی نہیں ہوں۔۔۔۔۔ آپ نے جو دیکھا جو سنا وہ جو بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری ماں یا میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نفرت کرتی ہوں ان لوگوں سے اور ایک عزت کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں اور بس۔“ وہ اندر جانے کی بجائے کہہ رہی تھی۔ عثمان فاروق کی نظروں میں گرنا۔ اس کی عزت نفس پر یہ ایک گہری چوٹ تھی۔

”کیا آپ مجھے تفصیلاً بتانا چاہیں گی ہو سکتا ہے میں اس معاملے میں آپ کی مدد کر سکوں۔“ اس نے کہا تو ماہ آرا نے اسے دیکھا تھا۔ بھیگی آنکھوں میں نہانے ایسی کیا بات تھی کہ عثمان فاروق کئی ٹاپے تک اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ جواباً ماہ آرا نے اسے وہ سب کہہ دیا تھا جو اس کی زندگی کی سب سے تنگ حقیقت تھی۔

”اس سب میں بھلا آپ کا کیا تصور۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔ حالات آپ کو اس مقام پر لے آئے تھے لیکن آپ کی والدہ نے آپ کو معاشرے میں ایک باعزت مقام دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔۔۔۔۔ میں سمجھتا ہوں انسان کی اصل وجہ اس کا اخلاقی کردار ہے۔۔۔۔۔ کہ اس کا خاندانی حسب و نسب اور مراعات۔۔۔۔۔ اس نے کہا تو ماہ آرا کو لگا کہ جیسے اس کے اندر ایک سکون سا اثر گیا ہو۔ اس نے پہلی بار کسی کے سامنے اپنا آپ آشکار کیا تھا اور شکر تھا کہ اس شخص نے اس کی حقیقت جان کر اسے ذلیل نہیں کیا تھا۔

”چلیں آئیں جائے پیتے ہیں اور پھر میں آپ کو ڈراپ کروں گا۔“ اس نے پھر کہا اور اس بار ماہ آرا انکار نہ کر سکی اور وہ اس کے ساتھ اندر آ گئی تھی۔ اس دن دونوں نے بہت ساری باتیں کی تھیں۔

عثمان فاروق کا اسے اہمیت دینا ماہ آرا کو لگا کہ اسے گویا نئی زندگی مل گئی ہو اور پھر اس کے بعد اس کی زندگی میں ایک نیا باب شروع ہوا تھا۔

”عثمان فاروق کے نام کا ایک نیا باب۔۔۔۔۔ جس نے اس کی نہ صرف دنیا بدل دی تھی بلکہ فائدہ فائدہ کی زندگی میں بھی بہت سے اثرات مرتب کیے تھے۔“

مگر وہاں تھیں وہ فائدہ کی زندگی میں نہ تھیں۔ سب سے بڑھ کر عثمان فاروق جیسا انسان فائدہ کی چاہت تھا۔ وہ اکثر تیار لہجے لگتی تھی۔ جون جون عثمان سے میل ملاقات کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا ویسے ویسے ہی اس کے دل میں فائدہ سے متعلق عجیب سا حسد پیدا ہونے لگا تھا۔ اسے عثمان فاروق اپنے تمام مسائل کا حل دکھائی دیتے لگا تھا۔ کوئی بھی بات بولی وہ عثمان فاروق کے کئی اور عثمان فاروق اس کا مسئلہ منوں میں حل کر رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ فائدہ عثمان فاروق کو کیا سمجھتی ہے لیکن ماہ آرا کو اپنی تمام محرومیوں اور مسائل کا واحد حل عثمان فاروق ہی دکھائی دیتے لگا تھا۔

وہ بے شک حسن آرا جیسی لڑکیوں کی سی زندگی نہیں گزار پاتی تھی نہ ان جیسے انداز تھے اور نہ ہی اطوار۔۔۔۔۔ اس کی شروع سے ہی اولین ترجیح عزت نفس کا تحفظ اور اس گندے لودھ ماحول سے بچنا تھا لیکن اس نے زندگی کا اولین حصہ ان لوگوں میں گزارا تھا وہ بخوبی جانتی تھی کہ مرد کی کمزوری کیا ہے اور کسی بھی مرد کو ان کے ہاں کی عورتیں کس طرح اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔ عثمان فاروق کوئی فرشتہ نہ تھا جو بھٹکا نہیں۔ ماہ آرا کا عزت کی زندگی پانے کا خواب ایسا ہتھیار تھا جو اس نے استعمال کیا اور عثمان فاروق اس کی باتوں میں گمیا تھا اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ کچھ ماہ کے عرصے میں ہی دونوں کے تعلقات جس موڑ پر آ گئے تھے عثمان فاروق اسے بہت دور لے آ رہا تھا۔ اسے اپنی تمام تر محرومیوں کا نجات دہندہ سمجھتی تھی۔ دونوں کی محبت اپنے اپنے مقام پر خاموش دلی کی طرح رواں دواں تھی۔ ایسے میں وقت تیزی سے بدل گیا تھا۔

ایک نظر ہوئے تو فائدہ اب بھی چلی گئی اور ماہ آرا کو کسی اور زمین ہاٹل میں شفٹ ہو گئی تھی۔ اس کی ماں اسے ایک معقول رقم بھجوا دیتی تھیں اب اس کی بہت ساری ضروریات عثمان فاروق کے طفیل بھی پوری ہو رہی تھیں جو بھی تھا وہ عثمان فاروق کے ساتھ ساری عمر گزارنے کے خواب ضرور دیکھنے لگی تھی۔

انہی دنوں حویلی میں اماں بی نے عثمان فاروق اور فائدہ

کی شادی کی بات پھیرتی تو عثمان فاروق جیسے سے اکھڑ گیا تھا۔

”میں فائدہ سے کبھی بھی شادی نہیں کروں گا۔“ صاف انکار کر رہا تھا۔ اماں بی نے لاکھ بھجایا لیکن لاڈلے سندی بیٹے کی ضد نہ ہوتی تھی۔

”اگر فائدہ سے شادی نہیں کرتی تو پھر کس سے کرو گے؟“ ابھی تک انکاراں بیٹے کے درمیان ہی تھا ایک دن ٹھٹھا کر اماں بی نے پوچھ ہی لیا تھا۔

”ماہ آرا۔۔۔۔۔“ وہ ایک انداز تھا۔

”کون ماہ آرا۔۔۔۔۔؟“ کافی دیر پہلے ان کی حویلی میں رہنے والی فائدہ کی دوست وہ لڑکی اماں بی کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہ تھی۔

”فائدہ کی دوست۔“ اماں بی تو حیرت سے پتھر بن گئی تھیں۔

ایک عام سی لڑکی کے لیے وہ ان کی عزیز از جان بھانجی کو چھوڑ رہا تھا۔ وہ عام سی لڑکی جس کی اضافی خولی صرف اس کا باپ کا حسین ہونا تھا۔ وہ حیران تھیں کہ وہ عام سی لڑکی بھلا کب عثمان فاروق کی زندگی میں داخل ہوئی تھی اور انہیں خبر تک نہ ہوئی تھی۔

”ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔“

”تو ٹھیک ہے آپ میری شادی کا خواب دیکھنا بھول جائیں اگر ماہ آرا انہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔“ اس کا انداز اہل تھا۔ خطرے سے بہت گیا تھا۔

اماں بی نے شوہر اور بیٹے سے بات کی تھی دونوں نے عثمان کو بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن سب بے سود تھا۔ اماں بی پریشان اور پتھر بننے لگی تھیں انہوں نے ہر کوشش کر لی تھی لیکن عثمان فائدہ سے شادی پر ماہ آرا ہی نہ ہو سکا تھا۔ فائدہ شروع میں عثمان کے سرد رویے کو اس کا مزاج سمجھتی تھی لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا تو اس پر یہ عقہہ چلنے لگا کہ عثمان فاروق اس کو پسند نہیں کرتا۔ یہ اخلاقی شخص لا پرواہی کے سبب نہ تھی بلکہ کسی اور وجہ سے تھی اور جب اماں بی اور عثمان فاروق کے درمیان کی رسد کشی بڑھنے لگی تو بات اس تک

بھی پہنچ گئی تھی۔

وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ یہ جان کر اس کے دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا لیکن وہ لڑکی اس کی عزیز از جان دوست ماہہ را تھی اس بات سے وہ ابھی بھی بے خبر تھی۔

ایک دن عثمان فاروق اس کے پاس آیا تھا اپنی پسند کا بتا کر دل کی بات کرنے جب اس نے ماہہ را کا نام لیا تو فائقہ کو لگا کہ گویا زمین و آسمان گھونسنے لگے ہیں۔

وہ صدمہ تھی۔ عثمان فاروق کسی اور کو نہیں اس کی پیاری دوست ماہہ را کو پسند کرتا تھا۔ فائقہ باجی حویلی آئی ہوئی تھیں۔ اس نے یہ بات ان کو بتائی تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”تمہیں تو میں شروع سے ہی سمجھتی آئی ہوں کہ اس دوست سے محتاط رہو کیونکہ کیا تاں اپنا اعتماد وہ آخر کار عثمان کو ہی لے لڑی۔“

”ہو سکتا ہے یہ محض عثمان کی ہی خواہش ہو ماہہ را بے خبر ہو۔“

”اشفاق بتا رہے تھے لڑکی بھی آمادہ ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے ہیں ماہہ را کی مرضی سے سب ہو رہا ہے۔“ فائقہ بے یقین تھی۔ وہ بہت دن تک اسی بے یقینی میں رہی اور پھر ایک دن عثمان فاروق سے سامنا ہوا تھا۔

اب اکثر ایسے ہوتا تھا کہ جب بھی کبھی عثمان سے سامنا ہوتا تو وہ رخ موز کر چلی جاتی تھی تب بھی وہ جانے لگی تھی لیکن عثمان کی پکار پر رک گئی تھی۔

”فائقہ رو۔۔۔۔۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“ اس نے کہا تھا۔

”لیکن مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ وہ پھر سے جانے لگی لیکن عثمان فاروق اس کے سامنے گیا تھا۔

”میں جانتا ہوں تم بہت ہوئی ہو لیکن فائقہ کیا یہ بہتر نہیں کہ ساری عمر ایک ان چاہی زندگی گزارنے کی بجائے ہم اپنی مرضی اور خواہش کی زندگی گزار لیں۔ میں ماہہ را سے محبت کرتا ہوں اور تم جانتی ہو میں کوئی تھرو کلا ہوں جو روز بروز لڑکیاں بدلتا پھروں۔۔۔۔۔ ماہہ را۔۔۔۔۔ ست ہے تم

اچھی طرح جانتی ہو کہ وہ بھی عام لڑکی نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہم دونوں بہت سنجیدہ ہیں تم پلیز اماں بی کو سمجھا دو وہ یہ ضد چھوڑ دیں وہ اگر میری بات نہیں مانیں گی تو میں یہ حویلی تک چھوڑ دوں گا۔“

انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔ فائقہ نے بہت خاموشی سے سب سن لیا۔ وہ آہستہ بہت یقین کرتی تھی لیکن اس نے تو پیچھے ہٹ کر چھوڑنا تھا۔ وہ اس رات اماں بی کے پاس آئی تھی۔

”آپ عثمان فاروق کی بات مان لیں کیوں نہیں لیتیں۔“

”میں بھلا کیسے مان لوں ایسی لڑکی کے لیے جس کے خاندان کا کچھ اتنا نہیں۔۔۔۔۔ جن کی کوئی مالی حیثیت نہیں اور سب سے بڑی بات تمہاری جگہ میں کسی اور کو کیوں دے دوں۔ زبردستی کسی؟ شروع سے عثمان آگاہ تھا کہ ہم اس کی شادی تم سے کریں گے۔“

”لیکن وقت ایک سا نہیں رہتا ہمیشہ۔“

”ہمیں وہ لڑکی تمہاری دوست کی حیثیت سے تو پسند آتی تھی لیکن ہم اسے بہو نہیں بنا سکتے۔“ اماں بی اپنی جگہ اٹل تھیں۔

”پلیز آپ مان جائیں۔۔۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ لوگوں میں دوریاں پیدا ہوں اور میری وجہ سے کوئی اختلافات آئیں۔“ اماں بی رو رہی تھیں۔ انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔ وہ اگلے دن خود سے عثمان فاروق کے پاس گئی تھیں۔

”میں تمہاری خواہش قبول سے لیکن ہماری بھی ایک شرط ہوگی۔“ عثمان فاروق نے ماں کو دیکھا۔

”ہمارے خاندان میں لڑکے ہوئی کے جوش میں اکثر ایسی غلطیاں کر لیتے ہیں لیکن خاندان نہیں چھوڑتے تمہارے دادا کی دویہاں میں تمہارے بچا کی بھی دویہاں تھیں لیکن دونوں نے خاندانی حفظہ مراتب کا خیال رکھا تھا اور تم نے جس لڑکی کا انتخاب کیا ہے اس کے بارے میں کوئی شک نہیں جانتا۔“

”لیکن میں جانتا ہوں وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔“

”ہوگی۔۔۔۔۔“ اماں بی کے انداز میں تا کواری تھی۔

”لیکن ہماری شرط نہیں ماننا ہوگی۔“

”کیسی شرط؟“

”تمہیں ماہہ را سے پہلے فائقہ سے شادی کرنا ہوگی فائقہ ہی ہماری پہلی اور خاندانی بہو ہوگی اور تم اپنے دل کی خواہش پر اس لڑکی سے شادی کر کے اسے کہیں بھی رکھ سکتے ہو لیکن ان احوال تمہیں فائقہ سے شادی کرنا ہوگی۔“

”میں ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔“ وہ مکمل طور پر انکاری تھی۔

”میں جانتی ہوئی زندگی نہیں گزار سکتا۔۔۔۔۔ میری زندگی میں صرف اور صرف ماہہ را کی ہونی اور بس۔“

”تو پھر ٹھیک ہے ہم تمہارے بابا صاحب کو کہہ دیتے ہیں اگر تم نے اس لڑکی کو اپنا تو پھر ہمارے سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔“ عثمان نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے وہ عجیب سی نگاہ میں تھا۔ وہ ماہہ را سے ملنے آیا تو ماہہ را نے ساری صورت حال سن کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

وہ زمین و آسمان سے لاتعلقی عثمان فاروق کے ساتھ زندگی گزار تو لیتی لیکن یہ زندگی بہت ساری محرومیوں پر مشتمل ہوتی اور وہ ایسی زندگی نہیں چاہتی تھی اس نے بہت سوچا اور پھر عثمان سے کہہ دیا تھا۔

”تم فائقہ سے پہلی شادی کرو عثمان۔۔۔۔۔“

”کیا کہہ رہی ہو ماہہ را۔۔۔۔۔“

”میں جانتی ہوں فائقہ تم سے بہت محبت کرتی ہے بڑے بچے بھی تمہارا خاندان مجھے کبھی بھی قبول نہیں کرے گا۔۔۔۔۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے بس تمہاری محبت اور تمہارا نام چاہیے۔ تم شادی کرو پلیز۔“ عثمان حیران ہوا تھا۔

اس کی نظروں میں ماہہ را کی عظمت اور بڑھتی تھی جو اپنی محبت فائقہ سے بانٹنے کو تیار تھی۔ وہ اسے سمجھ رہی تھی اور پھر اس نے اسے قائل کر لیا تھا۔ عثمان نے اماں بی کو شکر جواب دے دیا تھا۔ اماں بی مطمئن تھیں۔ انہوں نے فائقہ سے بات کی تھی اس نے انکار کر دیا تھا۔

”مجھ اب عثمان سے شادی نہیں کرنی۔“

”وہ ماہہ را کو چھوڑ دے گا۔۔۔۔۔ میری اس سے بات ہوئی ہے وہ خود راضی ہے۔“ انہوں نے اسے قائل کرنا چاہا تھا وہ حیران ہوئی تھی۔

”ایسے کیسے چھوڑ دے گا ماہہ را کو۔۔۔۔۔؟“

”بس میں نے بہت سمجھایا تھا اس نے میری بات مان لی۔“ وہ حیران تھی اماں بی نے اسے سنایا تھا۔ دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ اماں بی نے دل کے سارے ارمان پورے کیے تھے۔

شادی کی رات فائقہ عثمان فاروق کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی عثمان یا تو اس اندر حسین دلہن دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا۔

”میں نے اماں بی کو صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا لیکن ان کی منہ جی کہ تم سے شادی ہو وہ خوش ہیں لیکن میں خوش نہیں ہوں تم سے شادی میری مجبوری تھی کہ وہ اسی صورت ماہہ را سے میری شادی کروانے پر آمادہ ہوئی تھیں۔“

الفاظ تلخ کہ گھٹا ہوا سیسہ۔ فائقہ تو ٹھٹھکی رہی تھی۔ یہ کوئی تعریف نہ کوئی توصیف اور بس چند الفاظ۔۔۔۔۔ اس کے احساسات خمد ہونے لگے تو وہ ہنہ کر دوش روم میں بند ہوئی تھی۔ وہ خوب روٹی تھی اور گویا صبح اماں بی سے خوب لڑی تھی۔

”یہ میری ذات کی تو ہیں تھی آپ نے میرے ساتھ غلط بیانی کی مجھے عثمان فاروق سے شادی نہیں کرنی تھی۔ بہت غلط کیا آپ نے میرے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کے ساتھ بھی۔“ وہ روٹی رہی تھی۔ اماں بی نے محبت سے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔ وہ ابھی خوشخبرہ دے چکی تھی۔

”میں نے بہت سوچا مجھ کو فیصلہ کیا ہے۔۔۔۔۔ اسی صورت میں اسے اس لڑکی سے شادی کے لیے روک سکتی تھی۔ عثمان کی زندگی پر صرف اور صرف تمہارا حق ہے اور یہ حق میں کسی اور کو بھلا کیسے دے دیتی۔“ وہ روٹی رہی تھی۔ وہ اس جھوکاؤں کے حق میں نہ تھی۔

بلکہ وہ تو ماہہ را کے لیے عثمان فاروق کے جذبات جاننے کے بعد اس کی زندگی میں بھی شامل ہونے کے حق میں نہ تھی لیکن اماں بی کی وجہ سے وہ جھوک کھائی تھی۔

عثمان کے ساتھ زندگی کی شروعات بہت تکلیف دہ تھیں۔ عثمان فاروق کے دل و دماغ میں صرف اور صرف ماہہ

آرا تھی، فائقہ تو بس گھر والوں کی خواہش تھی اور فائقہ وہ ان چاہی زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ اس نے عثمان فاروق سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

”وہ ماہ آرا سے جب چاہے شادی کر سکتا ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

اماں بی بی کی خواہش تھی کہ وہ فائقہ کو لے کر کہیں چلا جائے اس طرح دونوں کے درمیان تعلقات بحال ہو جائیں گے لیکن فائقہ کے دل سے ہر احساس مٹ گیا تھا۔ وہ عثمان فاروق کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے اسلام آباد آئی ہوئی تھی۔ وہ سارا سارا دن ہونے کے کمرے میں تیار رہتی اور عثمان باہر چلا جاتا تھا اور پھر ایک شام وہ واپس آتا تو کافی تھکا ہوا تھا۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ فائقہ نے پوچھا تو اس نے اسے دیکھا۔

”نہیں.....“ وہ نکھیں بند کر کے لیٹ گیا تھا۔

”ماہ آرا کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے آج.....“ کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تھا۔

”اوہ.....“ وہ آہنی افسردہ ہوئی تھی۔

”کہاں ہے ماہ آرا؟“

”ہاسٹل میں رہ رہی ہے۔“

”اپنی ماں کی وفات پر نہیں گئی کیا وہ؟“

”نہیں۔“

”مجھے اس کے پاس لے چلیں گے کیا؟“

”کل تیار رہنا۔“ وہ کہہ کر روت بدل گیا تھا اور فائقہ کمرے میں بیٹھ رہی تھی۔

اگلی صبح وہ عثمان کے ساتھ اس ویمن ہاسٹل میں آئی تھی۔

ماہ آرا شہت سے بھر رہی تھی۔

”میں بالکل تیار رہ گئی ہوں۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ فائقہ نے

ایک گہرا سانس لیا تھا۔ امتحانات کے بعد اب ملاقات ہو رہی تھی۔

فائقہ نے ہمیشہ اسے اپنی حقیقی اور مخلص دوست سمجھا تھا

لیکن یہ لڑکی..... اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ کچھ وقت

گزار کر وہ واپس ہوئی میں آگئی تھی۔ رات کو اس نے عثمان

آپ دنیا کے کسی بھی خط میں سب ہوں

نئے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلیر مزہ فراہم کرتے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ (شامل رجسٹرڈ ذات خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

میدل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے

5000 روپے

قریب ساؤڈی عربی آرمینی گرام اور سرائیوین کے

فریے بھیجی جا سکتی ہیں۔

مقامی افراد

ایڈیٹر ایس اے ایم

0316-0128216

مونیٹنگ ایس اے ایم

0300-8264242

ادارہ ناشر اور قلمی

0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلیکیشنز

کسٹمر سروس ڈیسک 24 گھنٹہ کاروبار

922-3562077/1/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Info@aanchal.com.pk

فاروق سے کہا تھا۔

”ماہ آرا اب بالکل تیار ہے مجھے کنفرمنس نہیں لیکن اندازہ ضرور

ہے کہ آپ اس کے منہ سے بے خبر نہیں ہوں گے۔“ عثمان

فاروق نے سوالیہ نظروں سے فائقہ کو دیکھا تھا۔

”میرا مطلب ہے ماہ آرا کی خاندانی حیثیت وغیرہ

..... جو کہ لوگوں سے تشکیک کر سکتی ہے وغیرہ۔“

”کیا جانتی ہو تم اس بارے میں؟“

”بہت کچھ سب کچھ جو اس کے بارے میں مشہور تھا۔“

وہ فیس دی عثمان کو بہت برا لگا۔

”لوگ تو کسی کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔“

”لیکن سیانے کہتے ہیں کہ..... زبان ظلیق کو تھارا خدا

سمجھو۔“

”کیا کہنا جانتی ہو تم؟“ وہ فیس دی۔

”ماہ آرا سے شادی کر لیں اماں بی اور باقی لوگوں کو ممانہ

میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ

اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں کچھ وقت

گزرے گا تو سب کچھ ٹائل ہونے پر واپس آ جائیے گا جب

تک اماں بی اور باپا صاحب بھی مان چکے ہوں گے۔“ وہ غصے

دوست کی طرح مشہور دے رہی تھی۔ عثمان فاروق نے اسے

دیکھا۔

”اور تم کیا کرو گی؟“ فائقہ فیس دی۔ بڑی خود اعتمادی تھی

اس بی بی میں۔

”میری پھوپھو صاحب اپنے دل کی مانیں..... میں

خوبی میں رہ رہی ہوں۔“ عثمان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ کسی

بھی چیز کی کمی تھی اس میں۔

وہ آرا زندگی میں شامل نہ ہوئی تو وہ اس کو اپنا کر بہت

مطمئن ہو گیا۔ وہ اس کی طرف آیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھا تو فائقہ

نے الجھ کر دیکھا تھا۔ ان دونوں کے درمیان بھی ایسا کوئی لمحہ ہی

نہا تھا کہ عثمان نے شیطانی سے بھی فائقہ کا ہاتھ پکڑا ہوا۔

”مجھے اندازہ ہو رہا ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔“

فائقہ نے کچھ سمجھ لیا تھا۔

www.pakfunda.com

http://pakfunpace.blogspot.com

www.eurdulibrary.com

http://pakfunpace.blogspot.com

بٹوالہ

نادیہ احمد

اس نے بھیجے ہیں چاہت میں اپنے ہوئے	پھول خشبوہ حنا چوڑیاں عید
کاش وہ آجائے جس کے ہیں منتظر	میرا دل مام و در کھڑکیاں عید



میں بند رہتی تھی۔

وہ دونوں میاں بیوی کی زندگی میں دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔ ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ اسے پتا چلا کہ ماہ آرا ایک سپیکلڈ ہے اس نے ماہ آرا کو مہربانک یاد دلائی تھی۔ ماہ آرا جو پہلے ہی عثمان فاروق کی آنکھوں کا ہمارا بھی لب ہاتھ کا چھلاا تھی بن گئی تھی۔

فائقہ نے فارغ رہنے کی بجائے وہاں کے انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لے لیا تھا۔ وہ فیشن ڈیزائننگ کے کچھ کورسز کرنے گئی تھی۔ اس کا وقت بہتے مصروف گزارنے لگا تھا۔ اسے ماہ آرا کا عثمان فاروق کے ہونے کا پتا نہ ہونے سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں اب کتنی بڑی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بڑی تیزی سے وقت گزرا تھا۔ ماہ آرا کی طبیعت کافی خراب رہنے لگی تھی۔

عثمان فاروق نے فائقہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ ماہ آرا کا اس کی غیر موجودگی میں خیال رکھ لیا کرے ماہ آرا ابھی مجبور تھی ایسے میں فائقہ گھر کے اکثر معاملات دیکھ لیا کرتی تھی اور پھر ایک رات ماہ آرا نے ایک پیاری سی بچی کو جنم دیا تھا، بچی اتنی کیوت اور پیاری تھی کہ فائقہ کو اسے دیکھ کر بے اختیار پیار آ گیا تھا۔

ماہ آرا نے بیٹی کا نام "ماہربخ" رکھا تھا۔ بچی کی ذمہ داری کافی حد تک فائقہ نے اٹھائی تھی۔ بچی اس سے کافی مانوس ہو چکی تھی۔ ماہ آرا کو کبھی وقت کے ساتھ اندازہ ہو چکا تھا کہ فائقہ ایک بے سرسری لڑکی ہے وہ اس کے اور عثمان فاروق کے درمیان کبھی بھی آنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ بس یہی سوچ کر وہ فائقہ کے ساتھ ٹال ہوئی تھی۔

لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم عثمان کے ساتھ ہی جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ہر جگہ رہا کرو۔ عثمان فائقہ کے بھی پیچھے رہ کر دیکھو تمہارے ساتھ جائے گی۔

"اتنی جلدی پیچھے رہی نہیں ہوں گے میں تو ٹیکسٹ ویک جاد رہوں۔" اماں نے بچی کی سے بڑے کڑکھاتھا۔ رات کو انہوں نے فائقہ سے بات کی تھی۔

"عثمان امریکہ کیوں جا رہا ہے؟"

"یہ بات آپ عثمان سے ہی پوچھ لیں۔"

"میں دیکھ رہی ہوں کہ تم دونوں کا رشتہ بس نام کا ہے۔ فائقہ خاموش رہی تھی۔ نہ تصدیق نہ تردید کی تھی۔

"میں عثمان سے بات کرتی ہوں اس طرح زندگی نہیں گزارنے والی۔ شادی کی ہے تو اب بھلائے بھی۔" وہ تب بھی خاموش رہی تھی۔ عثمان کچھ دن بعد امریکہ چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے اس سے سننے آیا تھا۔

"ماہ آرا ابھی ساتھ جا رہی ہے؟" اس نے سرسری سا پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ وہ مسکرائی۔

"مٹلک۔۔۔ وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی اور عثمان فاروق نے چند لمبے اسے جاتے ہوئے بغور دیکھا تھا اور پھر وہ اگلے دن چلا گیا تھا۔ اماں نے فائقہ کو کچھ نہیں بتا دیا تھا۔ فائقہ نے کسی سے بھی عثمان کی ماہ آرا سے شادی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس نے عثمان کو بھی منع کر دیا تھا۔

انہوں نے اشفاق سے کہہ کر فائقہ کے کاغذات تیار کروانے شروع کر دیے تھے۔ فائقہ امریکہ جانے کو رضامند نہ تھی لیکن اماں نے بابا صاحب اور فائزہ آپنی سب باندھتے اور پھر تین ماہ بعد وہ بھی امریکہ آئی تھی۔ اماں نے عثمان کو دل کر دیا تھا وہ رہے ہو کر آئے یا تھا۔ دونوں میں کھنک رہی بات چیت ہوئی تھی۔ وہ گھر آئی تو ماہ آرا کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ چند دھمکی دے کر کیا سے کیا ہوئی تھی۔

وہ جو پہلے ہی خوب صورت تھی اب خوب صورتی کا شکار بن چکی تھی۔ اس نے نوٹ کیا تھا کہ ماہ آرا کو فائقہ کی آمد ابھی نہ گئی تھی۔ لیکن وہ خاموش رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے

حئی علی الفلاح
حئی علی الفلاح

فنا میں اذان کی گونجتی پُر کیف آواز فلاح کی طرف بلاتی جاگنے والوں کے دلوں پہ دستک دے رہی تھی۔ قریبی مسجد سے مؤذن صدائیں لگاتے لگاتے کھلے کھلے گویا غلام دے رہے تھے۔ لوگوں بھلائی کی طرف آواز مٹا کر طرف آگئے۔ مبارک مہینہ ہے تمہاری ہر نیکی اور اجر کو ستر گناہ کر کے لوٹایا جائے گا پیچھے مت رہ جانا کہ زندگی بے ثبات و فانی ہے۔ کیا جاگلے سال تمہارے حصے یہ متبرک ساتھیوں آئیں۔ آئیں نیکیوں سے جھولی بھر لو کہ رشتوں اور برکتوں کا پائیزہ ماہ شروع ہوا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سحری کے بعد برتن دھو کر نوکری میں رکھتے اس نے جھانک کر لاؤنج میں گئی گھڑی پر نگاہ کی۔ نماز کا وقت ختم ہونے والا تھا۔ گھر کے سب ہی لوگ سحری کے بعد نماز سے فارغ ہو کر ہوائیں بستر میں مل جاتے تھے اس وقت کے برتن فرخندہ نے اس کے ذمہ لگائے تھے اور وہ سستی کی ماری سحری کے بعد لاؤنج کے صوفہ پہ بیٹھیں موندے بیٹھی رہی۔ وہ تو فرخندہ کی جھاڑ پہ بچپن میں بھاگی۔ تابندہ اپنے برتن دھو کر رکھ رہی تھی۔ سر پہ لپٹے دوپٹے سے اندازہ ہو رہا تھا نماز وہ پہلے ہی پڑھ چکی ہے۔ بلی نے کھیا نے انداز میں ہنستے تالی کو دیکھا۔ جو اب انہوں نے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورا۔ سنک میں برتن زیادہ تو نہیں تھے لیکن اسے تو تھوڑا سا کام بھی وہاں جان لگتا تھا۔ بے بسی سے اپنے لیے ہاتھوں کو دیکھتے اس نے منہ ہی منہ سنک مال کی بے نیکی پر بڑبڑاتے برتن دھو کر شروع کے اور اب برتن دھو کر سنک خشک کر کے نماز کا وقت نکل گیا تھا۔ بھانم بھاگ وہ بچن سے نکل کر ہاتھ روم میں جا چکی اور وضو کر کے جائے نماز اٹھائے لاؤنج میں ہی آگئی۔ جلدی جلدی نماز پڑھ کے سلام پھیرا تو صوفے پہ سکون سے انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اسے بڑی محویت سے اپنی طرف دیکھتے دیکھ کر ایک مل کو تو حیران ہی رہ گئی۔ پھر

گھبرا کر اچھڑا اور دیکھا کہیں ماں یا تائی میں سے کوئی وہاں ناگھڑا ہوا اور پھر گھور کر دیکھتے اشارے سے پوچھا کہ ”وہ اس وقت یہاں کیا کر رہا ہے؟“ نفی نے اس کے گھورنے پہ مسکراتے کلائی کی طرف اشارہ کیا اور پھر سرگوشی کے انداز میں بتایا۔
”آج سے اس کا آفس جلدی شروع ہو رہا ہے اور وہ بس تیار ہونے جا رہا ہے۔“ آنکھوں ہی آنکھوں میں اچھا کہتے اس نے غیر ارادی سے انداز میں سر کی چادر درست کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے لیکن اب وہاں نفی کی طرف تھا کہ دیکھے بنا بھی اندازہ تھا وہ اسی کو دیکھ رہا ہے۔ بے اختیار دعاؤں میں ہی اس بل وہی شامل ہو گیا اور اللہ سے اس کے ہاتھ ساتھ کی دعا مانگی تھی۔ یہ اور بات کہ اپنی دعا میں اسے جلدی پوری ہوتی نظر نہیں آتی تھیں پر دل کو یقین تھا ایک تا ایک دن کوئی معجزہ ان دونوں کی راہ کی مشکلیں آسان کر دے گا۔ بس اسی گمان کے ساتھ وہ ہر بار دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی کہ کیا پتا کون سا وقت قبولیت کا ہو۔ آج بھی اسی صدق کے ساتھ اس نے دعا مانگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

نفی اور بلی دونوں تالا پچی کے بچے تھے۔ دونوں نے کاشا تا عظم میں آنکھ کھولی اور ایک ساتھ جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھا۔ اس وقت گھر میں اعظم صاحب کا حکم چلتا تھا تو حکومت خارجہ بانو کی تھی۔ دونوں بیٹیوں کلیم اور سلیم کی باپ کے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کی تو دونوں بہنوں تابندہ اور فرخندہ کی ساس کے آگے ٹھکی بندھ جاتی تھی پر زبان سے مجال سے جو بھی ایک لفظ بھی نکلا ہو۔ پھر ایک ایک کر کے آگے پیچھے اعظم صاحب اور خارجہ بانو کا انتقال ہو گیا تو گھر پہ دونوں بہنوں کی اجارہ داری قائم ہوئی۔ بیٹے تو ماں باپ کی بدولت ہمیشہ سے ایک دوسرے کے شکے تھے لیکن تابندہ اور فرخندہ کے مزاج مختلف تھے۔ فرخندہ کی خواہش تھی گھر میں دیورانی اپنی چھوٹی بہن کو پائندہ کو بنا کر لائیں لیکن خارجہ بانو دو بہنوں کو دونوں بیٹوں سے بیاہنے کے حق میں تھیں اس لیے اپنی مرضی سے فرخندہ کو

بیاہ لائیں۔ ایک تو اول روز سے دیورانی سے دل نامل رکھا کہ دل میں ارمان تھا اس کی جگہ اپنی سگی بہن کو دیکھنے کا تو باقی کی کسر پوری کر دی دیورانی صاحبہ کی تنگ مزاجی نے۔ ساس کے سامنے تو بہت ناگھی پر جیٹھائی کی بات سننا تو جیسے اسے عذاب لگتا تھا۔ اسی لیے گھر کے بڑوں کے آنکھیں موندتے دونوں نے ہی الگ گھر کا تھہہ کر ڈالا۔ کلیم اور سلیم کو الگ رہنا منظور تھا تو دوسری طرف نفی اور بلی بھی اس حق میں نہیں تھے۔ بچپن سے جوانی کا سفر کرتے دونوں کے جذبات دوستی سے آگے نکل کر محبت کی پیر حد میں داخل ہو رہے تھے۔ ان حالات میں تو خواہش تھی دونوں کی طرح وہ بھی ایک ہو جائیں لیکن یہاں تو دونوں کی ماؤں نے ہر دن گھر کو پالی پت کا میدان بنایا ہوتا تھا۔ مسئلہ سوئی کی ٹوک برابر ہوتا دونوں کی تان الگ گھر کی ڈیراٹھ پہ جا کر نوتی۔ سگی جھاڑو بھی برتن بھی کھانا پکانے پہ روز ہی کوئی تا کوئی جھڑا گھر میں منہ کھولے کھڑا ہوتا اور سب کا سکون غارت کرتا۔ ان حالات میں بہت سوچ بچار کے بعد دونوں بھائیوں نے یہی حل نکالا کہ گھر کا بوزارہ ہو جائے۔ کم سے کم اس طرح انہیں گھر چھ کر الگ نہیں ہونا پڑے گا اور کیا پتا ایک ہی گھر رہے کسی دن تابندہ اور فرخندہ بھی ایک ہو جائیں لیکن پچھلے چھ سال سے وہ خوش نصیب دن نہیں آیا تھا لیکن امید کا دھاوا جو آج بھی روشن تھا اور اس لیے کی کو نفی اور نفی کی محبت نے تابندہ اور فرخندہ کے آمدگی و طوفان سے بچا رکھا تھا۔

یعنی باورچی خانہ تک جاتی تھی۔ اب حالات کچھ اس طرح تھے کہ آدھا کھن لاؤنج اور باورچی خانہ دونوں کے پاس تھا۔ یہاں تک کہ لاؤنج میں رہی کھانے کی میز جو اتفاق سے سالوں سے درمیان میں ہی رہی تھی یہ بھی لکیر لگا کر آدھا آدھا کر لیا گیا تھا۔ نفی و نفی البتہ مشترک تھا لیکن صوفے دونوں طرف الگ تھے۔ سارا دن گھر کے کام کاج کرتے کھانا پکاتے نفی و نفی دیکھتے یہاں تک کے کھاتے بیٹے بھی ایک دوسرے کو دیکھا جاتا لیکن گفتگو کرنے پہ پابندی تھی اور ظاہری بات ہے یہ پابندی تابندہ اور فرخندہ کی لگائی گھر کے اندر تک ہی محدود تھی۔ گھر سے باہر کلیم اور سلیم ہوں یا نفی اور نفی مل ملاقات کرتے خوش ہاں رہتے تھے البتہ گھر میں داخل ہوتے ہی اجنبی بن جاتے۔ نفی نے اسی سال تھوڑا ڈوڑن میں ایم اے سوشیا لوجی کرنے کے بعد ملازمت شروع کی تھی جبکہ ایف اے میں دو بار انگریزی میں پہلی آنے کے بعد تنگ آ کر پہلی آنے کی کام کا انتخاب کیا اب وہ بی اے کے آخری سال میں تھی اور امید واثق تھی کہ ان شاء اللہ دو تین سال میں شاندار طریقے سے بی اے کی ڈگری لے کر خاندان کی پہلی بی اے پاس لڑکی کا اعزاز حاصل کر لے گی۔

ای وقت پسند کر کے خوشی خوشی گھر سے نکل رہے تھے جب نئی بے چارے والے پٹانے محن میں چھوڑ کر ان بیچاروں کی دیوالی کر ڈالی۔ اس افتاد پر پہنچے ہی تھے وہ سر پہ پیر رکھ کر بھاگے واپس پلٹ کر تار دیکھا۔ دوسرے سر پہ آنے والوں کو پہلی نے خود ہی چائے میں نمک مرچیں ڈال کر سر سے اتارا۔ فرخندہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا خون ہی کی بجائے لیکن فائدہ بھی کیا ہوتا اس کے ڈیر پھولا بننے کا۔ بی نے صاف کہہ دیا تھا کہ مرنے کی بجائے لیکن کسی ایرے غیرے سے شادی نہیں کرے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رمضان کے پہلے دن کا سورج سوائیزے پہ کھرا اپنی تپش سے اہل زمین کو جھلساتا اللہ کی یاد دل رہا تھا۔ ایسے میں روزے کی حالت میں پیاس اور گرمی سے بے حال ہوتا غمی گھر میں داخل ہوا تو شام ہو چکی تھی۔ حالانکہ دفتر تو جلد بند ہو گئے تھے مگر سڑکوں پر ٹریفک کا اثر دھام ایسا تھا کہ اللہ کی پناہ۔ گھر میں اس وقت بس خواتین ہی تھیں کہ کلیم اور سلیم تو کدہ دار لوگ تھے۔ پتا تھا آخری منٹ پہ ہی گھر آئیں گے۔

”ای کیہاں ہیں؟“ اس نے محن سے ہی صدا لگائی۔
”کن میں ہوں غمی۔“ تابندہ باورچی خانے میں کھڑی سالن بھون رہی تھیں۔ وہیں سے کھڑے کھڑے جواب دیا۔ البتہ تاک چڑھا کر دوسری طرف کھڑی پہلی کو دیکھا جس کی آنکھوں میں جگنو ٹنڈر ہے تھے غمی کی آواز سن کر۔

”اگر سواہ..... بڑی زبردست پکڑوں کی خوشبو آ رہی ہے۔“ اندر آتے ہی تاک سیکڑتے اس نے تہرہ کیا۔ کن انھیوں سے پہلی کو دیکھا جو آٹا گوندھ رہی تھی البتہ کڑا اسی میں تیل ڈالے فرخندہ دھڑا دھڑا پکڑے تل رہی تھی۔
”آلو قیر پکا رہی ہوں۔ پتا ہے نہ ڈاکٹر نے تمہارے ابا کو تیل والی چیزوں سے منع کیا ہے۔ ہم نہیں بناؤں گے اس بار پکڑے۔ فقط دل کی بیماری..... مونہہ“ تنہ لہجے میں کہتے تابندہ نے گھور کر بیٹے کو دیکھا اور ایک ہی ڈائلاگ سے دیوانی کے تھوون میں آگ لگادی۔

”ابا کونج کے ہیں۔ مجھے تو بلند پریشی راول کا مرض نہیں۔ تھوڑے سے بتائیں میرے لیے۔“ روزے کی حالت میں تو ویسے ہی طبیعت خوشبو کی طرف مائل ہوتی ہے اس نے لپچائے ہوئے انداز میں ماں سے درخواست کی لیکن انہوں نے صاف انکار کرتے اسے بچن سے نکل دیا۔

”ای تھوڑی سی افطاری تیار کی کو بھیج دیجئے ہیں۔“ ایلے آلو چھلٹے پہلی نے مائی کے بچن سے نکلتے ہی عاجزی سے ماں سے درخواست کی۔ فرخندہ تو پہلے ہی تابندہ کی بات پہ تکی کھڑی تھی۔ پہلی کی آرزو سن کر برداشت ختم ہوئی۔ ایک دم غصے سے جواب دیا۔

”تایا جی بول کا مرض ہے ان کے گھر بیل کی بیماری بھیج کر انہیں اور پر پانچا نے کی مٹنا ہے کیا۔ سنا نہیں تمہاری مائی تکی باتیں سنا کر گئی ہے۔“ کلیم کا ڈنٹر پہ مٹتے فرخندہ نے باقی کا غصہ اس پر نکالا۔

”چھوڑیں مائی اب یہ راضی کی باتیں۔ آج پہلا روزہ ہے ویسے بھی افطار کروانا تو ثواب کا کام ہے۔“ پہلی نے ماں کا غصہ کم کرتے پیار سے سمجھایا۔

”یہ اٹھا سارے پکڑے اور باہر محلے میں دے آ ڈیروں ثواب ملے گا۔“ ہاتھ جھٹکتے فرخندہ نے پہلی کو اسی کی چال میں مات دی۔ وہ منہ پھلائے پیر پختی مکن سے باہر چلی گئی۔

”سب پتا ہے مجھے کس کو افطار کروانے کو مری جاری ہے۔“ فرخندہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی جلدی جلدی افطار کا سامان تیار کرنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے لاؤنڈ انکسیر سے اذان کی آواز بلند ہوئی تو سب لوگ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میز کے ایک طرف تین گرہیوں پہ کلیم تابندہ اور غمی بیٹھے تھے تو دوسری طرف رکھی تین کرہیوں پہ سلیم فرخندہ اور پہلی۔ شربت سے روزہ کھول کر غمی نے منہ بتاتے آلو قیر کے سالن کو دیکھا اور بے دلی سے اپنی پلیٹ میں نکالے لگا۔ دوسری طرف پہلی کے سامنے پکڑوں کی پلیٹ بھری پڑی تھی۔

خود وہ آلو قیر پہ ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ پہلی نے کن انکھیوں سے غمی کے افسردہ چہرے کو دیکھا اور پھر چٹکیر کھینچ کر اس انداز سے اپنے آگے کی کد چند پکڑے میز پہ ہی کر گئے لیکن میز پہ کھینچی ہوا رے کی لکیر کے دوسری جانب سب نے ایک ساتھ پکڑوں کو دیکھا۔
”اوہ..... یہ تو ان کی طرف چلے گئے۔“ غمی نے مصوہیت سے ماں کو دیکھا۔

”تو کیا ہوا اٹھاے۔“ فرخندہ نے تنک کر کہا۔
”ہاں ہاں اٹھاؤ اپنے پکڑے۔ مٹاؤ گیسٹروں۔“
”ایسے کیسے اٹھائیں۔ یہ ہمارے پورشن میں آئے اب ہمارے ہیں۔“ پہلی کی چال سمجھ کر غمی نے بھی مداخلت کی اور جھٹ پکڑے اٹھا کر پلیٹ میں رکھ لیے۔
”وہی تو جب ہم اس طرف نہیں جاسکتے تو پکڑے واپس کیسے اٹھائیں۔ ہوا رے کا بھی تو یہی اصول ہے ناں امی۔“ غمی نے مصوہیت سے آنکھیں مٹا کیں۔ فرخندہ زہر کے گھونٹ پل کر رہ گئی۔ دوسری طرف تابندہ کے گھورنے کے باوجود غمی نے قنافت پکڑوں پہ ہاتھ صاف کیا اور مسجد کی طرف نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کو بھانگ بھاگ وہ چھت پہ پہنچا تو پہلی اپنی سائڈ پر موجود چائے خانے میں مصروف تھی۔ پہلی اپنی مخصوص جگہ پہ جا کر بیٹھ گیا لیکن اس احتیاط سے کہ ہوا رے کی لکیر کے پانا جانے پائے۔ بھجوری غمی ماں نے قسم جو سہ گئی تھی۔
”کھا کھا کے تمہارا پیٹ نہیں بھر سوتی۔“ اس کے بازو پہ دھبہ پڑتے غمی نے منہ کر کے ہاتھ سے پیالہ چھین لیا۔
”لائی تو تمہارے لیے تھی لیکن انہیں دیکھ کر دوبارہ بھوک لگ گئی۔“ اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔
”چائے مصلحہ کم ڈالا ہے۔“ غمی نے کھاتے ہوئے تہرہ کیا۔

”کھا تو پھر بھی رہے ہو۔ ذرا جو خیال ہو روزے کی حالت میں کتنی تکلیف کے ساتھ بنائی ہے میں نے۔“
”بڑے افسوس کی بات ہے تم دفتر تھے تو میں کالج غمی تھی اور تم مجھے ایک بات بتاؤ؟ شادی کے بعد بھی کیا تم عام سرووں کی طرح اپنی بوائے چھاتے میرے کام میں نقص ڈالو گے؟“ وہ افسردہ ہولی جذباتی انداز میں بولی۔
”یہ سب تو اس وقت ہوگا جب ہماری شادی ہوگی۔ جس طرح ہماری اماؤں نے عداوتی کی ہوئی ہے مجھے تو مشکل ہی لگ رہا۔“ خالی پیالہ اس کے ہاتھ میں پکڑا تے دو سحرے بولا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

”تو پھر کیا کریں غمی؟“ اس نے مایوسی سے پوچھا۔
”تم خال کوڑ کے بیٹے“ چٹکن“ سے شادی کرلو۔ میں مای شکلیہ کی بیٹی“ گلابو“ سے شادی کر لیتا ہوں۔“ روائی میں کہتے دو اتنا تنجید تھا کہ پہلی تو ایک پل کو پریشان ہی ہو گئی۔
”تو یہ کیوں نہیں کہتے اس گلابو پدل آگیا ہے جناب کا۔“ زور سے اس کے بازو پہ دھبہ مارتے اپنے اندر کا غصہ نکالا اس نے غمی سے اختیار نہیں لیا۔
”میں نہیں وارنٹ دے رہی ہوں غمی۔ تم نے اگر اس گلابو سے شادی کی تو میں تم دونوں کو زبردست دوسرں گی۔“ وہ شدید جل کر بولی تو غمی کو مزید پٹائی آئی۔
”اکی جلدی اور بے موت نہیں مرنے مجھے اس سے چھٹا تو میں تم سے ہی شادی کر لوں۔“ منہ پھولا غمی نے اسے نفی سے دیکھا پھر اگلے کی منٹ وہ اسے مناتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جنا تے ہوئے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بھی توجہ دینے والوں میں سے نہیں تھا۔
”اس کام میں کون سے سو گھٹے لگتے ہیں۔“ مجھے دیکھو صبح کا گیا اب آیا ہوں لیکن تم عورتوں کی نازک مزاجی پہ قربان۔ ایسے احسان کریں میں جیسے کھانا نہیں پکا یا جنگ لڑی ہے۔“ اس نے غمی چڑانے کا موقع ہاتھ سے جانے تا دیا۔ فوراً ہی بدلہ چکاتے سناوین۔

”بڑے افسوس کی بات ہے تم دفتر تھے تو میں کالج غمی تھی اور تم مجھے ایک بات بتاؤ؟ شادی کے بعد بھی کیا تم عام سرووں کی طرح اپنی بوائے چھاتے میرے کام میں نقص ڈالو گے؟“ وہ افسردہ ہولی جذباتی انداز میں بولی۔
”یہ سب تو اس وقت ہوگا جب ہماری شادی ہوگی۔ جس طرح ہماری اماؤں نے عداوتی کی ہوئی ہے مجھے تو مشکل ہی لگ رہا۔“ خالی پیالہ اس کے ہاتھ میں پکڑا تے دو سحرے بولا۔

”تو پھر کیا کریں غمی؟“ اس نے مایوسی سے پوچھا۔
”تم خال کوڑ کے بیٹے“ چٹکن“ سے شادی کرلو۔ میں مای شکلیہ کی بیٹی“ گلابو“ سے شادی کر لیتا ہوں۔“ روائی میں کہتے دو اتنا تنجید تھا کہ پہلی تو ایک پل کو پریشان ہی ہو گئی۔
”تو یہ کیوں نہیں کہتے اس گلابو پدل آگیا ہے جناب کا۔“ زور سے اس کے بازو پہ دھبہ مارتے اپنے اندر کا غصہ نکالا اس نے غمی سے اختیار نہیں لیا۔
”میں نہیں وارنٹ دے رہی ہوں غمی۔ تم نے اگر اس گلابو سے شادی کی تو میں تم دونوں کو زبردست دوسرں گی۔“ وہ شدید جل کر بولی تو غمی کو مزید پٹائی آئی۔
”اکی جلدی اور بے موت نہیں مرنے مجھے اس سے چھٹا تو میں تم سے ہی شادی کر لوں۔“ منہ پھولا غمی نے اسے نفی سے دیکھا پھر اگلے کی منٹ وہ اسے مناتا رہا۔

”بڑے افسوس کی بات ہے تم دفتر تھے تو میں کالج غمی تھی اور تم مجھے ایک بات بتاؤ؟ شادی کے بعد بھی کیا تم عام سرووں کی طرح اپنی بوائے چھاتے میرے کام میں نقص ڈالو گے؟“ وہ افسردہ ہولی جذباتی انداز میں بولی۔
”یہ سب تو اس وقت ہوگا جب ہماری شادی ہوگی۔ جس طرح ہماری اماؤں نے عداوتی کی ہوئی ہے مجھے تو مشکل ہی لگ رہا۔“ خالی پیالہ اس کے ہاتھ میں پکڑا تے دو سحرے بولا۔

”تو پھر کیا کریں غمی؟“ اس نے مایوسی سے پوچھا۔
”تم خال کوڑ کے بیٹے“ چٹکن“ سے شادی کرلو۔ میں مای شکلیہ کی بیٹی“ گلابو“ سے شادی کر لیتا ہوں۔“ روائی میں کہتے دو اتنا تنجید تھا کہ پہلی تو ایک پل کو پریشان ہی ہو گئی۔
”تو یہ کیوں نہیں کہتے اس گلابو پدل آگیا ہے جناب کا۔“ زور سے اس کے بازو پہ دھبہ مارتے اپنے اندر کا غصہ نکالا اس نے غمی سے اختیار نہیں لیا۔
”میں نہیں وارنٹ دے رہی ہوں غمی۔ تم نے اگر اس گلابو سے شادی کی تو میں تم دونوں کو زبردست دوسرں گی۔“ وہ شدید جل کر بولی تو غمی کو مزید پٹائی آئی۔
”اکی جلدی اور بے موت نہیں مرنے مجھے اس سے چھٹا تو میں تم سے ہی شادی کر لوں۔“ منہ پھولا غمی نے اسے نفی سے دیکھا پھر اگلے کی منٹ وہ اسے مناتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی کوئی میرا خلیفہ

صائمہ تریشی

تارے	اترے	جب	پھیلا یا	دامن	کو
عید کے	چاند	میں	دیکھا	میں	ساجن
چاند	رات	مندی	بجھ	سے	کبھی
عم	بھی	اک	پیغام	تا	ساجن



کے جواب کے منتظر تھے۔

”میں تو خود بڑی شرمندہ ہوں بھابھی سالوں سے سب کو تکلیف میں رکھا۔ بڑی شرمندگی ہوتی ہے جب چھوٹے ہمیں محبت اور اہتمام کا سبق دیں۔ مجھے کوئی اعزاز نہیں۔ دونوں آپ کے بچے ہیں تو بس آپ کی خوشی میں خوش ہوں۔“ فرخندہ کی زبان سے ایسی دھیمی اور عاجزانہ باتیں سن کر سب ہی حیران پریشان تھے تو بلی کا دل خوشی سے دھک دھک کر رہا تھا۔ ہاتھ میں کپڑی مہندی کی کونسلے اس نے اپنے غمگین لبوں کو کم کرنا چاہا۔ کیا معلوم تھا یہ مہندی جو عید کے لیے ہاتھوں پہ لگوانے جا رہی ہے اس بار مبارک کی ہونے والی ہے کیونکہ اسی وقت سب بڑوں نے مل کر عید والے دن نکاح اور رخصتی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سب نے عید پہ ملنے تو آنا ہی تھا۔ اسی کے ساتھ نکاح کا فریضہ سرانجام پا جاتا۔ دنیا داری میں لگ کر ایک اچھے کام کو ملوث کرنا یا اس پر اسراف کرنا اب کوئی اچھی بات تو نہیں تھی۔ پھر انہی پیروں سے کسی غریب کے گھر کا چولہا جلا یا جاسکتا تھا۔ یہی سوچ کر تابندہ اور فرخندہ نے سادی سے بٹی اور بلی کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

دل کی مراد اس بار اتنے حسین انداز میں پوری ہونے جا رہی تھی۔ شاید یہ صدق دل سے مانگی ان دعاؤں کا اثر تھا کہ گھر ہی نہیں دونوں میں کتنی لکیریں بھی مٹ گئی تھیں۔

بہنی اور بہنی کی زندگی کا حسین سفر شروع ہونے لگا تھا اور عید کا چاند سکرانا شرماتا ہوا تھا۔



لاؤں میں کلیم کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

”بھابھی عید مبارک۔ بہت اچھا کیا آپ بھی کمرے سے باہر آئیں، ہمیں بولیں کس تو دھیان بنے گا۔“ سلیم نے خوش مزاجی سے کہا۔

”خیر مبارک۔ اندر رہتے رہے اپنے میرا تو برا حال ہو گیا ہے۔“ طبیعت کی خرابی سے ان دنوں ان کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ وہ دھیمے لہجے میں بولیں۔

”آپ کو کہیں باہر لے جاتا ہوں گھمانے۔ چاند رات کی خوب رونق ہے۔“ بہنی ابھی دوستوں سے مل کر گھر میں داخل ہوا تھا۔ ہاں کو کچھ کجبت سے بولا۔

”باہر جا کر کیا کروں گی۔ سہیلیں سب کے ساتھ مل بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولیں۔

”فرخندہ کہاں ہے سلیم؟“ کچھ سوچ کر تابندہ نے پوچھا۔ سلیم نے آواز دی فرخندہ ہاتھ پونچھتی چکن سے باہر آئیں۔ سامنے تابندہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں پھر مسکراتے ہوئے عید کی مبارکبادوں اور طبیعت پوچھی۔

”آپ سب کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں میں خاص طور پہ بلی کا۔ اس بچی نے اتنے دن بہت خدمت کی ہے میری۔ گھر سنبھالا میرا خیال رکھا۔“ وہ کہتے ہوئے رکی۔

فرخندہ نے کچھ کہنا چاہا پر تابندہ نے روک دیا جیسے ابھی بات ختم نہیں ہوئی۔

”آج خوشی کا موقع ہے سوچتی ہوں آج ہی بات کروں۔ ویسے بھی زندگی کا کیا بھروسہ۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ امی۔ آپ کو میری بھی عمر لگ جائے۔“ بہنی نے ان کا ہاتھ تھامے ٹوکا۔

”یہ بات تو وہی چپکی نہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہیں۔ یہ تو میری اور فرخندہ کی ضد تھی جو اپنے دل کی بات میں دباؤ رکھی لیکن اب میں جانتی ہوں ہم اپنے بچوں پہ ظلم کرنا بند کریں۔ بخوارے کی لکیر تو مٹ چکی ہے تو کیوں ناں دنوں سے کدورت بھی ختم کر کے ایک نئے رشتے کی شروعات کریں۔“ تابندہ نے حسرت سے فرخندہ کی طرف دیکھا۔ سب ہی خاموش اب فرخندہ

نجانے کتنے سال پہلی یہ عمارت کسٹور میں اُٹھ چکی تھی۔ عمارت کے بالکل آخر میں واقع تھی۔ دیکھتے ہیں کسی آسپ زونہ کی سے کسی طوطہ کی نہ تھی اور اس سارے کی مانند تھی جس پر طویل ریسرچ کے بعد زندگی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اس کا پتہ خاصا ہی کیا ہے اور وہ سب کچھ جس میں رہتی تھی زندگی کی کوئی کھلک نہ ہو یہاں کی درود یولر پر چسپاں تھا۔ اس کا سال عجیب پر اسرار تھا اس چار دیواری کا احاطہ کیے رکھتی تھی۔ دور سے دیکھتے ہیں ایک پر اسرار سی سرسراہٹ اور خوف پورے بدن میں پھیلتے ہوئے لادے کی مانند تھی۔ یہ سرعت کرنا تھا لیکن اس کے باوجود اس ویرانے میں ایک ایسی کشش تھی کہ اس پر نظر پڑتی تو ایک دم اس کے قدم خنجر جاتے اور نظریں اس رنجیدہ مولیٰ سنسان اور اجڑے آسمان پر جم جاتیں اور دل میں اس سناٹے کے پیچھے کون سی کہانی کو کریدنے کی خواہش ابھرا بھر کر ڈوبتی تھی۔ اس بوسیدہ ٹوٹی پھوٹی عمارت کے دائیں جانب ایک کھلا میدان تھا۔ بائیں طرف تقریباً سو یارڈ کی جگہ خالی تھی۔ جو اس عمارت کا حصہ بھی لیکن یہ زمین بھی بخری تھی۔ دائیں جانب کے کھلے میدان میں فٹ بال کا میڈ اور کرکٹ کی میڈ بھی تھیں۔ ایک سائڈ پر جھولے بھی تھے اور چند چنگ بھی۔ جہاں بوز بھڑوگ بیٹھ کر فٹ بال کا بیچ دیکھتے اپنا وقت گزارتے تھے۔ جوں جوں شام گہری ہوتی جاتی وہاں کی وحشت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا لیکن اس کے باوجود اس ویرانے میں ایک خاص کشش تھی کہ کھیل ختم کرنے کے بعد بیچے ہوں یا بڑے اس عمارت اور اس میدان کے درمیان کے فٹس تک ضرور آتے تھے۔ نظریں اس آسمان پر جم جاتیں دل میں اس سناٹے کی کشش کی تہہ تک جاتے اس کو کریدنے کی کشش دل میں جاتی۔ لیکن اس کی طرف آگے بڑھنے کی سکت ہی میں نہ ہوتی۔

اس نے بال کو لنگ ماری تو بے گراؤ ڈکھائی گئی بال اس عمارت کی حدود میں داخل ہوئی۔ اس کی نظروں نے بال کا تعاقب کیا۔ اور پھر بھاگتے ہوئے بال لینے کے غرض سے ایک ہی جست میں فٹس پر دوڑوں ہاتھوں سے وزن ڈال کر اپنا آپ اچھالا۔ اگلے ہی پل بال کو ڈھونڈا جو بکھرے چوں

میں نیچے چھپ گئی تھی۔ طائرانہ نگاہ اس ویرانے پر ڈالی اور اس برق رفتاری سے واپس پلٹ گیا لیکن ان پلٹتی نگاہوں میں بہت سارے سوال بھی اس کے ہماراٹے تھے۔ اور پھر اس کا معمول بن گیا، کھیل ختم کرنے کے بعد وہ کھیل کے میدان اور اس ویرانے کی حدود تک آتا کھڑی نگاہوں سے وہاں کھڑا رہتا۔ اور پھر پلٹ جاتا۔ نگاہوں میں جس جگہ کھوج کی لگن ہوتی، لیکن ابھی اتنی ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر جائے۔

”کیسے معلوم ہو کہ یہ کس کا گھر ہے؟ کس سے پوچھوں؟“ خود کھائی پر اس نے دائیں بائیں دیکھا حسب معمول وہاں کوئی نہ تھا۔ کچھ دیر گھر سے رہنے کے بعد وہاں پھر پلٹ گیا۔ وہ روزانہ وہاں آنے لگا۔ کتنے ہی دن گزر گئے۔ وہ دور کھڑا اس عمارت کو دیکھتا رہتا۔ کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتا لیکن کوئی سراہتا نہ تھا۔

اس عمارت کو کسی نے زمین اینٹوں سے سجایا تھا۔ وہ گہری نظریں جمائے کھڑا تھا جواب اپنی ناندھری پر آنسو بہاتے ہوئے سیاہی مائل رنگ میں دھنسل چکی تھی۔ سفید فریم والی گلاس ونڈوز پر جمی دھول نے ہر ایک منظر کو دھندلا رکھا تھا۔ گھر کے اندر جانے والا کیت نمجانے کون کب اکھاڑ کر لے گیا تھا۔ لیکن کسی کو پروا نہ تھی۔ سائڈ پر لگ کر لکڑی کا فٹس جو بیک گراؤن کی طرف جاتا تھا اپنی خستہ حالی کا اہم مانتا محسوس ہو رہا تھا۔ ساری کھڑکیوں پر پردے ہر وقت چرے رہتے تھے۔ کتنے دنوں کی تھکن تھی جو اسے مزید کھوجے پر اسرار تھی آج انہونی ہوئی کہ ایک طرف والی کھڑکی روشن تھی۔ لامعہ نہ تھی۔ لیکن یہاں کا آئین کہاں ہے کون رہتا ہے یہاں؟

”کیسے واقعی یہاں میں بھرت کا مقصد نہیں؟“ وہ آگے بڑھنے ہی لگا تھا کہ اس خیال نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

محبت ہے کہاں فقط ایک بھر ایک مان ایک بھروسہ عزت کے دو یوں تحفظ کا یقین ہاں ایسا ہی ہے۔ ان سب کو باہم لا کر جو مرکب تیار ہوتا ہے اس کو محبت کہتے ہیں۔ اگر

ایسا نہ ہوتا تو ان سب کے ٹوٹ جانے سے محبت میں کوئی فرق نہ پڑتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے بھر ٹوٹ جائے مان کی کرچیاں کر دی جائیں تو محبت کو ایک گھنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ میں وہ انسان ہوں جس نے اپنی محبت کو کھرچ کر اپنے دل کو لولہ بان کیا ہے میں وہ انسان ہوں جس نے محبت کو نفرت میں بدل جانے کی کڑوا کر دیا ہے مانتی ہیں میں وہ ہوں جس نے محبت کو ختم کرنے کے لیے کھو دیوں کو کھول کھول کر پیا ہے۔ یقیناً اٹھ جائے بھر ٹوٹ جائے تو محبت اس پھل کی مانند ہو جائے گی جو جال میں پھنس جاتی ہے تو بارہ جاتی ہے بس ہو جاتی ہے اور بلا خربزہ زب کر جان دے دیتی ہے۔ بہت سی کمزوریوں میں عورت کی ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ بہت جلد ہی اعتبار کرتی ہے تحفظ کا لالچ دے کر اعتبار دلا یا جائے تو وہ یہ نہیں دیکھ پاتی کہ اعتبار دلانے والا کتنا بے اعتبار ہے عورت روٹی کپڑ اور مکان سے زیادہ تحفظ کی منتہی ہوتی ہے ایک مضبوط حصار میں وہ بھوکھی بھی روٹ سکتی ہے اور محض چند جوڑوں میں کھلتا سا نسلے بھی زندگی گزار سکتی ہے۔

وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ چہرے پر بے انتہا نفرت عیاں تھی۔ سوچیں کیا تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ بے میں خون نہیں زہر گردش کر رہا ہے۔ وہ مضامین بھی اپنے سوچوں کو لگا میں دے رہی تھی۔ مزید کڑوا ہونے سے روک رہی تھی۔ لیکن ناکام تھی۔

”میں نے کہا اسے محبت ہے۔“ وہ مان گئی اعتبار کر لیا۔ اس نے کہا ایک مرد کی کامیابی عورت کے ساتھ کی مرہون محنت ہے۔ وہ اترا لی۔ وہ بولا۔

”عورت ساتھ دے تو فقیر کو بھی بادشاہ بنا سکتی ہے۔ اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ وہ ایک بادشاہ کے ہاتھ میں شکار بن سکتی ہے۔ میں کامیاب ہوتا چاہتا ہوں میں بادشاہ بننا چاہتا ہوں مجھے تم اور تمہارا ساتھ تمہاری طاقت چاہیے میرے پاس تمہیں دینے کے لیے حق مہر میں فقط ایک وعدہ کے سوا کچھ نہیں کہ میں تمہیں تحفظ دوں گا۔ میری محبت تمہارے نام۔ میری زندگی تمہارا ساتھ۔“ وہ چپ ہوا تو وہ مسکراتے لگی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے اپنا آپ سونپ

دیا۔ اس نے تحفظ کا وعدہ کیا تو اس نے یقین کر لیا۔ اس کے اس چہرے پر کرب تھا۔ ہر ایک سانس کے ساتھ ایک ٹیس اٹھتی تھی اس کا جی چاہتا تھا وہ جی جی کر رہیں کرے نہ دے اور پھر زہر کھا کر مر جائے۔

”موم۔“ نے اعتبار ان کی آواز میں بلند ہوئی۔ ”میں تحفظ دوں گا۔ تم میرا ساتھ دو۔“ اور اس وقت خاموش رہو۔ ”کان تک مجھ بھان کی آواز آتی تھی۔“

”وعدہ کرو۔“ ہاتھ بڑھا کر وعدہ لیا گیا تھا۔ ”ہاں وعدہ ہے۔“ ”موم پلیز آنکھیں کھلیں۔“ محمد بھان ان کے چہرے کی وحشت سے خوف زدہ ہونے لگا تھا وہ بے یقین رہی تھی۔

”مجھے کھنڈرات پسند تھے۔“ نہیں کھوجتا مجھے اچھا لگتا تھا تم نے میری زندگی کو کھنڈر بنا دیا۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گی کبھی بھی معاف نہیں کروں گی۔“ وہ دنیائی انداز میں چلائی۔ اپنے نو پر پڑے کبل کو اتار پھینکا محمد بھان بری طرح بوکھا تھا۔

”موم۔ کیا ہوا؟“ اس نے گلاس سے پانی کے چھیننے ان کے چہرے پر بارے تو وہ ہڑبڑا گئی۔ ”کک۔ کیا ہوا؟“ وہ تو جیسے بے خبر تھیں۔ وہ واقعی بے خبر تھیں۔

انہی دنوں میں بہار تو آ چکی تھی۔ مگر عجیب سی ڈھنگ سے۔ ایسی بہار کے فزاں نے ابھی تک ڈیرے جمار کھے تھے۔ سوکھے زرد پتے ہر طرف بکھرے بہار کی نشانی کو ملنا میٹ کر رہے تھے۔ پرندے رقص بہاراں کے لیے نکل رہے تھے۔ مگر بھائے دل جو سردی ہری کے بدلے چھٹنے کے منتظر تھے کہہ میں بھٹکتے بھٹکتے آتا چکے تھے۔ اب ایسی بہار پر مزید دل لرز سے حسرت بھری نظروں سے موسم کی ستم ظریفی کو دیکھ جا رہے تھے۔ باہر کا موسم دل کے موسم کا تابع ہوتا ہے۔ جب دل بے چینیوں کا گھر ہو تو فضا میں پھولوں کی مہکار لاکھ کوشش کے باوجود نہ ہو تو خوش آئند ثابت ہو کر پھل

موتی ہے نہ ہی دل کی خبر زمین پر جمی کالی کو مٹا سکتی ہے نہ تو جس کی آتی ہے اور نہ ہی دل کسی خوشگواریت کے لیے تازہ ہوتا ہے اور جب دل پہلے ہی یاسیت اور بے بسی کے شکنجوں میں جکڑا ہوا ہو باہر کا خزاں زدہ اور خجیدہ موسم ان چند گھنٹوں کو بھی مسخ کر دیتا ہے جو کبھی کبھار خوشگوار پھولوں کی کرول کی ویران و خیر زمین پر پھول کھلا کر اس کو انمول کر دیتے ہیں اس ٹھہرے ہوئے موسم میں پھٹی ہبت ناک ہوائی ٹھنکن اور بھیس نے معاذ ہاشم جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کو بھی اپنے آہنی ٹکڑے میں جکڑ لیا تھا۔

شام کا وقت تھا لیکن خراب موسم کے باعث ہر طرف اندھیرا ایسے چھلپا تھا جیسے جالے کے ڈلوں کا آغاز ہو..... معاذ ہاشم پچھلے چند دنوں سے سارا طبیعت کے باعث اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئے تھے اس وقت کچھ طبیعت کی خرابی اور کچھ موسم کے دل گریہ اثرات تھے جو ان پر حاوی ہو کر اس پل ان کی اضطرابیت کو مزید بے چینی میں ڈھال رہے تھے آنکھوں میں تیرنی نمی مانتے پر پُرسوج سلوٹیں منتھیں و مضطرب چہرے کے ساتھ ڈرک براؤن چادر پھینے ہاتھ میں سوپ کا پیالہ تھا اس سے اٹھتے دھوئیں کو دا میں ہاتھ کی ہتھیلی میں جذب کرتے صدمت اور سفا سف بھری نظروں سے باہر دیکھ رہے تھے۔ جہاں پھیلنا اندھیرے میں ان کی آنکھیں امید کی ان کرون کو کھوج رہی تھی جو نجانے کب سے رست بھولی ہوئی تھیں۔ نجانے کیوں وہ کرشن ان کی آنکھوں کی چمکیوں کو روشن کرنے سے قاصر تھیں بے سکونی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اور معاذ ہاشم مسلسل بے چینی کا شکار تھے انہیں محسوس ہونے لگا تھا ان کے پاس کوئی جانے پناہ نہیں ہے..... ماں کا دل دکھایا تھا باپ کے دل کو بھی نہیں پہنچائی تھی اور خود یہاں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے زندگی گزار رہے تھے۔

”معاذ ہاشم تم غلط کر رہے ہو بیٹا.....“ بے بسی پر انہوں نے قدم ہلک کر دیکھا تھا۔

”معاذ بیٹا یہ باپ ہیں تمہارے.....“ انتہائی دکھ بھری آواز کو نظر انداز کر کے معاذ نے وہ کمرہ چھوڑ دیا تھا۔

”سر کیا ہوا..... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ اس سے پہلے کہ یہ یاسیت کسی نقصان کا موجب بنتی غلام احمد کمرے میں داخل ہوا اور اس کی مشکلاہ واز کے ساتھ ہی کمرہ تیز روشنی میں نہا گیا تو معاذ ہاشم اپنے آس پاس پھینکی ہوئی گولٹھن نظروں سے دیکھنے لگے۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں.....“ وہ گہری سانس بھر کر بولے۔

”سرا ایک بات نوٹس میں آئی ہے بہت ڈلوں سے موقع نہیں مل رہا تھا کہ آپ کے گوش گزار کرتا.....“ غلام احمد ہونا انداز میں ان سے مخاطب ہوا تو معاذ ہاشم نے منجھب نظروں سے اسے دیکھا۔

”غلام احمد حیرت ہوئی یہ جان کر کہ تمہیں موقع کی تلاش تھی.....“ معاذ کے لہجے میں ایک خفیف سا گلہ تھا..... جس پر غلام احمد مسکرا کر سر کھانے لگا۔

”سرا آپ موسم کے زیر اثر تھے تو مناسب نہ سمجھا..... اور اب تو جانتا ہوں کہ جب آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے تو پھر اس حصار سے نکلنے کے لیے آپ کو بہت وقت درکار ہوتا ہے.....“ غلام احمد نے حقیقت بیان کی جس پر معاذ ہاشم کھیلنے کی ہنسی ہنس دیے۔

”اچھا کیا بات ہے؟“ انہوں نے اس سے پوچھا۔

”کافی ڈلوں سے نوٹس کر رہا ہوں کہ ایک لڑکا ہے جو بہت چکر کاٹ رہا ہے بہت گہرائی سے مکان کی جانچ پڑتال کر رہا ہے.....“

پہلے تو خاص نوٹس نہیں لیا کیوں کہ آپ تو جانتے ہیں بہت سے لوگ گہری نظروں سے مکان کو دیکھتے رہتے ہیں لیکن اس کا انداز کچھ الگ ہے.....“ غلام احمد نے تشویش ناک انداز میں کہا۔

”گور کوئی پراپرٹی ڈیلر ہے تو خود ہی سنہال لیا.....“ تم تو جانتے ہو غلام احمد وہ گھر میں نے چچا نہیں ہے.....“ معاذ ہاشم نے اسے دیکھ کر کہا۔

”سرا بات کچھ سمجھ نہیں آئی اگر پراپرٹی ڈیلر ہوتا تو ایسی زیرک نظری کا مظاہرہ کرتا کیا؟ اور پھر مکان کی حالت بھی ایسی

نہیں کہ کوئی ذیل اتنی آسانی سے ہو جائے بڑا رسک ہے.....“ غلام احمد نے فرسوج نظروں سے انہیں دیکھا اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

”زیرک نظری سے کیا مطلب؟ اگر پراپرٹی ڈیلر ہے تو بھی ظاہر ہے اچھی طرح جانچ پڑتال کر کے ہی کوئی قدم اٹھائے گا ناں؟“

”آپ کی بات سو فی صد درست ہے سر لیکن..... میں نے بھی زمانہ دیکھا ہے نظروں کی پہچان مجھے بھی ہے.....“ غلام احمد ان کی بات سے قائل نہ ہوا۔

”غلام احمد تمہاری نظر اور تمہارے دماغ.....“ وہ دھیرے سے کہنے لگا۔

”سر.....“ وہ قائل نہ ہوا۔

”اچھا تم نظر رکھو اور جو بھی زلزلہ سا سنائے مجھے آگاہ کرنا.....“ معاذ ہاشم نے مسکرا کر کہا۔

”سر..... اب وہاں کی حالت بہت خستہ ہوتی جا رہی ہے چند ماہ تک اگر مرمت نہ ہوئی تو نقصان یقینی ہے.....“ غلام احمد نے انہیں مکان کی حالت سے آگاہ کیا۔ ”آپ خود وہاں کیوں نہیں شفٹ ہو جاتے؟ اس طرح کرائے کے مکان میں رہنا جبکہ آپ کے پاس اپنا ذاتی گھر موجود ہے کوئی خاص دانش مندانہ بات نہیں.....“ غلام احمد ان کا غلام نہیں تھا لیکن ایک ایسا خیر خواہ تھا جس نے ہر قدم پر ان کا ساتھ دیا تھا۔ ہر طرح کے حالات میں غلام احمد ان کے مقدم رہا..... معاذ ہاشم اسے پورے کام سے رکاوٹ تھے..... اور غلام احمد انہیں سرکھتا تھا۔

”وہاں میں ایک انوکھے رشتہ تھا غلام احمد انہیں ڈانٹ بھی لیتا تھا اور ان کے ساتھ یہ مذاق بھی رہتا اور ان کا ایک رعب بھی تھا۔“

”غلام احمد وہاں جانے کا دل نہیں کرتا تم جاتے ہو ناں دیکھ جال کرتے ہو وقت حال کے باعث کوئی نقصان ہوا تو بتا دیتا.....“

”تھکن آمیز لہجے میں معاذ ہاشم بولے تو احمد نے دوبارہ کچھ بھی کہنا مناسب نہ سمجھا نجانے کتنے برسوں سے وہ ان کو قائل کرنے کی کوشش میں تھا..... اب تو برسوں کا حساب بھی جو ہو چکا تھا۔

ان کے انداز نہ بدلے تھے..... وہی گھیراواہی وہی جان

لیو یاسیت اور وہی تھی..... وہ زندگی گزار رہے تھے..... غلام احمد کے سہارے۔

●.....☆.....●

وہ بہت گھبرا ہوا تھا ایسا نہیں تھا کہ ان کی ایسی حالت پہلی بار ہوئی تھی ہاں لیکن ہر بار ان کی حالت کا پہلے سے زیادہ تشویش ناک ہونا اسے یوگلا دیتا تھا۔

”ان کی ذاتی حالت ایسی نہیں کہ انہیں اکیلا چھوڑا جائے..... تمہیں بہت زیادہ کنٹرول رہنا پڑے گا.....“ ڈاکٹر کی خالص ہدایت تھیں۔

”موم..... آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟“ وہ مشکرا کر لب و لہجے کے ساتھ ان سے مخاطب ہوا۔

”مجھے میچ نہ کہو..... میں تمہاری ماں نہیں ہوں.....“ انہوں نے اسی کی سے کہا..... وہ ابھی تک حواسوں میں نہ لوٹی تھیں۔

”آپ میری ماں نہیں تو کیا ہوا؟ آپ میرے لیے میری ماں جیسی ہی ہیں.....“ محمد سبحان نے عقیدت مند لہجے میں کہا۔

”آپ ٹھیک ہیں ناں اب؟“ وہ پھر ان سے مخاطب ہوا۔

انہوں نے غائب دماغی سے اثبات میں سر ہلایا۔

”پھر کچھ سوچ رہی تھیں ناں؟ کوئی بار کہا ہے موم سوچا نہ کریں.....“

”ریٹیکس رکھا کریں آپ میرے لیے بہت خاص ہیں.....“ محمد سبحان کے لہجے میں اتھاھی۔

”کوئی موم بہت سارا رو لیں لیکن ایسے نہ کریں بابا کے بعد آپ میری کل کائنات ہیں.....“ وہ انہیں احساس دلایا تھا کہ وہ بہت خاص ہیں بہت قیمتی ہیں لیکن صوفیہ بے یقین تھی..... کچھ دیر کے لیے ان کی آنکھوں میں ہی اتری اور پھر خشک مٹی برائی..... وہ روتھیں یاد ہی تھی اگر وہ جیستی تو شاید سارا غبار نکل جاتا وہ واقعی ٹھنڈی مٹی تھی..... کوئی کھو جئے ولا تھا۔

”موم یقین کریں آپ کے بغیر میں اپنی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا.....“ ڈاکٹر جیکسن نے اسے ہدایت دی تھی کہ صوفیہ کو یہ یقین دلانا ہے کہ وہ بہت خاص ہیں انہیں اپنی

زندگی میں صوفیہ کی..... گھبرائی ہوئی؟ شدید پُرشن کا شکار۔
 ”سجنان بیٹا۔ یہ تمہاری صوبہ ہیں۔“ شجاع نے
 صوفیہ کا تعارف کر دیا تو اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔
 اس نے کوئی سوال پوچھنا۔ احتجاج کیا۔ کوئی واویلا نہ مچایا
 کہ اس کی ماں کی جگہ وہ کسی دوسری عورت کو کیسے دے سکتے
 ہیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کے پاس کوئی تو بیٹی جی تھی ہی
 نہیں..... شجاع نے صوفیہ کو خوش آمدید کیا۔ صوفیہ مسلسل
 غائب و غایب کا شکار تھی۔ وہ جواب پڑھاتی پرتو جو دیئے دکاتھا
 ایک بار پھر الجھنے لگا۔

”صوفیہ کا بہت خیال رکھنا بیٹا..... یہ تمہاری ذمہ داری
ہے۔ یہ یاد رکھنا بیٹا کہ صوفیہ تمہارے بابا کو بہت عزیز ہے۔
پریشان ہیں ذہنی دباؤ کا شکار ہیں لیکن ہمیں بہت پیار کرتی
ہیں۔ انہیں سنبھال لینا“ شجاع نے سبحان سے کہا تھا اس
کے لیے بابا کا کہا حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا تاجدار
کہاں گئی ہیں وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان
کیسا طے ہوا تھا..... وہ یہ بھی نہ جان سکا تھا کہ صوفیہ کون ہیں؟
وہ انہیں موم کہتے لگا..... اور کون کی دیکھ بھال کرنے لگا.....
بہت سے سوال پوچھنا جاتا تھا..... لیکن خاموش رہا۔

چھوٹے سے گھر کا وہ کردار جو زیادہ تر خاموش ہی رہتا تھا اس کی کہانی پر ختم شدہ لکھ دیا گیا..... سہان کے لیے جماع کی جدائی کا چھکا کاٹا سے توو گیا تھا۔ صوفیوں کی تو جیہاد ایک محفوظ مقام پر اپنے آپ کو سنبھال رہی تھیں ایک بار پھر کھڑکی..... اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا کیونکہ اسے صوفیوں کی سنبھال تھا۔

”موم چائے پیس گی؟“ صوفیہ نے حرکت کی تو سبحان چونکا۔ وہ دیکھ کر وہاں سے اٹھ رہا تھا کہ وہ سوئی ہیں۔ صوفیہ نے اسے دیکھا اور فونی میں سر ہلایا۔

”موم بابا یاد آ رہے ہیں کیا؟“ اس نے دیکھا صوفیہ کی آنکھوں میں ابھی تک نمی تھی۔ بلا اراوہ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو دُور لب مسکرایا۔

”موم بابا تو اب نہیں لوٹ سکتے تان لیکن میں ہوں
 تان..... آپ ٹھیک ہو جائیں پھر ہم ہماری زندگی کو خوب

”اپنا کھرہی سکون دیتا ہے نیچے.....“ وہ ملاہمت سے بولیں۔

”بی بی..... تاشتہ لگاؤں کیا؟“ وہ کچھ کہتا اس سے پہلے ایک خوب صورت نسولی آواز نے اسے یک دم چونکایا۔
دوسرے ہلے وہ پوری طرح متوجہ ہوا..... اچھی چہرے سے کچھ شہسائی کا احساس جاگا تھا۔
”ہاں تاشتہ لگاؤ۔۔۔۔۔۔ لیکن پہلے ماب کو جگا دو۔۔۔۔۔۔“
سمونہ ٹیکم نے کہا تو دوسرے ہلے وہ پیاہلے دو شیزہ جیسے غائب ہی ہوئی۔

”عازری بھائی آپ کو ہم نے بہت یاد کیا۔“ ماشاء اللہ کی
نیل نپٹر کی چوٹی اور پر اس کے مسکرا کر دیکھا۔
”میں نے بھی ان رفتوں کو بہت یاد کیا ہے۔۔۔۔۔ داوی
جان مجھے فریش ملائی میں جینی ڈال کروں۔۔۔۔۔“ عازری نے
بچپن والی فرمائش کی تو داوی جان کے ساتھ ساتھ باقی سب
بھی مسکرائے۔ دوسرے بل وود ہاں سے اٹھ کر ڈائننگ
نیل برائنی مخصوص کرسی پر براجمان تھا۔

”جیلہ کہاں رہ گئی ہو طائی لاؤ میرے غازی کے لیے...“ میمونہ بیگم نے وہاں سے ہی آواز لگائی۔
 ”ہاں خالہ وہی لارہی ہوں بس آتی ہوں۔“ جیلہ نے جواب دیا۔

”دلہی جان بھی تمہاری ایسے لاڈ اٹھالیا کریں۔۔۔۔۔“
 شام کے منہ بسود کر شکاریت کی تو میمونہ دنگم نے پیٹھی دکھا دی
 سے اسے دھچکا۔
 ”تم نے ایسے کون سے کارنامے سرانجام دیے ہیں۔“
 میمونہ دنگم نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔
 ”بابا تو عازمی بھائی نے کون سا مسئلہ کشمیر علی کر دیا ہے۔“

”تم ابھی تک جل لکڑی بننا کھوم رہی ہو؟“ عازی نے اسے چھیڑا۔

”عازی بھائی... نا انصافی ہے“ ثناء نے وہاں دی۔
 ”ہاں بالکل ہے۔۔۔۔۔“

”اے سہیل! اولیٰ ہوئی ہے کیا؟“ لولا دقتی بھی
 ماں باپ کے لیے بچے ہی رہتے ہیں۔“ میمونہ
 پرانی عینک کو درست کر کے کہا۔

”دادی جان لیکن خیر کچھ بھی کہنا فضول ہے۔“ شاید بھی
 اعتراض کرنے بھی تھی کہ ارادہ ملتوی کر دیا۔
 ”طلحہ بھائی۔“ طلحہ کا تانہ کچھ ارادے اس سے بدل گیا۔

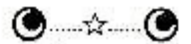
”نہ بھئی مجھے اس فساد ہی ہم سے دور ہی رکھو۔“ طلحہ نے
 دور سے ہی ہاتھ اونچا کرتے دامن بچا لیا اور میمونہ بیگم کی
 جانب بڑھا۔

”اسلام علیکم دادی جان۔“ صلی نے انہیں سلام کیا
 عازلی کے پاس آکر نرم جوشی سے اس سے ملا اور اس کے
 ساتھ بیٹھ کر چائے پینے لگا۔ جبکہ عازلی اپنی سرخ ہوئی
 ہتھیلی کو سہلا تے ہوئے ٹونخو اور نظروں سے غماز اور شاہ کو دیکھ رہا
 تھا۔

”چھوڑ یاد زیادہ دل پر نہ لے یہ ہیں ہی جنگلی بلیاں۔۔۔۔۔
 بچے باری رہتی ہیں۔“ طلحہ نے ٹوسٹ پر شہر لگ کر بھیت لیا۔
 ”دیکھ لیس دادی جان اب اپنے چومتوں کو مجھے اور غمارا کو
 جنگلی بلیاں کہہ رہے ہیں۔“ شاہ نے قہر آلود نظروں سے طلحہ کو
 دیکھا اور عازلی کے قہقہے سے خائف ہو کر میمونہ بیگم سے
 شکایت کی۔

”ہاں تو کیوں تنک کرتی ہو انہیں۔۔۔۔۔“ میمونہ نے بھی
 انہی کا ساتھ دیا۔
 ”تو بتا دیں ان کو یہ جنگلی بلیاں جس دن جنگلی شیر میں
 نہیں ناحشر نثر کر دیں گئیں۔“ غمارا نے دانت پیس کر کہا اور
 وہاں سے چل دیں۔

”ایک تو آج صبح کی بڑیاں۔۔۔۔۔ بات ہوتی نہیں کہ یہ
 جاوہ جا۔۔۔۔۔ حق بے کی تو ان میں کت ہی نہیں۔“ میمونہ بیگم کی
 بھی زبان چل پڑی تھی۔ طلحہ اور عازلی نے خاموش رہنے میں
 ہی عافیت جانی۔



کتے ہی دن گزر گئے۔ محمد سبحان پھر اس پر اسرار وادی کی

طرف جھانک بھی نہ سکا تھا۔ وہ مسلسل گھر میں صوفی کی دلجوئی
 میں مصروف تھا لیکن گاہے گاہے اس کی سوچیں ابریری ایونیو
 میں واقع اس عمارت کی ویرانی میں اٹھنے لگی تھیں اس نے
 صوفی کو اس حالت میں اکیلے چھوڑنا سنا سب نہ جانا اور ان کی
 طبیعت کے سنبھل جانے کا انتظار کرنے لگا۔ مسلسل ان کو
 دقت دیتا باتیں کرتا وہ کسی معصوم سی بچی کی طرح بہن رہی
 تھیں مسکراتے لگی اور باتیں بھی کرنے لگی تھیں ان کا لہجہ روشن
 ان کی بہتر حالت کی نشاندہی کر رہا تھا۔ ڈاکٹر بیگم نے کہا تھا
 کہ صوفی شدید پریشر کا شکار ہیں اور ان کو اس فیئر سے نکلنے
 کا ایک ہی علاج ہے کہ ان کو وقت دیا جائے۔ ان کو اہمیت
 دی جائے انہیں احساس دلایا جائے کہ وہ خاص ہیں جب
 انہیں یقین دلائے گئے گا تو ان کی ذاتی حالت میں بھی امتداد
 آتا جائے گا اور یہی ہوا جیسے ہی سبحان نے انہیں وقت دینا
 شروع کیا چند مقنوں میں وہ بہتری کی طرف گامزن ہونے لگی
 تھیں۔

شاید اسی لیے شجاع نے صوفی کی ذمہ داری سبحان کو سونپی
 تھی وہ جانتے تھے کہ سبحان صوفی کو سنبھال لے گا۔۔۔۔۔ بے
 شک وہ عمر میں چھوٹا تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ وہ صوفی کی ذمہ
 داری نبھالے گا۔ صوفی اور شجاع میں کیا رشتہ تھا وہ کون تھیں
 کہاں سنا تھی تھیں ان کی زندگی میں اس کا کیا کردار ہے۔۔۔۔۔
 سبحان ہر سوال سے سنا سنا تھا۔

”کیا مٹی اور بابا کے درمیان صوفی کا وجود تھا؟“ وہ اکثر
 سوچتا۔
 لیکن پھر صوفی کو دیکھ کر انہی ہی سوچ کی لٹی کودتا تھا۔
 شجاع کی خاموشی، صوفی کا ڈپریشن، تاجدار کا چلے جانا شجاع کا
 سبحان کو صوفی کی ذمہ داری سونپ جانا بہت سے سوال
 تھے۔ لیکن ان کے جواب کس کے پاس ہیں؟ سبحان بعض
 اوقات اچھ جاتا تھا لیکن پھر سر جھٹک کر صوفی کی طرف متوجہ
 ہو جاتا تھا۔

”موم آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟“ سبحان کتنے دن
 سے فانی دوج جانے کے لیے مناسب وقت ڈھونڈ رہا تھا۔ آج
 صبح سے ہی صوفی کی طبیعت پہلے کی نسبت بہتر لگ رہی

تھی جب اس نے باہر جانے کا ارادہ کیا۔
 ”میں اب ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔ تم نے اپنے کام کرنے ہوں
 گے ہیں تو آرام سے کرنا شروع کرو اب۔۔۔۔۔ صوفی جانے کا
 سب لیتے کہنے لگی۔ ”اور میری فکر نہ کرو اب۔۔۔۔۔ صوفی نے
 اس کی طرف دیکھا۔

”آپ کی فکر نہ کروں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے مام۔۔۔۔۔ میری
 ذمہ داری ہے آپ۔۔۔۔۔ بابا نے آپ کو مجھے سونپا تھا تو میں آپ
 کی فکر نہ کروں یہ کیسے نہیں ہے۔ وہ بولا تو صوفی نے مسکرائی
 انظروں سے اسے دیکھا۔

”میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں موم کہتے ہو مجھے۔۔۔۔۔ وہ
 بولیں تو سبحان ہنسنے لگا۔
 ”میری یاد دہانی کی چھوٹی سی موم۔“ سبحان نے انہیں
 بخور دیکھا۔ وہ واقعی چھوٹی سی تھی۔۔۔۔۔ بلا کی معصومیت اور یقین
 ان کے چہرے پر جھلک رہا تھا۔ سرخ و سفید رنگت طویل
 پیاری کے باعث زردی مائل ہو چکی تھی لیکن چہرے پر رنگین
 ہنسنے آنکھوں میں حیا برقرار تھی۔ ایسی کے دیکھنے والے کو اس
 عمر میں بھی اپنے عشق میں مبتلا کر لے وہ کچھ کمزور لگ رہی
 تھیں آنکھوں کے نیچے سیاہ جگہ ان کے حسن میں اضافہ
 کر رہے تھے۔ بالوں میں چند ایک چاندی کے تار بھی نظر
 آرہے تھے۔

”آپ کی عمر کیا ہے موم؟“ بے ساختگی سے کیا کیا سوال
 صوفی کو چونکا گیا۔
 ”تم مجھے موم کہہ کر دیکھا۔۔۔۔۔ سوال کے جواب میں
 ایک درخواست کی۔
 ”بابا نے تو کہا تھا آپ میری موم ہیں۔“ سبحان حیران ہوا
 تھا۔

”میں میں تمہاری موم نہیں ہوں تمہاری مام صرف
 تاجدار ہے۔“ صوفی نے اپنے لہجہ کو مضبوط کیا۔
 ”آپ موم کو کیسے جانتی ہیں؟“ سبحان واقعی حیران ہوا۔
 ”بتائیں ناں موم۔ آپ بابا کی کون ہیں؟ مامی کو کیسے
 جانتی ہیں۔۔۔۔۔ وہ مسلسل خاموش تھیں۔ تو اس کا اصرار
 بڑھا۔

”تمہیک ہے۔“ بمشکل انہوں نے اپنے لہجہ کو مائل
 کر کے کہا۔ پھر مین ڈور کھلے اور بند ہونے کی آواز پر صوفی
 نے ایک زوردار چیخ مادی اور ان سرگوشیوں کو اپنی سماعتوں میں



online magazine .com/recipes

aanchal.com.pk

انٹرنیٹ گلابی خانہ کے آرکائیو شدہ نسخہ

نئے افق

ماہنامہ شائع

ہو گیا ہے

جولائی 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

دعا لیسٹنٹ آف وارینس: حیدر مظہر رانجہ خواتین ہاؤس گاروں میں ایک معتبر نام ہے آپ نے ان کے افسانے اور ناول ماہنامہ نجل اور ماہنامہ جوب میں پڑھیں ہوں گے ان کے لکھنے کا اپنا ایک انداز ہے وہ پڑھنے والے کو اپنی تحریر سے چھٹا کر کرنے کے فن سے واقف ہیں یہ نئے افق کے لیے ان کا جہل ناول ہے دیکھیں وہ نئے افق کے قارئین کو کس حد تک متاثر کرتی ہے۔

پچھلے ناول: ان ناولوں میں رونا، جب چھٹا لے زخمی ہو کر روک میں گر رہا تھا ہے ہمارے اپنے معاشرے میں جنم لینے والی ایک کہانی کی روایت۔

سوالیہ نشان: برہان والی مقبوضہ کشمیر کی آزادی کا بیرونی جوانوں کی امیدوں کا مرکز، جس کی قربانی نے قوم کو ایک نئی امید دی۔ ایک گھر کی روایت ہے کہانی کی تلاش تھی۔

بھٹو بھٹو: ان کے دل ایک ساتھ تھے، تھے لوگوں کے نزدیک وہ ایک قلب دو جان تھے۔ پھر بھی زمانے نے انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا لیکن وہ مرکز زمانے سے انتقام لینے کے لیے ایک مسلم کو جوان اور اس کی بہنو کو بچوہ کی داستان محبت، وقت نے انہیں سراپا انتقام بنا دیا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

گو بجے سے روک لیا۔ نیپل پر رکھے پانی کے جگ سے گلاس میں پانی ڈالا اور ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ کچھ دیر تک دو دو کے بعد دو قدرے نارمل ہوئیں تو اٹھ کر اپنے روم میں چلی گئی۔ اور کمرے میں اپنے آپ کو چھپا کر آنکھیں موند لیں۔

وہی منظر تھا۔ ویسی ہی میبٹ ناک خاموشی ادا کی اور ویرانی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج بھی دوسری منزل کے کمرے کے پردے بنے ہوئے تھے اور لائٹ بھی آن تھی۔ ایک توجہ طلب بات کہ نوٹے پھوٹے فینس کے بالکل پاس وائٹ ریج روور پارک تھی۔ سچان کو حیرانی کے ساتھ ساتھ جیس بھی ہوا۔ غیر ارادی طور پر اس نے پارک ہوئی گاڑی کے گرد چکر کاٹا۔ اس گھر کو دیکھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے کمرے کا پردہ ہل رہا ہے۔ مطلب کوئی اندر موجود ہے۔

”پڑاں کیا؟“ اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ فینس پر رکھے اور پھر سوچ نظروں سے اس کھڑکی کو گھورا۔ یہ یقین کر لیا کہ پردہ اُچی حرکت کر رہا ہے۔ تو وہ آگے بڑھا۔

”سریکھی وہ لڑکا ہے جو۔“ معاذ ہاشم اور احمد وہاں موجود تھے غلام احمد بہت دنوں کے صرار کے بعد انہیں وہاں لایا تھا کہ وہ خود چل کر ایک بار اس مکان کی حالت دیکھ لیں۔ انہوں نے کھڑکیاں کھولیں، کچھلی طرف والا دروازہ بھی کھولا تاکہ مکان میں سیل زدہ جس کو زلزلہ کر سکیں۔ انہوں نے سینٹرل ہیٹنگ بھی آن کی تاکہ دروازہ پر گرمی پڑے۔ معاذ ہاشم نے خود سارے کمرے کا جائزہ لیا تھا اسٹڈی روم کا دروازہ کھولا۔ بہت دنوں سے بند اسٹڈی روم میں کتابوں پر جھول جی ہوئی تھی۔

”غلام احمد کی کوئی کہ یہاں کی صفائی کروادو۔“ معاذ ہاشم نے غلام احمد کو کہا۔ اسے میں سچان کی وہاں آمد ہوئی تو

غلام احمد کھڑکی میں ڈرافٹ سے پر کھڑا کافی دیر سے سچان کی چھان بین کو ملاحظہ کر رہا تھا۔ معاذ ہاشم کو بتایا تو انہوں نے

قد آگے بڑھائے لیکن غلام احمد نے انہیں روک لیا۔

اور غلام احمد نے نیکی نظروں سے اسے دیکھا۔

”یہ غلام احمد ہیں میں معاذ ہاشم آپ کون ہوں؟“ معاذ نے مدح مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ گھبرا کر یہ سوال پوچھ بیٹھا ہے۔

”میں محمد سبحان..... اس لیے گراؤڈ میں فٹ بال کھیلتا ہوں۔ اس گھر کو روز دیکھتا ہوں بہت دیرانی ہے یہاں..... سبحان نے وہیں کھڑے ہو کر کہا تو معاذ نے اسے ساتھ کھڑے غلام احمد کو دیکھا۔

”کیا یہ مکان آپ کا ہے؟“ وہ کچھ نہ بولے تو سبحان نے پوچھا۔

”یہ گھر میرا ہے.....“ معاذ گہری سانس خدن کر کے بولے۔

”غلام احمد تم صفائی کروانے کا انتظام کرو..... میں تب تک محمد سبحان سے باتیں کر رہا ہوں۔“ معاذ نے مختصر جواب دے کر غلام احمد کو کہا وہ انہیں ایک نظر دیکھ کر باہر نکل گیا۔

”تم کیوں دیر سرج کر رہے ہو.....؟“ معاذ نے بغور اسے دیکھا۔ اس کے اسکوپر میں میں کوئی ایسی تشویش ناک بات نہ تھی جس سے غلام احمد کو ڈر تھا۔

”پتہ نہیں..... مجھے اس دیرانی نے متوجہ کیا ہے..... یہ گھر بہت چارہ لگ رہا ہے لیکن بہت اجڑا ہوا بھی ہے.....“ سبحان کے لہجے میں تنبیہ کی تھی۔

”توجہ طلب چیزوں سے غفلت برتی جائے تو دیرانی اور اجازت پرن ہی جسم لیتے ہیں۔“ معاذ ذرا سب بولے۔

”کیا مطلب؟“ سبحان کی سمجھ میں ان کی بات نہ آئی۔

”یہ گھر بہت پرانا تھا لیکن میں سنبھال نہ سکا۔ ویسے تم اندازاً..... اس گھر کی ظاہری و بیرونی حالت کافی خراب ہے لیکن اندر سے اتنا خراب نہیں.....“ انہوں نے ذوقی بات کی لیکن وہ کیسے سمجھ سکتا تھا؟ جسم کی آگ مزید بھڑکی اور ان کے ایک باز کھینے پر وہ اندر آئے پر راضی ہو گیا..... وہ موقع کو گنوا نہ نہیں چاہتا تھا اور اس کے تجسس کو دیکھ کر معاذ نے اس سے دوستانہ رویہ اپنایا۔

دوواقی صحیح کہہ رہے تھے یہ گھر اندر سے اتنا خستہ حال نہیں

تھا جتنا باہر سے نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی معاذ نے ٹینک امیر کا جائزہ لیا گھر میں تقریباً سارا سامان موجود تھا صوفے ڈائمنگ ٹیبل فریج ٹی وی..... معاذ کے ساتھ ساتھ سبحان بھی دیکھ رہا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ سامان مکان کو گھر میں تبدیل نہیں کر سکتا ہے شک وہاں سب کچھ موجود تھا لیکن ایک دیرانی اور

یاسیت تھی سبحان کو محسوس ہوا جیسے وہ اپنے گھر میں محسوس رہا ہے۔ دوسرے کمرے میں اس نے سرچہ ڈالا۔

”غلام احمد یہاں کی دیکھ بھال کرتا ہے میں یہاں دو سال کے بعد آیا ہوں۔“ معاذ ہر ایک چیز کو چیک کرتے ہوئے اسے بتا رہے تھے۔

”آپ کہاں رہتے ہیں؟“ سبحان نے پوچھا۔

”میں دو چٹیاں چھوڑ کر رہتا ہوں۔“ معاذ نے مصروف انداز میں اسے آگاہ کیا۔

”اوٹھیاں چھوڑ کر اور دو سال کے بعد یہاں آئے ہیں۔“ سبحان کی مدھما واز میں معاذ تک یہ واز بخوبی پہنچی تھی لیکن وہ نظر انداز کر گئے۔

”آؤ میں تمہیں اس پراسرار مکان کی لائبریری دکھاتا ہوں۔ میرا مطلب ہے میرا اسٹڈی روم۔“ معاذ نے مسکرا کہا تو سبحان ان کے ساتھ چل پڑا۔

”میں آپ کو انکل کہہ دوں؟“ اسٹڈی روم بیڈ روم کے ہمرلو تھی ان کے پیچھے میز چھایاں چڑھتے سبحان نے اجازت طلب کی سبحان نے انہیں دیکھا وہ کوئی عمر رسیدہ شخص نہ تھے۔ تو

سبحان کو ان کا نام لے کر مخاطب کرنا مناسب محسوس نہ ہوا تھا۔ ”ہاں کیوں نہیں ضرور.....“ معاذ نے خوش دلی سے کہا۔

”تم سوچ رہے ہو گے میں تمہارے ساتھ ہے تکلف کیوں ہوں۔“ معاذ اس سے ایک میزمری اوپر تھپٹ کر اسے دیکھا وہ سبکی سوچ رہا تھا کہ وہ اسے اسٹڈی روم کیوں دکھانے لگے ہیں۔

”ضروری نہیں ہوتا کہ کسی کے چہرے پر شرافت درج ہو بعض اوقات دل بھی گواہی دیتا ہے کہ بھروسہ کرلو..... کوئی نقصان نہیں ہوگا.....“ معاذ ہاشم نے جاندار مسکراہٹ کے ساتھ کہا ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ اسی میزمری پر لے آئے

جہاں خود کھڑے تھے۔

”محمد سبحان..... محمد کا نام لے کر صرف وہی لوگ دھوکا دیتے ہیں جن کے دل سیاہ ہو چکے ہوتے ہیں تمہارے چہرے پر نرتری ہے“ مصحفیت ہے اور تم مجھے کیا دھوکا دو گے محمد سبحان میرے پاس تو دھوکے میں لمانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔“ معاذ ہاشم مست روی سے میز چھایاں چڑھتے ہوئے کہہ رہے تھے اور محمد سبحان کمرے کے باوجود ان کی حالت کو سمجھنے کی کوشش کرتے لگا تھا۔ وہ اسٹڈی روم میں داخل ہوئے.....

باقی کمرے کی نسبت وہاں زیادہ جھجکی۔ کتابوں کی عجیب سی مہک ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

انہوں نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی اور برسرے ہٹا کر کھڑکی بھی کھول دی تاکہ چارہ ہوا اس جیس کو کم کر دے۔ محمد سبحان آگے بڑھا اور اسٹڈی روم کا جائزہ لینے لگا وہ کمرہ یقیناً بہت سخت وجہت سے سیٹ کیا گیا تھا۔ بہت سے حلیف بنے تھے اور ان پر بہت سی زبانوں کی کتابیں رکھی تھیں۔ محمد سبحان حیران ہوا۔

”آپ کو کتابیں پڑھنے کا شوق ہے؟“ وہ بک حلیف کے پاس آگے بڑھا ہوا کتابوں سے تو اسے بھی انسیت تھی لیکن وہ تسلسل سے اپنے اس شوق کو پورا نہ کر سکا تھا۔

”بہت شوق تھا اب کتابت نہیں ہے۔“ معاذ اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر بولے۔

”اتنی ساری محبت کی داستانیں؟“ ایک پورا حلیف لو اسٹور پر پرانی تھا انکس اور فرنیچر جو جرسن کی کواٹر پر بنے اسے حیران کیا۔

”یہ کتابیں میری نہیں ہیں۔“ بے اختیار وہ بولے۔

”ویری انٹرٹیننگ.....“ سبحان نے یقیناً ان کی بات پر دھیان نہ دیا تھا۔

”کیا میں کچھ بکس لے سکتا ہوں۔“ سبحان نے احتجاج کیا۔

”لے سکتے ہو لیکن واپس کرنی پڑیں گی۔“ معاذ نے اجازت دی لیکن واپسی کی ڈیمانڈ کے ساتھ۔

”ہاں واپس ضرور کروں گا۔ میں بھی یہ ساری بکس پڑھوں

گا.....“ محمد سبحان خوش ہوا۔

”سر.....“ وہ کتابیں دیکھ رہا تھا کہ غلام احمد واپس آ گیا۔

”صفائی والے کا پتہ کروالیا ہے۔ دو دن تک وہ آئے گا لیکن میں سنہوں شاید تو آپ کو خوفناک پائڑے گا۔“ احمد نے انہیں اطلاع دی۔

”ہاں ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا.....“ معاذ نے سبحان کو انہماک سے کتابیں دیکھنے میں مصروف پایا تو بولے جس پر احمد نے متوجہ نظروں سے انہیں دیکھا..... آج سے پہلے انہوں نے یہاں آنے کے لیے بھی اتنی جلدی حالی نہیں بھری تھی۔ احمد نے سبحان کو دیکھا۔

”انکل میں یہ دو کتابیں لے جاؤں؟ کچھ دن تک واپس کروں گا.....“ سبحان نے ایک کواٹری اور فٹ بال کے حوالے سے رٹڈ ریکارڈ کی کتابیں اٹھا کر کہا۔

”ہاں ضرور.....“ معاذ نے اجازت دی تو اس نے دونوں کتابیں لے لیں احمد ان کو اطلاع دے کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ معاذ کچھ دیر محمد سبحان کے ساتھ وہاں رہے تھوڑا بہت تعارف ہوا۔

”یہ گھر محبت کی نشانی ہے.....“ معاذ کے انکشاف پر سبحان نے متغیر نظروں سے انہیں دیکھا ان کے چہرے پر خستہ حالی نمایاں تھی جو بتا رہی تھی کہ محبت میں جب دل کا آگن اجڑ جائے تو گھر بھی کھنڈر بن جاتے ہیں۔

”ایسی نشانی؟“ سبحان پوچھ بغیر سندہ سکا۔

”ضروری تو نہیں کہ محبت کی نشانی صرف تاج محل ہی ہو ایک کھنڈر بھی تو محبت کی نشانی ہو سکتا ہے ناں۔“ معاذ نے قہقہہ لگایا ایک یاسیت آمیز قہقہہ..... ایک کھوکھلی ہنسی.....

سبحان نے انہیں دیکھا..... وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن پہلی ملاقات میں اس سے زیادہ بے تکلفی اسے مناسب نہیں لگتی تھی۔

دو دن کے بعد واپس آنے کا وعدہ کیا اور کتابوں کو لے کر وہاں سے چلا گیا تو شگفتگی کے احساس کے ہمرہ معاذ ہاشم بھی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔



”مون منزل.....“ میمون بیگم کے لیے وہ تاج محل تھا جو ان کو ان کی زندگی میں مل گیا تھا۔ امین صاحب بہت عاشق مزاج انسان تھے۔ میمون بیگم سے محبت کا برملا اظہار بھی کیا کرتے تھے اور تھے تھے تنگ دینے میں بھی فراخ دلی کا ثبوت دیتے تھے۔ وہ منزل گھر کو تیسر کر لیا اور کالے گیت پر ”مون منزل“ کا بورڈ لگا کر میمون بیگم سے محبت کا عملی ثبوت بھی پیش کر دیا۔ ”مون“ میمون بیگم کا وہ پیار کا نام تھا جو امین صاحب نے انہیں دیا تھا۔ میمون بیگم کے لیے یہ شعر کا مقام تھا ان کے قدم زمین پر نہ رہے تھے۔ ان دنوں مون منزل کی ریسرسانہ ٹھانڈا ہاتھ اور خوشیاں عروج پر تھیں۔ ہر دم ایک سیلہ لگا رہتا تھا چل کر ہل نہ لگتا۔ گلہ مہاؤں کی آدھوشت۔ نت نئے کھانوں کی اشتہاء آمیز خوشبو ہر وقت مون منزل کے آئین کو مرکبے رکھتی۔ ہر کام کے لیے الگ الگ ملازم ہر وقت جی حضوری میں مصروف رہتے تھے۔

میمون بیگم نے اوپر تلے دو بیٹوں کو جنم دیا تو امین صاحب کی محبت میں بھی کمی گن اضافہ ہو گیا تھا۔ بشر اور جواد میں سال بھر کا ہی فرق تھا۔ کاروبار بھی ترقی کی منازل طے کر رہا تھا۔ مون منزل کی چکا چوند روشنی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ بشر اور جواد نے کالج کی سر زمین پر قدم رکھا تو ایک روز ایکسٹنٹ میں امین موقع پر ہی جان سے ہاتھ جوڑ بیٹھے۔

وہ مون منزل جہاں ہر دم چاندنی برسی بھی وہاں کے چاند کو گراہن لگ گیا۔ بمشکل میمون نے خود کو سنبھالا تھا۔ دنوں بیٹوں نے جن کھٹنا یوں سے اپنی تعلیم جاری رکھی وہی جانتے تھے کاروبار کو سنبھالنا اور پھر مون منزل کی بھی دیکھ بھال میمون بیگم ان دنوں انتہائی مشکل زندگی گزارنے لگی تھیں۔ بشر نے بی بی اے کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اور بزنس کو سنبھالنے میں ماں کا ہاتھ بٹانے لگے۔ بلکہ جواد کا اردو مرید تعلیم حاصل کرنے کا تھا۔

کتنے ہی سال بیت گئے..... بشر اور جواد بھی گھر پار والے ہو گئے..... مون منزل کی رونقیں ہستہ ہستہ ہونے لگی تھیں۔ میمون بیگم نے مون منزل کو ہی وسیع کر کے دنوں کے الگ الگ پورشن بنوا دیے تھے۔ دنوں بیٹے بہوئیں ان کی

نظروں کے سامنے بھی تھے اور ایک دوسرے کی زندگی میں مداخلت بھی نہ تھی۔

عمار اور عازی جیلہ اور بشر کی اولادیں تھیں۔ عازی بلندن یونیورسٹی میں گریجویشن کرنے چلا گیا تھا اور میمون بیگم کا سب سے لاڈلا تھا۔ بچپن میں عازی ہی سب سے زیادہ میمون بیگم کے پاس رہا تھا۔ ثناء اور طلحہ جواد اور عالیہ کی اولادیں تھیں۔ طلحہ پاکستان میں ہی باپ اور چاچا کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹا رہا تھا۔ دنوں لڑکیاں بی اے کر کے فارغ ہو چکی تھیں اور انہی دنوں میمون بیگم عالیہ اور جیلہ کے ساتھ مل کر لڑکیوں کے لیے آئے ہوئے رشتوں کے متعلق چھان بین کرنے میں مصروف تھیں۔

سب اپنی اپنی جگہ مائل تھے لیکن ایک عازی تھا جو انوکھا لاڈلا تھا۔ میمون بیگم کے لاڈ سے مزید فہم دیتے تھے۔ عجیب ضدیں تھیں اس کی..... عجیب انداز کی سن مائیاں تھیں اور اس میں سب سے زیادہ ہاتھ میمون بیگم کا ہی تھا۔ اس نے جو کہا یا چوں چوں ماں لیا گیا اس کی پسند پسند سب سے الگ تھی۔ کوئی چیز پسند آتی، کوئی دوسرا بھی اس کی تحریف کر دیتا تو عازی کے لیے وہ چیز تائید ترین چیز بن جاتی..... اس کی پسند کا خیال رکھنے کے لیے اکثر پسندیدہ چیزوں کو نا پسند قرار دے دیا جاتا تھا۔

”بیگم صاحبہ میری مدد کریں بیگم صاحبہ..... میں بہت مشکل میں ہوں.....“ بختاور مون منزل کی پرانی ملازمہ تھیں۔ میمون بیگم کے دکھ کھکی سناچی بھی تھیں اور وہ بے شمار اور کھد اور قانون تھیں۔ اکثر اوقات میمون بیگم سے وہ بھی اپنے مسائل حل کروانے کے لیے آ جاپا کرتی تھیں۔

”بختاور کیا ہوا؟“ میمون بیگم اس وقت اکیلی تھیں انہی دنوں عازی کے کٹھن سے والدہ کی پانچک بھی جاری تھی۔ انہوں نے اس کے لیے کمر و دھت کروا تھا کہ چیتا پٹا اتنے عرصے بعد واپس آ رہا ہے تو اس کو کوئی کی نہ محسوس ہو کہ بختاور ان کے پاس آئی دنوں ہاتھ جوڑے التجا کرتی ہوئی۔

”بیگم صاحبہ میری صوفی کو بچالیں..... وہ اس کا سودا کر دے گا.....“ کھکھیانی آواز میں بختاور نے انہیں پریشانی

میں مبتلا کر دیا۔

”کیا ہوا بختاور بتاؤ تو سہی.....؟“ میمون بیگم گھبرا گئی تھیں۔

”الیاس نے صوفی کا رشتہ طے کر دیا ہے..... وہ بھی تمہیں بچوں کے باب کے ساتھ صرف اس لیے کہ اس کو جوہیر نہیں دینا پڑے گا.....“ بختاور ضبط کے باوجود اپنے آئسوئروک سکی تھی۔ صوفی اس کی اوائی گئی اس کی پیدائش پر ہی نرس کا انتقال ہو گیا تھا۔ صوفی کی ساری ذمہ داری بختاور نے لے لی تھی اور پھر صوفی بھی میمون بیگم کے لیے گھر کے فرد کا مقام رکھنے لگی تھی۔ انہیں بھی صوفی بہت عزیز تھی۔

”الیاس کا دماغ خراب ہے کیا؟“ میمون بیگم غصیلے بچے میں بولیں۔

”پتہ نہیں بیگم صاحبہ دماغ خراب ہے کنفیں پر نرس کے با کہہ رہے ہیں کہ بے شک صوفی کی ذمہ داری ہم نے لی ہے لیکن اس کا قانونی وارث الیاس ہی ہے۔ بیگم صاحبہ میری صوفی بہت معصوم ہے اس کی مدد کریں۔“ بختاور انہیں ساری تفصیل سے آگاہ کر رہی تھی۔

”تم فکر نہ کرو بختاور..... صوفی میرے لیے بھی اتنی ہی خاص ہے جتنی تمہارے لیے۔“ میمون بیگم نے اسے کسی دی اور پھر اپنی بات پر انہوں نے عمل بھی کیا تھا۔ وہ صوفی کو مون منزل لے آئی تھی۔ الیاس ماں نہ رہا تھا۔ میمون بیگم سارے قاعدہ قانون سے واقفیت بھی رکھتی تھیں اس نے زبردستی صوفی کو لے جانے پر اعتراض کیا۔ الیاس کی انسان تھا اور بی بی ذمہ داری سے گھبراتا تھا۔ تین بچوں کے باپ کو بچوں کے لیے آ جاپا یہی تھی تو چند روپوں کی خاطر سودا طے ہونے لگا تھا۔ پھر وہی سودا میمون بیگم نے کیا تو الیاس ماں لیا اور صوفی مون منزل میں آ گئی۔

”وہاں پانی“ معصوم صوفی کو مون منزل نے کھلے سے خوش آمدید کہا تھا۔ ثناء اور عماد کے ساتھ پہلے بھی جان بچان تو تھی ہی اب مزید بددستی ہوئی تھی۔ کچھ خاموش طبع صوفی میمون بیگم کو بہت پسند آتی تھی۔ انہوں نے چند مفتوں میں ہی اس کی عادت و اطوار کا بخوبی جائزہ لیا اور عازی کے لیے صوفی کو پسند کر لیا تھا۔

”اماں..... یہ کیسے ممکن ہے بھلا.....؟“ بشر اور جیلہ نے اعتراض کیا۔

”کیوں..... ممکن کیوں نہیں ہے.....؟“ میمون بیگم نے تیوریاں چڑھا کر انہیں دیکھا۔ ایسا نہیں تھا کہ میمون بیگم اپنے فیصلے کو لاڈ برسرط کر دیا کرتی تھیں۔ وہ بہت کھلے ذہن کی خاتون تھیں۔ ان کی اپنی ازدولی زندگی بہت پرسکون گزرتی تھی۔ ساس سر کی طرف سے ان کو بھی کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی تھی کہ کسی طرح کی انتقامی ہم جاری ہوتی۔

”اماں عازی سے تو بوجھنا تک نہیں اور پھر صوفی بختاور کی نوای ہے.....“ بشر نے بھنجولا کہا۔

”عازی کی تم فکر نہ کرو وہ میرا پوتا ہے میرا کہا کیسے مل سکتا ہے؟ اور بختاور کی نوای ہے کا کیا مطلب ہوا؟ اچھا خاندان ہے شریف لوگ ہیں اور سب سے بڑی بات کہ ذرق حلال کھاتے ہیں۔ محنت کرتے ہیں۔“ میمون بیگم ان کے دعووں اعتراضات کو خاطر میں نہ لائیں۔

”اچھا عازی مان گیا تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ بشر اور جیلہ نے ہتھیار ڈال دیے اور صوفی کو قبول کر لیا۔ ثناء اور عماد نے اسے خوب شک کیا..... چھیڑ چھاڑ..... اور عازی کے آنے سے پہلے ہی اسے بھائی کہنا شروع کر دیا۔ صوفی آنا فائز فیصلے پر گھبرا گئی تھی۔

”بی بی.....“ وہ میمون بیگم کو بی بی کہا کرتی تھی اس دن ان کے پاس بی بی۔

”بی بی مجھے نے کیوں خوف محسوس ہو رہا ہے۔“

”خوف کس بات کا خوف؟“ میمون بیگم نرمی سے بولیں۔

”پتہ نہیں بی بی..... لیکن ڈر لگ رہا ہے۔“ صوفی کو مناسب الفاظ مل رہے تھے جن میں وہ اپنے احساسات بیان کرتی۔

”ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیٹا..... عازی کبھی انکار کری نہیں سکتا۔“ میمون بیگم نے اسے دلا س دیا۔

”لیکن بی بی.....“

”بھلا میری عمر اس کو رکھنے کی ہے؟“ انہوں نے محبت جبری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔

”نیزلی بیٹر کامر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا موسم.....“ سبحان نے فوراً نیزلی بیٹر کاؤنٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”برائے کی کے پاس ایک فیڈی بیٹر ضرور ہوتا چاہے وہ اس کا سب سے پیارا دوست ہو اور وہ اس سے ہر بات کہہ کر پرسکون ہو جائے.....“ سبحان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو کیا تم میرے پیارے دوست نہیں ہو؟“ صوفیہ نے اچھتی نکاچیں اس پر مرکوز کیں۔

”میں تو ہوں ہی..... لیکن آپ ہی ہائیں مجھے کہیں کہتی ہیں.....“ سبحان نے سرسری سے لہجے میں ایک شکایت کی تو صوفیہ نے سر جھکا لیا۔

”زندگی بہت کچھ سکھا دیتی ہے سبحان چپ رہنا بھی برداشت کرنا بھی اور آنسوؤں کو اپنے اندر جذب کرنا بھی.....“ وہ

دوڑوں واپس گھر آ چکے تھے صوفیہ نے سارا سامان سمیٹا..... سبحان وہیں کہیں میں ہائی اسٹول پر بیٹھا نہیں سب کام کرتے

دیکھتا رہا۔ صوفیہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور وہ دم آواز میں بولیں۔ وہ مسلسل خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

”شجاعت نے میری ٹوٹی ٹکھری حالت کے باوجود مہاروا یا تھا تمہاری ذمہ داری سونپی تھی وہ وعدے نبھائے جو انہوں نے بھی نہ کیے تھے..... تم جانتے ہو میری اور تمہاری عمر میں زیادہ فرق بھی نہیں ہے.....“ صوفیہ دھیرے سے نہیں کر

پوئیں۔

”تم مجھے موم کی بجائے آبی باباچی بھی کہہ سکتے ہو.....“ صوفیہ نے کہا تو سبحان حیران رہ گیا۔ بھورا نہیں دیکھا..... وہ

واقعی ایک جوان بننے کی بل نہیں ہے بھی نہ لگتی تھی۔ اس ان کے سر میں چند ایک سفید بال تھے لیکن وہ عمر رسیدہ نہ لگ رہی تھیں۔

”بابا نے کہا تھا کہ آپ میری موم ہیں.....“ وہ آج بھی اپنی بات پر قائم تھا۔ اب صوفیہ خاموش ہو گئیں۔

”میں کہاں ہیں..... کتنی ہی دیر خاموشی رہی.....“ سبحان

کافی دیر سے ان تین لفظوں کو لوہا کرنے کی کوشش کر رہا تھا صوفیہ نے اسے دیکھا اور پاس آ کھڑی ہوئی۔

”تاجدار نے خلع لے لی تھی..... شجاعت نے چاہنے کے باوجود بھی ان پیپر پر سائن کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اس کے بعد اس نے کوئی رابطہ نہ کیا۔ مجھے نہیں پتا کہ تاجدار کہاں گئی۔“

صوفیہ نے آہستگی سے اسے حقیقت سے آگاہ کیا۔

”میں نے ایسا کیوں کیا؟ اور آپ بابا کی زندگی میں کیسے آئیں؟“ سبحان نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ان سے سوال کر کے اپنی بات سمجھ کر کرے گا۔

”تمہارے بابا اور میں کبھی ایک دوسرے کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے تھے۔ جب ساتھ ہوئے تو دونوں ہی بھگتو نہ کر سکتے ایک دوسرے کے ساتھ کوئی جذباتی لگاؤ نہ ہوا اور ایک

بندھن میں بندھ جائیں تو اس تعلق کی عمر تک نہیں بڑھتی جب تک سمجھوتہ نہ کر لیا جائے۔ تمہارے بابا سمجھدار تھے پہلے تو

نہیں لیکن بعد میں انہوں نے کوشش کی تھی تاجدار یوں تو بہت اچھی لگتی لیکن اس تعلق کو وہ نبھانے میں ناکام رہا۔ یہ ان کی غلطی

نہیں تھی محبت زبردستی نہیں کی جاتی۔ ان سے سمجھوتہ نہیں ہو پایا تھا اور بابا خرمیہ جی ہو گئی۔“ صوفیہ نے پوری ایمان داری سے

سبحان کو بتایا۔

”آپ..... آپ کون ہیں؟ کس حوالے سے بابا نے کہا تھا کہ آپ میری موم ہیں؟“ سبحان کو ان کی باتوں پر اس لیے

بھی تعجب تھا کہ شجاعت نے بھی اکثر ایسی باتیں کہیں۔

”تمہارے پاس..... کی کمی تھی ناں اس حوالے سے.....“ صوفیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور دوبارہ کام کرنے

لگی۔ تو سبحان نے بھی مزید کریدنا مناسب نہ سمجھا جانتا تھا وہ اسے سب بتا دیں گی لیکن ابھی نہیں ابھی وقت درکار ہے۔

وہ ابھی تک جان نہ سکا تھا کہ وہ کون ہے؟ مومن منزل سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ وہ اتنے استحقاق سے مومن منزل میں

کیوں تھی وہ کسی سے پوچھ بھی نہ پاتا تھا کہ یہ اس کی شان کے خلاف بات تھی۔ وہ اسے چلتے پھرتے کام کرتے سب کے ساتھ ہنستے بولتے دیکھتا رہا تھا۔

”تم میرے کام کیوں نہیں کرتی؟“ شدید گرمی کے باعث سب لوگ لان میں بیٹھ جاتے تھے صوفیہ شہداء اور عمارا سب کے لیے کیوبائی تیار کر رہی تھیں کہ عازلی بچن میں داخل

ہوا۔

”کون سا کام.....؟“ وہ اب قدرے پر اعتماد ہو چکی تھی۔ اس کے سامنے جانے پر چھپائی نہ تھی یوں بھی اسے معلوم تھا

عازلی ابھی ان دونوں کے درمیان تعلق سے انجان ہے۔ میمونہ بیگم نے سب کو منع کر رکھا تھا کہ جب تک وہ نہ کہیں

عازلی سے اس بارے میں کوئی بات نہ کہیں۔

”کوئی بھی کام.....“ اس کا انداز نرم تھا یا شاید اس کو صوفی کی جانب سے کوئی توجہ نہیں مل رہی تھی تو جان بوجھ کر

ایسا لہجہ اپناتا تھا کہ مزید گفتگو کرنے پر مجبور ہو جائے۔

”آپ کام بتا دیں میں کروں گی۔“ صوفیہ نے مسکراہٹ روک کر کہا۔

”ایک کپ چائے مل سکتی ہے۔“

”آپ پوچھ رہے ہیں یا حکم دے رہے ہیں؟“ صوفیہ نے اس کی کیوبز والا پیالہ اٹھا کر اس سے پوچھا۔

”نہ پوچھ رہا ہوں نہ حکم دے رہا ہوں اسے کہتی ہو تو کیا کہو؟“

”اسٹرونگ چائے اتنی شدید گرمی میں کس کے لیے؟“ صوفیہ نے پوچھا۔

”میرے لیے.....“ عازلی نے اسے دیکھ کر کہا اس کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ اس وقت وہ جلد از جلد بچن سے

نکل جانا چاہتی ہے۔

”کیا کوئی ہوں آپ یہ اس کیوبز باہر لے جائیں.....“ اس نے بنا کسی اعتراض کے کہا اور پیالہ اس کی جانب بڑھا دیا۔

”اگر تھکنے.....“ وہ جرم مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”جتنی.....؟“ صوفیہ نے پوچھا۔

”کم ہی مگر کالا ہے اور شوگر زیادہ غور نہیں کر پاؤں گا۔“

ان دونوں میں درودہ ایک بات چل پڑی تھی وہ جان چکی تھی کہ عازلی اس کو لگ کر رہا ہے اور عازلی بھی اس کے جان جانے سے انجان نہیں تھا۔

”اتنی گرمی میں کون چائے پیے گا؟“ وہ ایک چھوٹی سی ٹرے میں چائے کی پیالی رکھ کر لان میں بچتی تو عازلی کی حیرت زدہ آواز پر سب نے پلٹ کر صوفیہ کو دیکھا جو بے

قدوں کی طرح عازلی کو دیکھ رہی تھی۔ جو مسکراہٹ دباے

دونوں ہاتھ باندھے کھڑا اس سے پوچھ رہا۔

”میں نے سوچا شاید کی کو چائے پینے کا جی چاہے تو بنا کر لے جاتی ہوں۔“ چند ہی لمبے میں صوفیہ سمجھ گئی تھی۔ نہ اعتماد

لہجے میں بولی اور آگے بڑھ کر ٹرے ٹیبل پر رکھ دی۔

”ناشاہ اللہ..... یہ ہوتے ہیں اچھی تربیت کے گرن.....“ سب کی ضروریات کا خیال رکھنا صرف میری صوفی کو ہی آتا

ہے۔“ میمونہ بیگم کی تعریف پر وہ مسکرا کر ان کی طرف بڑھی جبکہ عازلی نے لب بچھ لیے تھے۔ وہ اب سب کا کس کریم

اور ٹرائفل سرو کرنے میں شاہ اور عمارا کی مدد کرنے لگی تھی۔

عازلی من ہی من میں اس کی حاضر جوابی کا قائل ہو گیا تھا اور اس کی تعریف پر تلملایا بھی تھا۔

”وادی جان یہ صوفی کون ہے؟“ جب کافی دن گزر گئے اس کی بڑھتی اہمیت نے عازلی کو میمونہ بیگم سے پوچھنے پر مجبور

کر دیا۔

”بھئی کو تو انا ہی ہے۔“ میمونہ بیگم نے اپنے تخت پر بیٹھی بچے کے خلاف پرکڑھالی کرتے ہوئے بولیں۔

”بھئی کو تو بی بی کی نوای اور اتنی خوب صورت.....؟“ وہ زریب بولا۔ میمونہ بیگم نے کن اکھیل سے اس کے پڑ سوچ

انداز کو دیکھا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ انہوں نے اس سے پوچھا۔

”یہاں کام کرتی ہے؟“ وہ اس کی مومن منزل میں موجود کی نوعیت جاننا چاہتا تھا۔

”نہیں..... وہ اب یہاں ہی رہتی ہے۔“ میمونہ بیگم نے اسے بتایا۔

”اس پر تو کروں والے رعب نہ جھٹانے مجھے بہت عزیز ہے وہ..... میں چاہتی ہوں وہ ہمیشہ یہاں ہی رہ جائے..... بہت

مخلص اور پیاری بچی ہے۔“ میمونہ بیگم نے ذوقی انداز میں کہا لیکن عازلی کا دھیان نہ تھا ان کی طرف۔

”کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟“ اس کے کمرے کے دروازے کے پتھوں پر کھڑا وہ دیکھ کر پوچھ رہا تھا اس کی وہاں اچانک آمد پر صوفی گڑبڑائی تھی۔
 ”نہیں.....“ وہ کرسی پر بیٹھی کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھی اس کے سوال پر یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوسرے پل سنبھل کر اٹھا کر کیا۔
 ”اتنا غرور کس بات کا ہے؟“ عازی نے چھٹی نظروں سے اسے دیکھا۔
 ”کسی بات پر بھی نہیں۔“
 ”پھر اکثر کیوں رہی ہو.....؟“ عازی نے جنوں کی سیڑ کر کہا۔

”نہیں تو۔“ صوفی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
 ”تو دوستی کیوں نہیں کر رہی؟“ وہ منہ سورا کر بولا۔
 ”تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ عازی نے اس کی گھبراہٹ محسوس کرتے کہا۔ وہ واقعی گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ اس لیے نہیں کہ اس کی طرف سے کوئی خطرہ تھا بلکہ اس لیے کہ عازا انشاء میں سے کوئی آگیا تو اسے چھیڑ چھیڑ کر زچ کر دیں گی۔
 ”مجھے آپ سے ڈرنے کی واقعی ضرورت نہیں ہے۔“ صوفی اٹھ اٹھ سے بولی۔
 ”دوستی کیسے کرتے ہیں میں نہیں جانتی..... اور میرے خیال میں دوست بھی محبت کی طرح ہوتے ہیں کوئی ساری عمر ساتھ رہے لیکن دوست نہیں بن سکتا اور کبھی راہ چلتے بھی کوئی دوست بن جاتا ہے۔“ صوفی مسکرائی۔
 ”انٹرنسٹک.....“ وہ ایک بار پھر متاثر ہوا۔
 ”اوکے..... تو ہم دوست ہیں۔“ عازی نے کہا تو صوفی کی مسکراہٹ بھی گہری ہو گئی۔
 اور یہی تو میمونہ بیگم کا پلان تھا۔ عازی خود اس کی جانب راغب ہو جاتی تھی کہ ضدی ہے اپنی مرضی ظاہر کی تو اگر اسے پسند ہوئی تب بھی انکار کر دے گا تو انہوں نے عازی کو موقع دیا کہ صوفی کو ان کے پاس لے کر آئے۔
 ”بھٹکس..... میں ایک اچھا دوست ہوں.....“ عازی

نے اس کی گہری مسکراہٹ کو گرین سگنل جانا اور کار چھڑا دیا۔
 ”اس کا فیصلہ تو میں کروں گی.....“ صوفی کا جواب اسے چونکا گیا۔
 ”نہیں میری اچھائی پر شک ہے؟“ عازی نے دہلیز ہاتھ کمر میں رکھا اور چشمیں لگا ہوں سے اسے دیکھا۔
 ”آپ کا اچھائی کا سرٹیکٹ میں جانا کل از وقت ہے۔“ صوفی شریر مسکراہٹ کو دہاتے ہوئے بولی تو عازی اس کی ذہانت پر فدا ہونے لگا۔
 ”مسکراتے ہوئے پیاری لگتی ہو.....“ عازی نے ایک نکتہ امتزاج کیا اور دوسرے پل وہاں سے باہر نکل گیا۔ صوفی کی دھڑکن کی رفتار یکدم بڑھ گئی تھی۔
 وہوں میں دوپٹی ہو چکی تھی۔ عازی دوسرے دوسرے اس سے متاثر ہو رہا تھا۔ اس کے دل میں اس کے لیے ایک خاص مقام بننا چاہ رہا تھا۔ وہ بہت الگ نیچر کی لڑکی تھی اس کے خواب بہت اونگھے تھے۔ اس کی فکری بہت پیاری تھی اسے زندگی سے بہت کچھ نہیں چاہیے تھا اس کا خواب ایک بڑا سا گھر نہیں ایک محبت بھرا گھر تھا..... عازی دوسرے دوسرے اس کی محبت میں گڑو گڑو ہونے لگا تھا۔ صوفی تو پہلے ہی اس کے حوالے سے بہت سے سینے نکھوں میں سجا چکی تھی۔ اب صرف اس کی طرف سے اشاروں کی منتظر تھی۔
 ”تم نے پہلے تو نہیں بتایا تھا کہ تم واپس لندن جاؤ گے۔“ عازی نے اس کی واپس کی خبر سن کر حیرت سے گویا ہوا۔
 ”اگلے سال کریمینا میں مکمل ہو جائے گی تو واپس آ جاؤں گا۔“ عازی نے نکھیلوں سے صوفی کو دیکھا تھا جو اسے بہت ادا لگی تھی۔
 ”بنا اب اسے ڈوں سے یہاں ہوتا جو ان سڑوں میں خوب رونق بھی رہتی ہمارا تو اب دل میں نہیں رہا کہ تم جاؤ۔“ میمونہ بیگم نے اس کی اہمیت بتائی تو ہمیشہ کی طرح اس کا سر فطر سے بلند ہو گیا۔
 ”دلوی جان میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔“ وہ مسکرا کر بولا۔
 ”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم میرے جانے کا سن کر

اداس ہو رہی ہو۔“ محفل پر غصا ہوا چکی تھی۔ صوفی ڈانٹک سے برتن سینٹائی تو عازی کو وہیں نہیں پر موجود پایا۔
 ”اس لیے لگ رہا ہے کہ میں واقعی میں اداس ہوں۔“ اس کے الفاظ پر عازی جیسے تنگ ہو کر رہ گیا۔
 ”تم میرے جانے سے اداس ہو؟ اس کا کیا مطلب ہے؟“ عازی جواب لے گیا سنا چاہتا تھا۔
 ”آپ سے پہلے میں نے ثابت کر دیا کہ میں اچھی دوست ہوں۔“ صوفی مسکرا کر بولی۔
 ”اگر میں اداس نہ ہوتی تو آپ کہتے میں اچھی دوست نہیں ہوں۔ آپ کے جانے کا سن کر بھی اداس نہیں ہوتی۔“
 ”نہیں کیسے پتہ کہ میں یہ کہتا؟“ عازی سچ میں حیران رہ گیا تھا۔
 ”زیادہ نہیں لیکن اتنا سا تو دوست کو سمجھ ہی چکی ہوں۔“ صوفی نے انگلی اور انگوٹھے کے درمیان انچ کا فاصلہ رکھ کر اس کے سامنے کیا۔ عازی جو انتہائی عجیب کی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے پاس کھڑا ہوا۔
 ”مجھے تم اور تمہارا ساتھ چاہیے تمہاری طاقت چاہیے میرے پاس حق مہر میں فقط ایک وعدہ ہے کہ مجھے بادشاہ بنانے میں تمہاری کوشش اور تمہارا ساتھ ہوگا میری محبت تمہارے نام میری زندگی تمہاری امانت.....“ عازی اس کے چہرے پر نظریں جمائے اسے پرویز کر رہا تھا صوفی کا دل تیزی سے ہڑکا..... ایک نظر اس نے بڑھے ہاتھ کو دیکھا اور مسکرا کر نظریں جھکا لیں اور اس کے چہلے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
 ”.....“
 معاذ ہاشم اور محمد سبحان میں دوستی ہونے لگی تھی۔ گھر کی صفائی بھی کروائی جا چکی تھی پہلے کی نسبت اس کی حالت بھی اب بہتر ہو گئی تھی۔ معاذ ہاشم خود کچھ لینے گئے تھے۔ ایک تو غلام احمد خود سے کسی کام میں مصروف تھا دوسرا سبحان کی کچنی انہیں میسر آ گئی تھی۔ وہ گھر جو چند دن پہلے بے انتہا ایسا بیت کا شکار تھا ہر ایک دیوار پر بریلی چسپاں تھی انکی درود دیوار میں آج کل بہتری نظر آ رہی تھی۔ روزانہ کی بنیاد پر معاذ وہاں آ رہے

تھے دروازے اور کھڑکیوں سے آتی تازہ ہوا کمروں میں پھیلی سلین اور جس کو کم کرنے میں کافی حد تک کامیاب بھی تھی۔
 سبحان کا گھر صوفی کی بہتر طبیعت کی وجہ سے روشن ہونے لگا تھا۔ روزانہ بہت سے کھانوں سے ڈانٹنگ ٹیبل سجے گئی تھی سبحان کی پسند کا خیال رکھنا اس کے کام کرنا صوفی نے مکمل گھر کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ اسے آپ کو مصروف کر لیا تھا دل بہل رہا تھا تو برسوں پرانا ڈپریشن بھی دور ہونے لگا تھا۔
 ”انکل کل کھانا ہم ساتھ کھائیں گے۔“ سبحان معاذ کے گھر گیا اور کافی وقت گزارنے کے بعد واپس آنے لگا تو ان سے کہا۔
 ”میں شاید تنہا ہوں۔“
 ”کوئی بات نہیں میں کھانا ساتھ لے آؤں گا پھر ہم مل کر کھائیں گے۔“ معاذ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
 ”میری موم کھانا بہت اچھا پکاتی ہیں۔ آپ اپنی پسند بتادیں۔“ سبحان نے ان سے پوچھا۔
 ”چکن بریانی اور کوٹنے۔“ معاذ نے ایک دہر بامش کی۔
 ”شاید ان کا واقعی دل چاہ رہا تھا۔“
 ”اوکے کل ہم ساتھ میں کھائیں گے۔ موم بریانی تو بہت ٹھیک پکاتی ہیں۔“ سبحان نے حامی بھری اور چلا گیا۔ جبکہ معاذ اس کی دعوت پر مسکرا کر رہ گئے تھے۔
 ”موم آپ کے کھانے کی بہت تعریف کی ہے۔“
 ”اور کوٹنے بہت مزیدار ہونے چاہیں۔“ گھر آتے ہی سبحان نے فرمائش کی۔
 ”گھر میں بلا کر دعوت کرتے ناں یہ کیسی دعوت ہے۔“
 ”بریانی گرم گرم ہی کھائی جائے تو مزہ آتا ہے۔“ صوفی نے اسے اس طرح کھانا لے جانے پر راضی کیا۔
 ”موم میں نے تو کہا تھا لیکن انکل نے کہیں جانا ہے اس لیے لیت ہو جائیں گے تو میں نے کہا کہ کھانا لے آؤں گا۔“
 ”انکل؟“ صوفی نے حیرانی سے کہا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ اس کے ہم عمر دوستوں کی دعوت ہے۔ اس کے انکل کہنے پر وہ چونکیں۔
 ”وہ موم ایک انکل ہیں ناں ان سے میری دوستی ہو گئی

ہے۔“ سبحان نے معاذ ہاشم سے دوستی کی ساری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی۔ اس کھنڈر نما محبت کی نشانی سے لے کر ان کی لائبریری سے کتابیں لانے تک..... گھر کی صفائی اور ان سے لگی ہر ایک بات صوفیاب جان چکی تھی۔

”احتیاط کرتا بعض لوگ محبت کے نام کا جھانسا دے کر اعتماد کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور اعتبار پر زور دے کر کہتے ہیں۔“ صوفیاب نے بے حد تنبیہ کی۔ سنا سے بھٹکا ضرور دیکھا۔

”ڈنٹ دی موسم..... ہی از اے جھٹل میں۔“ سبحان نے انہیں تسلی دی صوفیاب نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر مزید کچھ بھی کہنا مناسب نہ سمجھا۔

اس کا ہاتھ پکڑے وہ میمونہ بیگم کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ بنا کوئی اعتراض کیے اس کے ہمراہ چل پڑی تھی۔ میمونہ بیگم کے ہمراہ جمیلہ اور عالیہ بھی براہ جان تھیں۔ انہی دنوں عمار اور ثناء کے لیے آئے رشتوں پر تنبیہ کی سے غور و فکر کی جارہی تھی۔ صوفیاب کو اس عازلی کے ہمراہ آنا تینوں نے پہلے ایک دوسرے اور پھر انہیں دیکھا۔

”کیا ہوا؟“ میمونہ بیگم نے عازلی سے دریافت کیا۔ اس نے صوفیاب کو ان کے پاس بٹھایا اور خود نیچے ان کے قریب بیٹھ گیا۔

”آپ چاہتی تھی ناں یہ ہمیشہ یہاں رہے؟“ عازلی نے پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ صوفیاب اس ساری صورت حال پر شرمیلی رہی۔

”میں بھی ایسا ہی چاہتا ہوں، ماما آپ کی بہو بن کر یہ یہاں رہے۔“ اس نے جمیلہ کو دیکھا۔

”دیکھا میں نے کہا تھا ناں ابھی اس کو کچھ نہ تھا۔“ یہ خود میری صوفیاب کو میرے پاس لے گئے۔“ میمونہ نے فخر سے کہا تو جمیلہ اور عالیہ بھی ہنسنے لگیں۔ عازلی نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”کیا مطلب؟“ یکدم وہ پوچھنے لگا اور چونکہ وہ خود راضی تھا بنا کسی دباؤ کے تو میمونہ بیگم نے ساری بات اسے بتا دی۔ عازلی نے صوفیاب کو دیکھا جو لب بچھینے بیٹھی تھی۔

”کیا تم جانتی تھیں.....“ عازلی نے انتہائی سنجیدگی سے میمونہ بیگم جمیلہ اور عالیہ کی انہی کو دیکھا اور صوفیاب سے پوچھا اس نے اثبات میں سر ہلایا تو یکدم اس کی نظریں بدل گئیں۔ ایک بل میں اس کی ضد لوٹ آئی جو چیز یا قیوں کو پسند ہو سکتی ہے وہ اس کے لیے بھی خاص نہیں ہوتی تھی جہاں چار لوگوں کی پسند اس کی پسند سے ملتی وہاں وہ اپنی پسند بدل لیتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ صوفیاب بخیر اور لب کی کو اس ہے جب عازلی اس سے رشتہ جوڑنے کی خواہش ظاہر کرے گا تو مومن منزل میں ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا بے شک صوفیاب کی کنجشٹی ہے لیکن جو کے روپ میں اسے قبول کرنا تھا۔ ایک بڑی بات تھی لیکن یہاں تو ساری ممانی ہی الٹ گئی تھی۔

”سوری دلائی جان یہ نہیں ہو سکتا.....“ انتہائی سیات انداز میں اس نے اپنا فیصلہ بدلا اسے منظور تھا کہ خواہ مخواہ اس پر نہیں ان کی چال کا مایاب ہو اور وہ عورتوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بننا..... مردانہ آنا کا جھنڈا اٹھانے لگا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ چیزوں کے لیے پسند کو بدل لینا آسان ہو سکتا ہے لیکن کسی انسان سے وعدے کر کے پھر اسے پاپسندیدہ قرار دے دینا انتہائی کٹھن۔

”تمہارا دماغ درست ہے کیوں نہیں ہو سکتا؟“ جمیلہ نے اس کے خطرناک تیور کو قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

”تم اچھی دوست نہیں ہو تم نے دھوکا دیا ہے مجھے“ عازلی نے صوفیاب کی طرف دیکھ کر انتہائی سخت انداز میں کہا اور لیے لیے ڈگمگاتے بھرتا وہاں سے نکل گیا اور وہ سب جو چند لمحے پہلے بے انتہا خوش تھے یکدم ہی جیسے سکتے تھے گئے اور پھر بڑا درد و دلایوں منتوں کے باوجود بھی عازلی نہ مانا..... میمونہ بیگم کو بوجے پر جواں تھا وہ لوٹ گیا تھا۔

”میں تمہیں صاف نہیں کروں گی۔ مومن منزل سے ہر ناطق تو ذکر جانا ہوگا تمہیں“ صوفیاب کی محبت سے زیادہ انہیں اپنا مان لوٹ جانے کا غم تھا۔ لاؤ پیار سے بھی اس کی اتنا کا پرچم بچھتا یا تو میمونہ بیگم نے دھمکی دی اور یہ وہ مقام تھا جہاں وہ بارگیا کہ انہوں کے بغیر رہنا وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

لندن جانے سے پہلے اس نے صوفیاب کو باقاعدہ اپنے نام

سے منسوب کر دیا۔ دونوں کا نکاح ہوا پھر وہ چلا گیا..... پہنچ کر اپنی خیریت کی اطلاع دی اور پھر عازلی کہاں تھا مومن منزل کے کینوں میں سے کسی کو کوئی خبر نہ ہوئی۔ اس کی گریجویشن مکمل ہو چکی تھی اور مومن منزل میں اس کی آمد کے سبب ہی منتظر تھے۔ صوفیاب کوئی جرم نہ کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی ایک سال سے مسلسل خاموشی تھی۔ میمونہ بیگم اسے ہر وقت تسلی دیتی تھیں۔

”تم فکر نہ کرو وہ لوٹ کر آئے گا۔ وہ میرا خون ہے تھوڑا ضدی خود سر ہے لیکن پتھر دل نہیں.....“ ان کی تسلی پر وہ دھیرے سے مسکراتی۔

”تم جانتی ہو کبھی کبھی مجھے اپنا آپ اچھا نہیں لگتا میں اپنی ضدی طبیعت سے تنگ آ جاتا ہوں ضد میں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میرا دل پتھر کا ہو چکا ہے کوئی احساسات نہیں دھڑکنوں میں کوئی تسلسل نہیں..... اور مجھے اتنا ضدی اور پتھر دل عازلی اچھا نہیں لگتا۔“

”تو ایسی ضد نہ کیا کریں جس میں دل پتھر کا بن جائے۔“ ”کوشش کرتا ہوں لیکن پتھر کنٹرول نہیں رہتا..... تم دعا کرتا کہ میں بدل جاؤں میرا دل کبھی پتھر کا نہ بنے۔“ پوچھنے ایک سال سے وہ دعا ہی تو کر رہی تھی۔

”عازلی بیٹا واپس آ جاؤ اب۔“ صوفیاب کی سماعت میں میمونہ بیگم کی انتہائی سنجیدگی تو اس کا ہر ایک عضو کان بن گیا۔

”لیکن عازلی.....“ ”یہ باب میرے لیے بہترین آخر ہے وادی جان میں اس سال پاکستان نہیں آ سکتا۔“

”لیکن تمہارا تو وہاں باب کا کوئی ارادہ نہ تھا؟“ وہ غصے سے بولیں۔ ”بہت اچھی باب۔“ عازلی جان پانچ سال کا کنٹرول کر رہی تھی۔

”تو تم پانچ سال تک پاکستان نہیں آؤ گے؟“ میمونہ بیگم نے اس سے پوچھا۔

”ابھی سوچا نہیں وادی جان.....“

”ٹھیک ہے پھر صوفیاب کو وہاں بلاؤ۔“ میمونہ بیگم نے کہا

جہاں اسے جیرانی ہوئی وہاں صوفیاب بھی چوکی۔ ”وادی جان میرے پاس ابھی گھر نہیں ہے۔“ اس کا لہجہ مدہم ہوا۔

”کیا تم فٹ پاتھ پر رہتے ہو؟“ انہوں نے ماتھے پر ہل ڈال کر پوچھا۔

”نہیں وادی جان لیکن کسی کنڈیشن میں نہیں ہوں کہ نیلی کو ساتھ رکھا جائے۔“

”عازلی تم میرا مان تو زور ہے ہو صوفیاب کے سامنے میرا سر جھکا رہے ہو۔“ ”وادی جان..... مجھے چند ماہ کی مہلت دیں۔“ اس نے

ند چاہتے ہوئے بھی اقرار کیا اور اس اقرار نے صوفیاب کے دل کو جیسے دھجی لیا تھا اور پھر چھ ماہ کے بعد وہ عازلی کے پاس چل گئی۔ اس کا دل جیتنے کے لیے اس کے پتھر دل کو بدلنے کے لیے۔

”تم نے جھوٹ بولا ہے میرے ساتھ۔“

”میں نے کون سا جھوٹ بولا اگر آپ میرا ہاتھ پکڑ کر بنی کے پاس نہ جاتے تو آج میں یہاں کبھی بھی نہ ہوتی۔“ اس کی بات سچ تھی لیکن عازلی کو ہار جانا منظور نہ تھا وہ اس کے پاس آ تو تھی لیکن وہ مسلسل اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ ایک سال مسلسل کوشش کے بعد جب وہ کامیاب نہ ہوئی تو ایک روز اس کے باب پر جانے کے بعد وہاں سے چلی گئی۔

”عازلی.....“ میں ایسے انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی جو مجھے تحفظ نہ دے سکے جو میری غلطی نہ ہونے کے باوجود مجھے سزائے موت سنائے جو میرے غلوں کو میری

چال سمجھیں۔“ نے کوشش کی تھی کہ میں ایک اچھی دوست بن سکی تو اچھی بیوی ضرور بنوں لیکن آپ نے مجھے اس کوشش میں بھی ناکام کر دیا۔ مجھے صوفیاب نے کوشش نہ کرنا میں نہیں جانتی کہ میں کہاں جا رہی ہوں پولیس کے ڈرائیو بھی مجھ تک پہنچنے کی

کوشش نہ کرنا شاید میں آپ کو مل جاؤں مل گئی تب بھی میں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی زبردستی کی تو یہاں عورتوں کے حقوق بہت ہیں میری ایک چیخ آپ کی بنی بھائی عزت مٹی

میں ملا دے گی۔ مومن منزل میں میرے حوالے سے آپ

ہومیوکارنر

طاعت نظامی

نظری کمزوری جسم کے محسوس کرنے والے اعضا میں سب سے اہم اور قیمتی چیز ہماری آنکھیں ہیں۔ اپنی آنکھوں سے ہم دنیا کے قریب نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں انہی آنکھوں سے ہر چیز کی پہچان ہوتی ہے پڑھتے لکھتے اور علم حاصل کرتے ہیں اسی لیے ہم اپنی آنکھوں کی حفاظت بہت مہم نگر رہتے ہیں۔ نظری کمزوری کی کمی و کمزوری ہوتی ہے اس کے لیے آنکھوں سے ایک کے ذریعے ہی قابو پایا جاسکتا ہے اس کے لیے آنکھوں کے ڈاکٹر سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے بچوں کی آنکھیں کمزور ہوں تو چھوٹی عمر سے ہی اس کمزوری پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اگر کمزور نظری میں لوہل عمری سے عینک نہ لگائی جائے تو آنکھوں کی پیمانی بہت کمزور ہوتی جاتی ہے جسے بعد میں ٹھیک کرنا مشکل ہو جاتا ہے نظری کمزور ہو تو آنکھوں پر زور پڑتا ہے جس سے اکثر سر درد کی شکایت ہو جاتی ہے یہ شکایت بھی صبح بھر کی عینک لگانے سے دور ہو سکتی ہے چشمی چالیں سال کی عمر کے بعد زیادہ تر لوگوں کی قریب کی نظر کمزور ہو جاتی ہے جس سے سوئی میں دھا کر ڈالنے یا باریک کام کرنے میں دقت ہوتی ہے یہ باریک کام بات ہے اور عمر کا تقاضہ ہے اس کے لیے بھی عینک لگانی چاہیے جسے صرف پڑھنے اور باریک کام کرنے کے لیے لگاتے ہیں پیمانی کی کمزوری کی چند خطرات کا وجوہات بھی ہو سکتی ہیں مثلاً کالا موتیا (Glaucoma) یا اندرونی پردے کا ٹل جانا (Detached Retina) دونوں صورتیں خطرات کا ہیں اس صورت حال میں جلد از جلد ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے کیونکہ دیر کرنے سے پیمانی کو جو نقصان پہنچے اس کا ذائقہ مانگنے سے

نظری کمزوری

Asthenopia

وجوہات:- دماغی یا عصبی کمزوری کثرت دماغی محنت باریک بینی یا مختلف دہانوں کی نظر پر برے اثرات ڈالتی ہے۔

علامات مرض:- (Clinical Features) تھوڑی دیر لکھنے یا پڑھنے سے یا کوئی اور نظر کا کام کرنے سے آنکھیں تھک جاتی ہیں اور ان کے سامنے اندھیرا سا آ جاتا ہے کتاب وغیرہ پڑھتے ہوئے حروف جھٹک ہو جاتے ہیں آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے اور سر میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگتا ہے

علاج:- ضروری ہدایات:- اصل سبب کو رفع کریں زیادہ باریک بینی کا کام نہیں کرنا چاہیے آنکھوں کی صفائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے نیز وقتاً فوقتاً آرام لینا چاہیے صبح شام ٹھنڈے پانی کے چھینٹنے ہیں ہر روز غسل کریں صبح شام بریال کو دھوئے اور گھاس پر لٹکے پاؤں پھرنے سے بھی نظروں کو فراغت ملتی ہے غذا زود ہضم اور غذائیت سے بھر پور کھائیں سرخ مصالحہ اور چٹنی اشیاء اور دیگر منشیات مثلاً تبا کوٹھنی سے پرہیز لازمی ہے۔

نظر کا کم ہونا:- (Amblyopia) یا اندھ غبار۔ اس مرض میں نظر رفتہ رفتہ کم ہو کر دھندلی ہو جاتی ہے اگر یہ مرض بڑھ جائے تو پھر زہاب Amaurosis ہو جاتا ہے (نظر چم جاتی ہے)

اسباب مرض:- کثرت تبا کوٹھنی خصوصاً کڑوا تبا کوٹھنی یا سرگرمی کا زیادہ پینا، کثرت شراب نوشی، کثرت چائے نوشی، سر پر چوٹ لگنا، جسم سے زیادہ خون نکل کر کمزوری ہو جانا ایام حمل میں مرض طبعی کی نوری کا ہونا یا مزوں یا ڈکولہ اور بھی کوٹھن کھانے سے بھی یہ مرض ہو جاتا ہے اور بھی یہ مرض پیدا ہونے لگی ہو جاتی ہے۔

علامات مرض:- دونوں آنکھوں کی نظر آہستہ آہستہ کمزور ہونے لگتی ہے اور تھوڑے عرصے میں بہت گھٹ جاتی ہے یہاں تک کہ مریض روزمرہ کے کام کرنے سے بھی عادی ہو جاتا ہے جو چیزیں آگے کی سی دھندلی ہوتی ہیں وہ دکھائی نہیں دیتیں اور دور کی چیزیں بھی دھندلی نظر آتی ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں، ہنر اور سرخ رنگ کی شناخت نہیں ہو سکتی روشنی سے طبیعت گھبراہٹ ہے لیکن صبح شام جب یہ روشنی کم ہوتی ہے تو بے چینی کم ہوتی ہے سر میں درد ہوتا ہے نیند آتی ہے اور بھوک بھی لگتی ہے۔

نظر کا جاتے رہنا

(Amaurosis) اندھا پن

اسباب مرض:- اس مرض کے بھی وہی اسباب ہیں جو (Amblyopia) کے ہیں جیسے سر پر چوٹ لگنا دماغ میں رسولی یا پھوڑا یا تشکر البھار یا جریان خون یا اجتماع رطوبت ہونا، عصبی خرابی، دماغی خرابی، سرخ بخارہ سوزش گردہ، درد سر، عصبی کمزوری، پیسے کے کپڑے تبا کوٹھنی نوشی، جسم میں کھس زہریلے کا پھیلنا مثلاً طارو یا زہریلے کا ہونا عورتوں میں جنون جنس و ایام حمل وغیرہ۔

علامات مرض:- کبھی تو مرض رفتہ رفتہ اور کبھی بہت جلد ہو جاتا ہے نظر روز بروز کمزور ہو کر اور کبھی دفعتاً زکلی ہو جاتی ہے مختلف قسم کی علامات بھی دیکھنے کو ملتی ہیں مثلاً بھی نظر دھندلی ہو جاتی ہے بھی ایک شے ٹھیک دکھائی دیتی ہے کبھی ایک چیز کی دو چیزیں دکھائی دیتی ہیں کبھی مریض اپنے ہی کھسے کو نہیں پڑھ سکتا آگے دیکھنے میں بالکل صحیح سالم دکھائی دیتی ہے مگر میدان بصارت میں نقص پڑواں آ جاتا ہے وہاں میں نقص کے باعث مریض کسی چیز کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا آگے کی پتلیاں پتلی ہوئی یا ساتھ ہوتی ہیں اندھیرے میں مریض کو کچھ دکھائی نہیں دیتا اس لیے وہ اندھوں کی طرح چلتا ہے ہنر یا وغیرہ اور کوٹھن کے بکثرت استعمال کرنے سے یہ عارضہ ہو جاتا ہے بھی یہ مرض پیدا ہونے لگی ہو جاتی ہے۔

علاج:- اصل سبب کو معلوم کر کے اسے دور کریں منشیات تبا کوٹھنی، سرگرمی وغیرہ سے قطعی پرہیز کریں۔

چھاننا:- جب مرض بوجہ اخراج خون یا بوجہ اخراج رطوبت زندگی وغیرہ سے پیدا ہو۔

البتہ قاسم:- جسمانی کمزوری سے جب یہ مرض ہو جائے۔

نکس و امیکس:- جب شراب نوشی یا تبا کوٹھنی کے باعث یہ عارضہ پیدا ہو۔

روا:- جب آنکھوں سے زیادہ کام لینے کے باعث یہ عارضہ ہو۔

نیوٹانگم:- جب باریک بینی کا کام کیا گیا ہو اور آنکھوں کے گے رنگ دکھائی دیتے ہوں۔

ایکونٹ:- موسم گرما میں سر غسل کرنے سے یا ایک اندھا پن ہو جاتا۔

جلی میم:- ایک ایک نظر کا زائل ہو جاتا۔

جلاؤ وٹا:- جھکی اشیاء کی چمک کے باعث نظر کا جاتے رہتا۔

فاسفورس:- نکس و امیکس کے بعد فاسفورس کا استعمال مفید ہوا کرتا ہے مریض کو مختلف رنگ دکھائی دیتے ہیں پڑھتے وقت حرف سرخ نظر آتے ہوں۔

نکس و امیکس:- موسم صبح کی روشنی میں مریض ٹھیک طرح نہ دیکھ سکے، پڑھتے وقت نظر دھندلی پڑ جائے روشنی سے ڈر سکے۔

اندرات (Hemeralopia):- اس کے علاوہ فیرم میٹ اور علم ہم ایٹم وغیرہ بھی اپنی اپنی علامات میں کام آتے ہیں۔

اندرات (Hemeralopia):- اس مرض میں مریض کو اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دیتا یہ مرض درحقیقت ایماروسس کی ہی قسم ہے۔

اسباب مرض:- کبھی یہ مرض موروثی ہوتا ہے اور کبھی عام ہی جسمانی کمزوری یا آگے پڑتیز وچوب کی شعاع پڑنا یا ٹھکن وغیرہ اس کے اسباب ہوتے ہیں غالباً طیریا کا زہریلے اس کا سبب ہوتا ہے۔

علاج مریض کو تیز وچوب میں نہیں جانا چاہیے اور غذا مقوی دکھائی جائے۔

کوٹھن اور نکس و امیکس کا استعمال اس میں مفید ہوا کرتا ہے۔

بیاض دل

میمونہ رومان

فیض محمد جج..... بھاگ ناڑی، بلوچستان
مرحبا کیا موسمِ فرحت لڑا ہے عید کا
ہر طرف جشنِ مسرت مورا ہے عید کا
خاک نکلے دل کی حسرت جب نہ ہو تم سا حبیب
جج ہے دل ہی خوش نہ ہو تو کیا مزہ ہے عید کا
ایمان عاتق..... اسلام آباد
تختہ دعاؤں کا گہنہیں چھپتے ہیں
سدا رے تمہارے گرد خوشیوں کا پھیرا
سرتیں تمہیں عید کی مبارک ہوں
تمہاری زیست میں نہ آئے کبھی غموں کا پھیرا
طلیب شیریں
درد اوروں کے بانٹ لینے کو
بزمِ ہستی میں عید کہتے ہیں
ریا ایمان..... تلمہ
مصروف ہے غلق عید کی تیاریوں میں اور میں
جو فکر ہوں کہ سب سے ہنس کر ملنا ہو گا
حیا مغل..... اسلام آباد
عید حسین ہے یوں تیری ہمراہی میں
جیسے چودھویں کا چاند ہورات کی سیاہی میں
مصباحِ خضیب..... کالا گوجراں جہلم
کس سمت سے آو گئے عید پر اتنا تو بتا دو
میں آج سے ہی بچھا دوں اس راہ پر نگاہیں
تہید اختر بلوچ..... ڈیرہ اسماعیل خان
ہجر کی ماری ان آنکھوں کو اشکوں کی تہیہ مبارک
جن آنکھوں میں تم لپکتے ہو ان آنکھوں کو عید مبارک
مکرم قاضی..... وہاڑی
دل آرزو ہے کہ عید پہ تجھ سے گفتگو کروں
مگر یہ حسرت، حسرتوں کا شمار رہی
مباحثہ ملی..... کراچی
تم آؤ جو اس عید پہ تختہ کریں گے پیش

ہم تو مگر حسرت کے مجسمہ بنے رہے
کنول خان..... ہری پور ہزارہ
دیکھوں جو چاند سا چہرہ تیرا
عید سے پہلے میری عید ہو جائے
فطہ خان..... ہری پور ہزارہ
تیرے کہنے پہ لگائی ہے یہ مندی میں نے
عید پہ اب نہ تو آئی تو قیامت ہو گی
سیدہ فرحین..... کراچی
خوشبو مندی چوڑی آجکل جہاں سنورا اور مسکان
جھٹک دکھا کہ کرو عید کی ساری خوشیاں میرے نام
انامیہ حسن..... ڈیرہ غازی خان
ہجر کے باروں کا درد کا سامان بنے
شب کے آنکھ میں چمکتا ہے عید کا چاند
مباحثہ رفیق چیمہ..... گوجرانوالہ
جمل خراش، ہجر حاصل اداں موسمِ درد کا دل
عید کیا ہے شہر ات کیا ہے، دن کیا ہے رات کیا ہے
عظمیٰ راجپوت..... شیخوپورہ
مل لیں گے ہم اپنے ہی گلے ڈال کر بانہیں
اے بھولے ہوئے دوست تجھے عید مبارک
ابالاحمر..... این ایس آر کوٹ سندھ
وہ جن کہ کسے دل میں فقط درد مسلسل ہے
بتاؤ تو سکتی، وہ عید کا مفہوم کیا جائیں
صفیہ گل..... ساہیوال
اک سکون مانگا ذرا اور دو سانس لے لے
اب دے پاؤں تمہاری یاد بھی آتی نہیں
وہ ملتا ہے ابھی تک مسکرا کر ہی نکلا
اک گرہ جو پڑ گئی ہے دل میں وہ جالی نہیں
مباحثہ صبا..... آزاد کشمیر
اب ان دنوں میری غزل خوشبو کی اک تصویر ہے
ہر لفظ تجھے کی طرح گل کر تیرا چہرہ ہوا
شاید اسے بھی لے گئے اچھے دنوں کے قافلے
اس بار میں اک پھول تھا تیری طرح ہنستا ہوا
ظہیر ہما..... فیصل آباد
خود بھی اترا ہے آسمانوں سے
مجھ کو ہستی میں ڈالنے کے لیے

خود بھی بدنام ہو گیا کوئی
مجھ پر تہمت اچھالنے کے لیے
ارم صبا..... تلہ گنگ
دیکھو کیسے دل پھیلا پھیلا کر ہاتھ
مانگ رہا ہے تم سے چاہت کی خیرات
میں جی لوں گا مجھ کو رہاں ہے تاریکی
سارے دن تم لے لوں مجھ کو دے دو رات
جویریہ صبا..... کراچی
چند بات دوستی کے نہیں ہیں تو کیا ہوا
آپس میں میل جول کی راہیں کھلی رہیں
یہ سب سے اولین سیاسی اصول ہے
دل کے کواڑ بند ہوں بانہیں کھلی رہیں
بالہ سلیم..... کراچی
میری پلکوں پر جمادی گرم صحراؤں کی دھوپ
اپنی آنکھوں کے لیے اس نے سمندر رکھ لیا
دید کی جھوٹی کہیں خالی نہ رہ جائے عدیم
ہم نے آنکھوں پہ تیرے جانے کا منظر رکھ لیا
سردار شاہین..... شیخوپورہ
کسی کو کیا جو قدموں میں جین بند کر رکھ دی
ہماری چیز تھی ہم نے جہاں چاہا وہاں رکھ دی
جو دل مانگا تو بولے تمہارا یاد کرنے دو
ذرا سی چیز تھی ہم نے خدا جانے کہاں رکھ دی
آیت فاطمہ..... رحیم یار خان
کسی سے بولنا اور دیکھنا اچھا نہیں لگتا
تجھے دیکھا ہے جب سے دوسرا کوئی اچھا نہیں لگتا
تیرے چہرے پر جب سے اپنا کس دیکھا ہے
میرے چہرے کو کوئی آئینہ اچھا نہیں لگتا
ماہم چوہدری..... کراچی
موسمِ موسم آنکھوں کو ایک سینا یاد رہا
صدیاں جس میں ست مہینے دو لمحہ یاد رہا
تو ہی وقار کے رنگ تھے ساتوں اس کے چہرے پر
ساری محفل بھول گئی وہ چہرہ یاد رہا
عاصمہ..... جھلوال
رستے پر نہ بیٹھو کہ ہوا تنگ کرے گی
چھڑے ہوئے لوگوں کی صدا تنگ کرے گی

مت نوٹ کے چاہو اسے آغاز سفر میں
چھڑے گا تو ہر ایک ادا تنگ کرے گی
فیاض اسحاق..... سرگودھا
بے چین مزاجی کا سبب کچھ نہ تھا
سوچا تو چھڑنے کا سبب کچھ نہ تھا
اس سخت زمانے میں تجھے لاکھ چاہیں
ہم نے تجھے تب چاہا جب تو کچھ بھی نہ تھا
حرمیت ردا اکرم..... ڈولال
دل تھا کہ خوش خیال تجھے دیکھ کر ہوا
یہ شہر بے مثال تجھے دیکھ کر ہوا
طوبی شب فراق میری خیر ہو کہ دل
آباد وہاں تجھے دیکھ کر ہوا
پردین افضل شاہین..... بہاولنگر
اپنی زلفوں میں اترتی ہوئی چاندی کو چھپا
میرے ہنرے ہوئے بالوں سے پریشان نہ ہو
دیکھ یوں درد نہ ہو مجھ کو لگا لے دل سے
تو میری روح کے اجالوں سے پریشان نہ ہو
سہلی خضر..... شش ماہ
زندگی کے دن کیسے بھی ہوں گزر جائیں گے
ایک دن ہم بھی چپکے سے مر جائیں گے
آج رہتے ہیں آپ کے دل میں یاد بن کر
کل آنسو بن کے آنکھوں سے بھی نکل جائیں گے
اقرار..... خانوالہ
زندگی کے سب لمحے یادگار ہوتے ہیں
نوٹ کر لیں آتے ایک بار ہوتے ہیں
خود پرست مت کہنا، خود پرستیاں کیسی
جو اصول رکھتے ہیں وضع وار ہوتے ہیں
عاشق سلیم..... اورنگی کراچی
ہمارے لب پہ نہ اس کی زباں پر حرف کوئی
مگر لگا ہوں میں کہیں، دکھاتیں مجھے بہت
اداس ہم تھے، تو وہ بے قرار کم تو نہ تھا
ہمارے پیار میں حامد صداقتیں تھیں بہت

دشوق قلبی

طاعت اعزاز

دوسرا انعام
اسپاسی کباب

جزا نمبر ۱
بون لیس چکن
آلو
انڈے پوائل
کالی مرچ پاؤڈر
نمک
ہری مرچ پسی ہوئی
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی
ہر اضیاء
انڈے فرنی کرنے کے لیے
آئل
ایک پکٹ تین کے لیے

جزا نمبر ۲
مٹر ۲۵۰ گرام
آلو ۲۵۰ گرام
میدہ ۲۵۰ گرام
پیاز ایک عدد
مرچ بزر دو عدد
لہسن آدھی کھٹی
ادرک ایک ٹکڑا
سفید زیرہ آدھا چائے کا چمچ
سجی حسب ضرورت
ہلدی حسب ضرورت
سرخ مرچ حسب پسند
نمک حسب ذائقہ

ترکیب :-
آلو چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیجیے اور مٹر کی پھلیوں سے دانے نکال لیجیے آلو اور مٹر میں میں ہلدی اور کھنکھن پنا زعفران مرچ بزر مرچ اور سفید زیرہ چھین کر ڈال دیجیے اور تھوڑا سا پانی ڈال کر پختہ دیکھیں آدھے گل جائیں تو اتار کر رکھ دیجیے میدے میں پچاس ملی لیٹر سجی ملا کر اس کو پانی سے اچھی طرح گوندھ لیجیے ملائم ہونے پر اس کے چھوٹے چھوٹے چڑے بنا کر روٹی کی طرح تیل لیجیے روٹی کو درمیان سے دو ٹکڑے کر کے ایک حصے پر لے کر دوسرے آلو مٹر دھسے اور دوسرے حصہ اوپر رکھ کر کناروں کو انگلیوں کی مدد سے اچھی طرح دبائیں تاکہ تھوڑے وقت سمومہ کل نہ جائے سمومہ کی شکل کھوئی ہوئی چاہے فرنی چٹن یا کڑا ہی میں بھی گرم کیجیے اور اس میں سموموں کو گھس لیجیے۔ سمومے باوا دی رنگ کے ہو جائیں تو نکال لیجیے بڑی بھرے لند سمومے تیار ہیں۔

عائشہ پریم صدیقی کراچی

خرد دس گئے میرے بچوں کو بہت زیادہ پسند ہیں آپ بھی ٹرائی کر کے دیکھیں۔

ریحانہ اعجاز کراچی

تیسرا انعام
ڈرائی فروٹ کیک

جزا نمبر ۱

میدہ ۲۰۰ گرام
مکھن ۲۰۰ گرام
چینی (باریک چینی کر چھان لیں) ۲۰۰ گرام
انڈے ۴ عدد
ٹیلی اسپون
ایک پیالی
آدھی پیالی
چند قطرے

ترکیب :-
سب سے انڈے ایک پیالے میں پیٹڈ بیٹر یا الیکٹرک میز کی مدد سے جھاگ بننے تک بیٹ کریں۔ پھر اس میں مکھن اور پھی چینی شامل کر کے اچھی طرح بیٹ کریں۔ میدہ اور ایک ٹیک پاؤڈر کو دو دفعہ چھان کر اس آمیزے میں آہستہ آہستہ شامل کر لیں۔ یہاں تک کہ آمیزہ اچھی طرح کچان ہو جائے۔ پھر اس میں ویلا سٹنس اور ڈرائی فروٹ مریات شامل کر کے کیک کے سانچے (سانچے کو ذرا سا مکھن اور پھر میدہ ڈال کر گریس کر لیں) میں ڈال کر پہلے سے پرئی ہیٹ اودن میں ۱۵۰ گری پر ٹھیک ۳۰ منٹ کے لئے بیک کر لیجیے یہ کیک جو ایک منٹ مانگ رہا ہو کر لیں ایک ٹھنڈا ہونے پر نیم لگا کر سارے ڈرائی فروٹ کیک پر ہیٹ کر دیں آپ کا مزیدار سا کیک ریڈی ہو جائے عید پر اے مہمانوں کی ایک سے تواسخ کر کے خوب دار سٹیکس اور پھر دعائوں میں یاد رکھیں۔

مہر چوہدری
چاکلیٹ کیک
تازہ دودھ ایک پیالی
ویلا سٹنس آدھا چائے کا چمچ
کوکو پاؤڈر ایک کھانے کا چمچ
انڈے دو عدد

چاکلیٹ
سجی
آدھی پیالی
دوپال

ترکیب

چینی اور سجی کو کس کر کے اچھی طرح پیسٹ لیں میدہ چینی اور کوکو پاؤڈر کو چھان کر اچھی طرح ملا لیں دودھ ملا کر اچھی طرح کس کر کے مزید چند منٹ تک پیسٹ لیں چینی کے کچھر میں میدے کا کچھر تھوڑا تھوڑا کر کے ملا لیں اور پیسٹ بن جائیں کیک کے سانچے کا ٹکڑ کر کے اس میں کچھر ڈالیں اور اودن میں چھ سے سات منٹ کے لیے بیک کریں۔

اریہ منہاج کراچی
نئی نکلیاں

میدہ ایک پیالی
دودھ ایک پیالی
چاکلیٹ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ
تیل یا سجی تین کھانے کے کچھے
ایک پیالی (دودھ میں آدھے کھٹے کے لیے بھگودیں)

ترکیب :-
میدہ میں بیٹنگ پاؤڈر ڈال کر چھان لیں بیکس ہوئی سوچی میں میدہ بھی شامل کر کے گوندھیں ضرورت ہو تو تھوڑا سا دودھ اور ملا لیں (ایک کپ کے علاوہ) تاکہ میدہ اچھی طرح گوندھا جا سکے آدھے کھٹے بعد چھوٹے بیکس نما نکلیاں بنا کر ڈیپ فرنی کر لیں۔ میدے کی ایک چوتھائی انچ موٹی سی روٹی تیل کراچی مرضی سے چھوڑا شلٹ لگی بھی بنائی جا سکتی ہے۔

چکن لیگ اور بریٹ آدھا کلو
کے درمیان سائز کے
ٹکڑے
کارن کلو

اشیاء

اشیاء

نمک
انڈے
کالی مرچ (بھئی ہوئی)
تیل
آدھا چائے کا چمچ یا حسب پسند
تین عدد
آدھا چائے کا چمچ
تلنے کے لیے

ترکیب:
چکن کو صاف کر کے دھو لیں اور نمک ڈال کر تین منٹ تک ابالیں۔ اب پانی میں سے چکن نکال کر خشک کر لیں۔ انڈے میں کالہ فلور نمک کالی مرچ ڈال کر پیسٹ میں اب چکن کو انڈے کے آمیزے میں اچھی طرح ڈیپ کر کے آج پر سنہری بال ہونے تک ڈیپ فرائی کر لیں۔ فریج فرائز ہو نیوز اور ہری مرچ والی دبی کے ساتھ چکن بروست کھا میں اور شام کی چائے کا ملا لیں۔

اشیاء:
چاول
دودھ
چینی
بادام
گری
پست
ترکیب:
چاولوں کو دھو کر سکھالیں پھر اسے پیس لیں چاولوں کو دودھ میں شامل کر کے ابالیں پھر اس میں چینی بادام گری اور پست ڈال لیں۔ آدھا گھنٹہ تک کھیر کو کالیں۔ جب کھیر نرم اور گرم ہو جائے تو اسے اتار لیں۔ ڈونگے میں ڈال کر اسے فریج میں رکھیں اور مزے سے کھا میں۔

نہت چین ضیاء..... کراچی
ریڑی حلوہ

اشیاء:
سوی
چینی
سجی
گری میوہ
بادام
ایک کلو
ایک کلو
آدھا کلو
آدھا کلو
ایک چمچ گری

ترکیب:
سوی کو پانی میں بھگو کر رکھ دیں۔ ایک کڑائی میں اس میں سجی اور چینی ڈالیں اور چمچ مسلسل ہلاتے جائیں۔ جب چینی مناسب سرخ ہو جائے تو اس میں سوی ڈال دیں اور چمچ مسلسل ہلائیں۔ سوی سے بھی علیحدہ ہو جائے تو اس میں گری میوہ اور بادام ڈال دیں اور تھوڑا سا علیحدہ رکھ لیں۔ کڑائی کو حلوے سے نیچے اتار لیں اور پستے میں حلوہ ڈالیں اس کے اوپر گری میوہ اور بادام ڈالیں اور خوب صورت طریقے سے شادیت کریں۔ لیجیے ریڑی حلوہ تیاری۔ ضرور دیکھ لیں۔

تانیہ..... ہانہوہ
یگمہ کس کریم
آدھا کلو
دودھ
بالائی
چینی
کھن
کسٹرز پاؤڈر
180 گرام
تین انیس
چاکر کھانے کے چمچ

ترکیب:
کھلے منہ کی دھچکی میں دودھ ڈال کر ہلکی آج پراتا کا کس کر یہ ڈیڑھ لیٹر رو جائے۔ اب اس میں چینی ڈال دیں اور خشک ہونے دیں جب حرارت کم ہو جائے تو اس میں کسٹرز اچھی طرح گھول دیں۔ اس کے بعد چوبیس سے اسی درجے اور خشک ہونے کے لیے رکھ دیں۔ آم کے گودے کے باریک کٹڑے کر لیں اور گودے کو اچھی طرح پیسٹ لیں۔ جب کسٹرز خشک ہو جائے تو آدھا اور بالائی اس میں شامل کر دیں اور خوب زور سے چمکیں۔ اس آمیزے کو فریج میں رکھ کر بھالیں۔ یگمہ آکس کریم تیار ہے۔

طلعت نظامی..... کراچی

بیوٹی گائیڈ

روین احمد

لیوں اور دودھ
لیوں کے دس کو دودھ میں ملا کر خشک اور کھردری جلد پر لگایا جائے تو جلد نرم ہو جائے اور تازہ ہو جاتی ہے۔
چہرے کی خشکی دور کرنے کے لیے ریخن کا تیل لیوں کا رس اور عرق گلاب ملا کر لگانے سے چہرے کی خشکی ختم ہو جاتی ہے۔
چہرے کو صاف دیکھنے کے لیے تازہ دودھ سے چہرے کو دھو لیں اس صاف دھوئے صاف ہو جائیں گے۔
پیرے اور لیوں کا رس ملا کر لگانے سے چہرے پر چھالیاں نہیں پڑتی اور چہرہ بارش نظر آتا ہے۔
باجرے کا آنا پھر اور نمائوں کا جس ملا کر چہرے پر لگائیں اور تین منٹ تک لگا رہنے دیں پھر خشکے پانی سے دھو لیں اس سے چہرے کے داغ و جب دور ہو جائیں گے اور رنگت بھی کھر جائے گی۔
بلیک بیڈر ختم کرنے کا نسخہ

لیوں کا رس لال انگوروں کا رس اور ایک آلو کو دھو کر کس کر لیں۔ پیسٹ پندرہ سے تین منٹ کے لیے چہرے پر لگائیں اور پھر چہرہ دھو لیں اس نمک کے استعمال سے داغ اور بلیک بیڈر دونوں ختم ہو جائیں گے اور رنگت میں بھی کھار پیدا ہوگا۔
چہرے کی رنگت کو گرا کرنے کے نو گئے

دو سے تین قطرے لیوں کا رس دو چائے کے چمچ دودھ اور ایک چائے کا چمچ تین ملا کر پیسٹ بنالیں۔ پیسٹ چہرے پر پندرہ منٹ تک کے لیے لگائیں اور پھر دھو لیں۔ ریخن کا تیل میں ایک بار استعمال کریں پھر پستے استعمال کے بعد کھنک میں داغ کھانے کا۔
ایک چائے کا چمچ شہد ایک چائے کا چمچ لیوں کا رس ایک چمچ ملک پاؤڈر اور ایک چمچ بادام کا تیل کس کر کے پیسٹ بنالیں۔ پیسٹ چہرے پر لگائیں اور پندرہ سے تین منٹ تک لگا رہنے دیں پھر چہرہ صاف پانی سے دھو لیں اس سے صرف رنگت میں داغ کھانے کا بلیک جلد میں چمک بھی محسوس ہوئی اور داغ دھبے بھی صاف ہو جائیں گے۔

پانی میں لیوں کا رس اور نمک ملا کر فسل کرنے سے جلد کا رنگ کھر جاتا ہے۔
کانڈی لیوں کے کٹڑے جس سے دس نیچے ڈالیں گی ہو چہرے پر

روزانہ لیں رنگ صاف ہو جائے گا۔
چہرے پر خالص دودھ کی بالائی تلنے سے چہرے پر کھار آ جاتا ہے۔ گریوں میں خالص اور خشک بالائی روزانہ لگائیں۔
دودھ میں جواہر گہیاں کا آٹا ملا کر اس میں تین لیں اور اسے چہرے پر نہیں چندوں میں نمایاں فرق محسوس ہوگا۔

ہاتھوں کی خوبصورتی آپ کے ہاتھ میں خوبصورت ہاتھ کی خواہش نہیں ہوتے تمام خواہشیں جانتی ہیں کہ ان کے ہاتھوں کی جلد نرم و ملائم اور قدرتی رنگت گھری ہوئی ہو ہاتھوں کو خوبصورت بنانے کے لیے چہرے کی طرح ہاتھوں سے بھی مردہ جلد کو صاف کرنا نہایت ضروری ہے۔
سمندری نمک اور لیوں کا رس لے کر اچھی طرح کس کر لیں۔
پندرہ منٹ کو اس لٹول میں ڈالیں اور پانی سے ہاتھ پر دھو لیں۔
تین صرف دوسرے اس کو تھکے کا استعمال ہاتھوں کی جلد کی چمک کو بحال کر دے گا۔ پندرہ منٹ کی عدم دستیابی کی صورت میں پراٹو تھو دھش استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ تین میں عرق گلاب کس کر کے آپ ہاتھوں پر اپلائی کر سکتے ہیں اور اگر اس میں لیوں کے چند قطرے بھی شامل کر دیں تو وہ پستے سے تازہ رنگت بھی ٹھیک ہو جائے گی۔
انڈے کی سفیدی ایک عدد بھنکوی ایک چمکی اور سفید موم اور بادام کا تیل آدھی پیالی کس کر کے کسی بوتل میں محفوظ کر لیں اس مرکب کو روزانہ ہاتھوں پر مساج کے لیے استعمال کریں۔ چند ہی دنوں میں ہاتھوں کی جلد نرم و ملائم ہو جائے گی۔

رنگ گرا کرنے کے قدرتی نسخے
ایک چائے کا چمچ ملک پاؤڈر ایک چمچ شہد ایک چائے کا چمچ لیوں کا رس آدھا دھو چائے کا چمچ بادام کا تیل کس کر لیں اس کا پیسٹ بنا کر چہرے پر لگائیں اور اس سے پندرہ منٹ تک لگا رہنے دیں پھر سادہ پانی سے دھو لیں اس سے آپ کے چہرے پر چمک آ جائے گی یہ داغ دھبے صاف کرنے کے ساتھ ساتھ رنگت کھانے کے لیے بھی بہتر ہے۔
ایک چائے کا چمچ تین اور آدھ دودھ دو سے تین قطرے لیوں کا رس ڈال کر پیسٹ بنالیں اور چہرے پر پندرہ منٹ تک لگا رہے دیں۔ چار ہفتوں تک اس کے روزانہ استعمال سے آپ کی رنگت گھری اور چہرہ صاف ہو جائے گا۔

ہاتھوں کی خوبصورتی کے لیے بنیادی نہیں ہاتھوں کو خوبصورت اور صحت مند بنانے کے لیے کنڈھر کا

استعمال ضروری ہے۔ بیشتر خواتین بالوں پر کنڈیشننگ پراڈکٹ استعمال نہیں کرتی اور عموماً تاثر یہ ملتا ہے کہ کنڈیشنر سے بال مزید خراب ہو کر گرنے لگتے ہیں اور پچھائی زدہ ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ کنڈیشنر کا ضرورت سے زیادہ استعمال بالوں کو متاثر کرتا ہے تاہم بالوں کی پچھائی کی وجوہات اور ہوتی ہیں۔ آپ کے بالوں کو ہر وقت موچرنگنگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا بال شیو کرنے کے بعد انہیں کنڈیشنر کرنا نہ بھولیں۔ بات کا خیال رکھیں کہ شیو اور کنڈیشنر زیادہ سے زیادہ وقت میں دو بار استعمال کریں۔ کسی بھی چیز کا حد سے بڑھا ہوا استعمال منفی اثرات مرتب کر سکتا ہے۔

بالوں کی حسن و خوبصورتی کو برقرار رکھنے کے لیے باقاعدگی سے برش کرنا بھی بے حد ضروری ہے اور خاص طور پر بال شیو کرنے سے پہلے برش کرنا سر کی جلد میں دوران خون میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ دن میں کم از کم دو بار برش کرنے سے سر کی جلد پر خشک کے چھلکے نہیں جتے اور بالوں پر استعمال کی گئی ایسا ٹنگ پراڈکٹس کے اثرات بھی زائل ہوجاتے ہیں۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ برش کرتے وقت آپ کے بال مکمل طور پر خشک ہوں۔ کیلے بال پتہ نہ رہتے ہیں اس لیے فوراً ٹوٹ جاتے ہیں۔ لہذا پہلے بالوں کو خشک کریں اور پھر برش کریں۔ بالوں کو تیز جوپ سے بھی بچائیں اور انہیں دھونے کے لیے تیز گرم پانی استعمال کرنے سے گریز کریں۔

گھیر آئی میک اپ

اگر آپ میک اپ پریزنڈر کی بات کی جائے تو آج کل گھیر آئی میک اپ خواتین میں کثرت سے مقبول نظر آتا ہے اکثر خواتین مکمل گھیر آئی شیڈ اور کچھ جنس انسٹر کی جگہ پراڈکٹوں کی چمک برحانے کے لیے گھیر کے استعمال کو ترجیح دیتی ہیں۔ گھیر آئی میک اپ صرف ایک رنگ کی ہی افشائنگ محدود نہیں بلکہ دوران میک اپ ایک سے زیادہ رنگوں کی افشائ استعمال کی جاسکتی ہے۔ مختلف رنگوں کے ساتھ پیلنے سے کیا گیا آئی میک اپ گھیر آئی میک اپ کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ سسورنگ اور پریزنڈر گھیر آئی میک اپ ایک منفرد اور خوبصورت انداز فراہم کرنے کے لیے بہترین ہے۔

گھیر کے استعمال کے بارے میں اکثر یہ رمان کیا جاتا ہے کہ اگر گھیر میک اپ کرتا ہے تو فل گھیر آئی میک اپ کیا جائے۔ ایسی اوقات ہلکے سے گھیر کا انتخاب بھی ایک نئے ٹریڈ کوئز وس دیتا ہے ڈارک آئی میک کی اوپری سلی پر گھیر لائسٹری باریک سی لائن لگادی جاتی ہے جو آگھوں کو ایک نیا لک دینے کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح گھیر آئی میک اپ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بڑا کتا اور بولڈ گھیر

شیڈز کے ساتھ کیا گیا ہو۔ گھیر آئی میک اپ کے لیے تمام رنگوں کا استعمال بخوبی انداز میں کیا جاتا ہے تاہم گولڈن گھیر کو منفرد انداز کے باعث خواتین میں خاصی پرمیٹی حاصل ہے۔ یہ ایک ایسا انتخاب ہے جسے اگر لائ یا کاشن کے سوت کے ساتھ بھی لگایا جائے تو آپ کی تیاری میں شایانہ انداز کی جھلک پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح پانی میک اپ کے لیے اگر کوہ پر اور شیڈ آئی شیڈ لکھ کے ہر گولڈن گھیر کی تم مقدار بھی استعمال کی جائے تو یہ آپ کی آنکھوں کی خوبصورتی میں چار چاند لگادے گا۔

سکرین کا استعمال فوائد اور احتیاط

موسم ہوا اور ہوا چھپائی جو پ ماہرین ہر طرح کے موسم میں سکرین کے استعمال کا مشورہ دیتے ہیں۔ سکرین سولن کی پروا دست لہذا ڈارکٹ شعاعوں سے جلد کو محفوظ رکھتا ہے۔ شامیں جلد کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا ڈارکٹ شعاعیں جلد کے کینسر کے خطرات کو بڑھاتی ہیں۔ سکرین کا استعمال کینسر کے خطرات کو کافی حد تک کم کرتا ہے۔ مستقل جوپ میں رہنے سے جلد پر جھریں نمودار ہو سکتی ہیں۔ سکرین جلد کو جھریوں سے محفوظ رکھ کر کل از وقت بڑھا ہونے سے بچاتا ہے۔ اس میں موجود پروٹین کیمرش اور ایلامنٹن جلد کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ پروٹین جلد کو نرم و ماسک اور صحت مند بنانے کے لیے اہم ہیں۔ یہ چہرے کی رنگت کو جوپ سے متاثر ہونے سے بچانے کے لیے بھی ضروری ہے۔ سورج کی شعاعوں سے اسکرین ٹون تبدیل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات جلد پر براؤن دھبے پڑ جاتے ہیں۔ جلد کو ان مسائل سے بچانے کے لیے سکرین کا استعمال کرنا ضروری ہے۔ تاہم ان تمام تر فوائد کے باوجود احتیاط لازم ہے۔ کسی بھی چیز کی کثرت نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ سکرین کی بھی فائدہ مقدم میں استعمال دلائل ہیں۔ ڈی کی کی پٹیوں کی ضرورتی اور پٹیوں کے گھیر کا سبب بن سکتا ہے۔ نورو پینڈر می آف کیسٹروئیا کے اسسٹنٹ پراڈکٹس کے مطابق سکرین کا استعمال جسم کی دھن ڈی بننے کی صلاحیت کو کم کر دیتا ہے۔ جسم کے بیشتر اٹھ مثلی خلیوں کی شو وٹا اور کثرت حفاظت کے لیے دھن ڈی کا نور لازم ہوتا ہے۔ لہذا اپنے میں دوبار کم از کم میں صحت سورج کی روشنی میں گزارنے سے دھن ڈی کی مقدار کے اضافے یا اس کو برقرار رکھنے میں مدد مل سکتی ہے۔



نیرنگ خیال

ایمان و فستار

نیرنگ خیال

ہر رت میں انداز جدا ہے
ہر عید کا رنگی نڈا ہے
ہر صبا کا رخ جو ہے
دل کی فصل پر بار جدا ہے
عید کی دل پہ نظر کسی کا
کتنی اداسی، کتنی خوشی کا دوبارہ ہے
کس کی ہنسی، عید کی دکانی مٹتی
تبدار عید کسی کے رونے سے اٹھتا ہے
کتنی دل باغی، کتنی اعتبار کی لڑی ہے
ہر سو عید کا جدا گانہ نظارہ ہے

(نرین مرحومہ..... حیدر آباد)

میکے عید

اے ماں.....
میری پیاری ماں
بجھاپ بھی تیری یاد آتی ہے
جب آتی ہے تو خون کا نسور لاتی ہے
تم جس وقت مجھ سے جدا ہوئی
اس وقت ہر سمت عید کی خوشی جھانپتی تھی

اسے میری پیاری ماں
تم ایسے ننسی ننسی کر پلاٹ کر رکھی تھیں
اب پھر عید آ رہی ہے
میری جان چارہ ہی ہے

پچھلے سال.....
میری تم جو بچوں کی عید کی میکے سناتی تھی
اور میری ننسی تھی
سب مجھ سے سوال کرتی تھی

تیرے میکے سے عید کی ننسی آتی؟
اب تم ہی بتاؤ ماں ان کو کیا کہوں
کہ عید کی ننسیوں کی آتی ہے
جن کی زندہ ماں ہوتی ہے
مجمجم کی مادر منوں منی میں جاسوئی
حسرت دل میں ہی رہ جاتی ہے
روستو.....
جس عید میں، مں کی دید نہیں
وہ کی کام کی عید نہیں

(مجمجم، جمہان..... کراچی)

فصل

بچپن کی تصویر کو دیکھ کر روئی ہوں
خینوں سے میں نیر بہا کر روئی ہوں
میرے عشق کا صدمہ کتنا گہرا تھا
ہر اک کو میں حال بنا کر روئی ہوں
صحرائوں میں سسکی بن کر آئی تھی
پنوں کے کچھ خواب بنا کر روئی ہوں
کتنا ظلم کیا ہے مجھ پر حاکم نے
عدل کی زنجیر ہلا کر روئی ہوں
کل سب لوٹ کر اس نے آنا گھر کو تھا
کمرے میں کچھ پھول سجا کر روئی ہوں
گھر لوٹ کر آنے کا تو اک بہانہ تھا
گھر کا ہر اک دیپ بجھا کر روئی ہوں

(فرید غفری..... لاہور)

"عید کا دن"

نہیں ہوئی
اس عید پر بھی
وہ چوڑی
کی ٹکنک
وہ پارے کی چمن چمن
چھ عید بھی
گزر جائے گی

تیرے کن
میرے ہم
دعا ہے سیدی میری
تیرا ہر دن عید کی مانند
گزرے میرے ہم

(آٹا طارق..... کوٹ مارنگ)

یادیں
میں جب بھی باغی میں جھکتی ہوں
تو تیری یادیں ہمیشہ مٹتی نہیں سے میرا سوا گت کرتی ہیں
مگر میں جو بھی تیرا دیکھتی ہوں
تیرے وصل کی محنتی گلی میں تیری نگاہیں تھکتی ہیں
اور میں ان کے سنگ جلتے جلتے تیری یادوں کی وسیع دنیا
تک پہنچ جاتی ہوں.....

جہاں کی فضاؤں میں تیرے لہجے کی کھٹک مچھتی ہے
جہاں کے پھولوں میں تمہاری خوشبو دھس کرتی ہے
جہاں پہنچتی تیرے ہی گیت گاتے ہیں.....

جہاں موسم سہاتا ہے جہاں پر کوئی دیوانہ ہے.....
مگر میں جو بھی گھر کو لوٹی ہوں
تیرے اجڑی کالی لمبی راتیں تھی ہیں
اور تیری یادوں کی کرچیاں میرے پیروں میں جھپکتی ہیں
اور ہر طرف چاروں سویرے درد و غم کی چیخ دیکار
میرے کانوں سے نکلتی ہیں جو تپ تپ کر کے کہتی ہیں
اب کی بات اے تو.....

اسے یادیں لوٹ دینا
اسے یادیں لوٹ دینا

(تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان)

عید آئی ہے
اسے کہنا کہ کونسا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ کونسا ہے عید آئی ہے
اس عید بھی آئی ہے کہ کونسا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ کونسا ہے عید آئی ہے
آ کے اس تہاں کو کونسا جاؤنسا ہے عید آئی ہے

آ نچل مہمان کے نام

کوثر تازو دوستوں کے نام

السلام علیکم۔ عزیز کی کوثر ناز آپ کو دھیر دھیر مبارک باد آج کل میں ناول منتخب ہونے پر خدا پاک کی پاک ذات

اس جیسی ہزاروں کامیابیوں کو آپ کا مقصد کروئے آئین۔ ایک بار پھر آجکل کے توسط سے اتنا یاد اراٹوں گفت کرنے پر آپ کا بے حد شکر ہے۔ پیاری دوست آپ کی بے لوث چاہتوں کی مقروض ہوں سدا شاد و باور ہوا آئین۔ فائزہ بھٹی پیاری یاد رکھنے اور دعاؤں میں یاد رکھنا بے حد شکر ہے مگر تو بچل کی دوستوں نے صائمہ سکندر کب کا بھلا دیا ہمارے خیال تم واحد دوست ہو جو ہے ہر کام میں مجھ پر کھڑی رہو گیتی ہو۔ تمہاری یہ محبت انھیں کر چاتی ہے سدا خوش رہو صبر کا پیغام قبول کرو ستارا آئین۔ بل کتنی خان کہاں کم ہیں۔ اس اصول پیاری دوست ہے، مد معذرت کے میں آپ سے رابطہ نہیں کر سکتی اور طبیعت کی سازش ہے ان شاء اللہ جلد رابطہ کروں گی۔ شہزادہ ہوشیار علی آپ کی طبیعت، افراد لیاقت بھول گئی نہ منورہ میں کیا بہت مصروف ہو چکا ہے لچل میں نظری نہیں آتی ہو۔ عائد ملک کہاں کم ہو جاز غوری آپ کی محبت کی میں قدر کر رہی ہوں آپ جیسے دوست نصیبوں سے ملے ہیں سدا خوش رہیں۔ مدیحہ نور ملک بڑی بے وفائی کی ہو ظالم نہ ہو تو زمین مرھیتا آپ بہت اچھی ہیں اللہ آپ کو بہت ساری خوشیوں و کامیابیوں سے نوازے آئین۔ نورین مسکان سرور رب کی رحمتوں کے سائے تلخ ہواؤں میں کمال نوا کے کی مانی بنے، پر مبارک باد قبول کرو۔ بہنور انصاری کہی ہیں آپ بہنوری دعا میں آپ کے ہم حیران فرشتی آپ کے لیے کئی دعاؤں کا قلم ہے۔ فرخ طاہر کہی ہیں آپ اب طبیعت کبھی ہے آپ بن اللہ پاک آپ کو جلد صحت یابی عطا کرے آئین۔ دلکش مریم نامورا طیفہ زینت حسین ضیاء معصومہ لکھی، عریضہ شانی سیدہ خور عین فاطمہ لعل خان بہت شفقت میں ہیں سب کے لیے بہت ساری دعا میں۔ عبدل آپ کو انوار طیفہ کی خوش مبارک ہو۔ ایسے ہی محنت کرتے جاؤں۔ تعلیمی میدان سر کرتے جاؤں سندھ یونیورسٹی کا بے حد شکر ہے۔ بانی جن دوستوں کے نام لکھتے رہے گئے ہیں ان سے معذرت دعاؤں کی طالب۔

آنچل جولاہی ۲۰۱۸ء 204

(صائمہ سکندر دہرو..... حیدرآباد سندھ)

دل والوں کے نام

السلام علیکم! آنچل اسٹاف ریڈر رائٹر اور میری آنچل
فرینڈز سوسائڈ ریاض بیٹا خالد حنا رشید حسینہ انجی ایس بیوین
افضل شاہین نورین انجم نجم انجم روشنی وفا مدیحہ مہک دلش
مریم سہاس گل فائزہ بھٹی کشور سلطانہ اقوام حفیظہ زکا زنگر
مہک بھٹی وقاص عمر اور کٹر خالدہ آئی ایم سوئی بیٹھے آپ کا
موجودہ بیٹم اچھا نہیں لگا کیا سب آپ کو ہمیشہ کٹر خالد کہہ کر یاد
کر سکتی ہوں) آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے عید مبارک
ہو میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دھیروں خوشیاں عطا
فرمائے اور کٹر خالدہ آپ کا پیغام پڑھ کر پتہ نہیں لیا کیوں لگا
کہ آپ پر جیسے کوئی ایسا پریشانی آئی ہے کہ آپ موجود ہو کر
بھی نہ موجود لگیں مجھے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام
پریشانیوں دور فرمائے اور آپ پہلے والی کٹر خالدہ بین
جائیں (آمین) آپ کی بیوٹھ اور غزالہ بی بی آپ کو شادی مبارک
ہو سدا خوش رہو آمین۔ تبسم بشیر بہر آپ کا دوست کا بڑھا ہوا
ہاتھ محبت سے تمام آپ کو اپنا دست بنانے کا شرف بخشے
ہیں خوش ہو جاؤ۔ میری پوری فیملی ایڈیشن میری چناری ماں کو
میری طرف سے عید مبارک ہو۔ اللہ حافظ۔

(رقیبہ نامہ..... تحصیل میلسی دہاڑہ)

آپچل فرینڈز اور ماہنامہ والوں کے نام

اسلام علیکم! کیسے ہیں سب فرینڈز؟ یقیناً گھبراہٹ
انجوائے کر رہے ہوں گے وڈا سنگٹکرم کے ساتھ۔ اور ماسکو
کی کیونٹن گزرا رہا تعارف تو کرواؤ مجھے تم سب گزرتے
بارے میں جاننے کا بہت شوق ہے۔ انٹری واپسی پیری
کلاس میں۔ اور جن جن دوستوں نے مجھے وکٹی کی آفر
تے تو ان سے کہوں گی قبول ہے قبول ہے قبول ہے (اب
خوش) اور انچ فرینڈز سٹوڈنٹس کی گزرتی ہے لائف؟ ہمارا
حال تو آج کل کچھ عجیب سا ہے۔ کھینچیں اور کھلی کتاب
سمجھنے کے نہیں۔ اسے بھی پیچڑ ہو رہے ہیں 22 کو پہلا
پیچڑ ہے اور ہے بھی رمضان کتنا ظالم ہے
B.Sc, BA, B.A, B.Sc (ایگری ہو نا)

آنجا جو لائے

والو) پلیز سب نے دعا کرتی ہے جیسر اچھے ہو جائیں۔
 پروین افضل آپ کیسی ہیں؟ اور تمام اچھل فریڈ طیبہ خاور
 مدیحہ بخور بن مہک سمیرا سوانی، نجم انجم تابیہ الطاف حصاریحان
 سیدہ رانی، اقراء محسنہ بخاور ذکار زمرہ مقدس زہرہ اقراء حفیظہ
 بیٹا خالد بنت مریم ارم کمال نورالاشلال اور اشیش میرے اپنے
 سانسہ کی شہزادیوں گل مینہ ایند حسینہ عابدہ مغل، سمیرا کنول
 کرن شہزادی، سمیرا سوانی، ممشی خان کو عید مبارک اور جو جو
 مجھے فیس بک پر ریکویسٹ بھیجنا چاہے تو میری آئی ڈی
 ہے Shah ziadagi اور نازیبا پی آپ پلیز میری
 ریکویسٹ ایکسپٹ کریں۔ لو کے فریڈ زندہ رہی تو ان
 شاہانہ پھر ہوگی پرنسز اتنا عا آپ کے دو پروردگار کھلا
 (پرنسز اتنا عا..... سانسہ)

پیاری دلازمی، بہنوں کے نام
امید ہے کہ ساری پیاری سی بہنیں ٹھیک ٹھاک اور فٹ
فٹ ہوں گی۔ میری طبیعت خاصی خراب رہی ہے۔ ٹائی
فائزہ ہو گیا ہے۔ ساری بہنوں سے خصوصی دعا کی درخواست
ہے۔ رقیہ تازہ آپ کا بہت شکر ہے۔ نواسے کی مبارک باد دینے
کا۔ عروسہ پرویز اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ساری خوشیوں اور
مسرتوں سے نوازے۔ (آمین) فائزہ بھی آپ کو بھی
رمضان کی اور عید کی یقینی مبارک باد۔ تبسم بشر آپ سے کچی
کچی دوستی یاد رکھیے گا۔ بھولنے کا مت، کوثر خالد آپ کا نیا نام
ہو دوائے محمد سرور بہت مقدس نام ہے۔ ویسے نام بدلنے کی
کوئی خاص وجہ نہ ہو۔ افضل شاہین آپ کے لیے میں نے
رمضان میں خصوصی طور پر دعا کی ہے۔ مذبح نورین ایک اور
نورین مکان عید کی وحیروں مبارک باد قبول کریں۔ نجم انعم
احوان انیلہ طالب انیلہ ناز کرن شہزادہ اشہر پرویز دلکش مریم
دعائے سحر، شمع مکان طیبہ خاور رشک حنا طیبہ ندر سامعہ
ملک، منہش ملک احوان روہی علی تم سب کو رمضان کی اور عید کی
مبارک باد۔ اپنا بہت سا خیال رکھنا تم سب کی جائزہ مرادیں
اللہ تعالیٰ پوری کریں رمضان اور عید کی خوشیوں میں اپنے ارد
گرد لوگوں کو بالکل بندھ لیں۔ اپنے دل صاف رکھیں، مثبت
سوچ رکھیں، محبت کو عام کریں اور نذرت کا باب ڈیلیٹ کر دیں

تو ہماری زندگی کا ہر دن عید جیسا ہوگا جن بہنوں کے نام مجھے یاد نہیں رہے ان سے معذرت۔

ارم کمال..... فیصل آباد

دوست کے نام

السلام علیکم اوب و احترام دل کی گہرائی سے خلوص بھرنا بہت بے وفانگہ سارے کوئی خیر خیر نہیں ہمیں بہت یاد آتے ہیں وہ لمحے جہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے رفعت فخرت بلند فائزہ دہتی۔ ایسی ہوتی ہے ہمیں امید ہے آپ سب آپ چل خیر پرستی ہیں ہمیں بھول کر یاد کر لینا ہم پر احسان ہوگا آپ کی ہی واحد دوست بچا ہے جس سے سب کہہ دیتے ہیں اور چمڑے مل جاتے ہیں اب اٹھائی کافی ہے۔ اب بے وفانگہ لیکن قلم اور کاغذ میرے بہترین دوست بن گئے جو کسی بھی حالت میں ساتھ نہیں چھوڑتے۔ جہاں رہو خوش رہا مین۔

(آپ کی شوکت..... منگو منڈی)

چاہنے والوں کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے تمام فریڈز اور فیملی کو سلام! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے میری پیاری عقائد کا کسی بھی ہو سب ویسے تو ہم سارا دن ساتھ ہی ہوتی ہیں گمراہی میں خیریت دریافت کرنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ افراد تاج عدیلہ اسلم ہمارا مان عروج لائے! ضرور یہ رعبہ کسی ہو سب اللہ تم سب کو کامیاب کرے اور ہمیشہ خوش رکھے (آمین) میری پیاری خالہ جان کسی ہیں آپ اور مائی ڈیر میسر میاں محمد عمران کیسا ہے سیرا تو مدد سب کتنی ہیں اوب آپ کو بخیر گھر میں انہی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ آپ کو ہمیشہ اس گھر میں خوش رکھے (آمین) بیلا اقرام اسحاق کیا مری ہو نہ کال نہ ایس ایس ایس گھنٹا ہے بھائی وہی کے ساتھ زیاہی بڑی ہوتی ہو سی لے تو بھی کسی فریڈ کو یاد نہیں کیا (بے وفا) بیلا مدد فریڈز میں بہت بالکل ٹھیک ہوں۔ اللہ کا شکر ہے تم کسی ہو اور کسی جاری ہے لائف۔ ابھی تک ٹیچنگ ہی کر رہی ہو۔ (اف اللہ) کتا و ماغ ہے تمہارا۔ بس بھی کرو یا اب سسرال جانے کی تیاری کرو

(او کے) بیلا نورین کیسی ہوا گیزا م کیسے ہوئے؟ بیلا مائی ڈیر فریڈ صدف کیسی ہو اور لائف کیسی جا رہی ہے۔ تمہارے کہنے پر میں نے آج کل میں تمہارا حال پوچھا ہے۔ اب جواب بھی ضرور دینا (او کے) ہائے! شازنہ انور کیسی ہو اور میری بھانجی کیسی ہے یا کبھی جواب بھی دے دیا کرو؟

بیلا کیسی ہو مائی کالج فریڈز ماریہ عیشاء آمنہ رشاہ منیر رشاہ انشاء اللہ عطر محسن اقرام سید اور جن کے ہم نہیں لکھ کی معذرت کیونکہ اتنی جگہ نہیں ہے (بیلا) بیلا میری پیاری پیاری فریڈز تمہیں بتائیے کسی ہو یا کبھی جواب بھی دے دیا کرو میرا۔ تانیہ بہت آفس ہوا کہ تمہارے اباوس دیا سے چلے گئے۔ حد سے زیادہ آفس ہوتا ہے نہ ہوتا ہے نہ ہونا اور نہ ہی پریشان ہونا کیونکہ ہمت ہارنے اور پریشان ہونے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ ہر روز ہر پریشانی کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور اپنے ابا کے لیے دعا کرتا۔ اللہ ہماری ہر مشکل ہر پریشانی ہر دکھ دور کریں اور ہمیں صبر و (آمین) میری دعا ہے کہ اللہ تمہارے ابو کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی بخشش و مغفرت کریں۔ (آمین) ہمیشہ خوش رہو اور مستی مسکراتی رہو۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے اللہ حافظ۔ رب را کھا۔

(ارم ریاض..... برنالی)

حنا ارشدہ قاعمر حنا عروج کے نام

السلام علیکم! تمام آپ کی اسٹاف لکھنے پڑھنے والوں کو میرا سلام قبول ہو۔ جس حالت میں آج کل پڑھ رہی ہوں اور کسی بھی رسالے میں جکی سرچ لکھ رہی ہوں۔ آج بھی اگر لکھ رہی ہوں تو وقاص عمر اور حنا ارشدہ سے متاثر ہو کر ہی یہ دونوں نام اوب کی دنیا میں ایک درختا ستارے کی مانند ہیں۔ حنا ارشدہ آپ کی شاعری وقاص عمر آپ کے نسلانے احساسات سے بھرے ہوتے ہیں میری تمام تر انیک تمنائیں آپ دونوں کے نام۔ پیاری حنا شبیر عروج والی طلعت بھائی آپ سب کیسے ہیں؟ حنا شبیر آپ کو ساگر بہت بہت مبارک ہو۔ ارم کمال فائزہ بھٹی تانیہ انصاری بشری کنول اقرام جٹ ارم ریاض طاہر منور بھی آپ سب

اچھا لکھتی ہیں سب سے دوستی کی خواہ ہوں اللہ حافظ۔ (حنا کشرالی..... بیلا پانیال مہجرات)

اپنے بہت ہی پیاروں کے نام

عزیز از جان قارئین مابدولت کی طرف سے آنچل اسٹاف ریڈرز اینڈ رائٹرز کو خلوص بھر اسلام قبول ہو۔ امید ہے آپ سب ٹھیک ٹھاک خوش باش اور مزے میں ہوں گے۔ میں نے پہلی بار اس برس میں شرکت کی ہے تو جناب جی ہم نے بھی بہت وجہات کر کے قلم اٹھا لیا آپ سب کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ میری پیاری اریبہ میری راج دلاری تمہیں بہت بہت ساگر مبارک ہو اور کہنے میں وی لیا کرو۔ میری دعا ہے کہ ہمیشہ ہوا باور ہو آئیں۔ ہاں جی ایسے چہرے ان مت ہو اور جلیز مہجرات کو میں ہی ہوں جو کہیں دعا میں دے رہی ہوں اور ویسے بھی تم تو جانتی ہوتا میں تم سے متاثر کیا کرتی ہوں۔ اللہ (جھوٹ نہ بلوائے) تم ہی خوا خواہ مجھ سے بدگمان رہتی ہو۔ ارے ارے فاطمہ تم کیوں ناراض ہو گئیں۔ ڈیر کزن ایسے برے برے منہ تو مت بناؤ۔ تمہارا ذرا بھی کرتے ہیں۔ خود اسانس تو لینے دو۔ ہاں تو جی میری پیاری کزن فاطمہ تمہیں ساگر بہت بہت مبارک ہو۔ اب خوش ہو جاؤ اور تیشی باہر نکالو (ہاں یہ ہوئی ناں بات) اس کے علاوہ اریبہ راج آپ کو بہت بہت ساگر مبارک ہو۔ جس جون کا آپ نے دنیا میں آ کر دنیا میں مزید چار چاند لگا دیے (بیلا) جناب یہ آج کل میں ساگر وہش کرنے کا اہتمام آپ کے لیے ہی تو ہے۔ اتنی کمزور کیوں ہو گئی ہو۔ عید بھر کر کیک کھانا تاکہ کوئی جان میں جان آئے (بیلا) اللہ تمہیں ہر قدم ہر موڑ پر کامیاب کرے۔ اللہ تمہیں جی زندگی دے اور ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے (آمین) میری سہیل عالمہ جانی آپ کیسی ہو؟ آپ کی سہیل کہاں گم ہوئی ہیں؟ آپ عید کا حنا دن کر رہی ہیں۔ میرا لاڈلہ بھانجا عبدالرحمن کیسا ہے؟ اور آپ کا بے حد شکر کیا آپ کے توسط سے ہی میں نے آنچل پڑھنا شروع کیا اور اب دیکھیں آپ آنچل کے لیے لکھنا شروع کر رہی ہوں۔ جس بات کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ ہمیشہ سب ہم خوش

ہائیں خود سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھیں۔ اللہ حافظ! (رشاہ ملک..... شمن)

بھائی عامر عثمان عمر

آداب کیا حال ہے جی آپ کو لوگوں کو کیا ہوتا ہے آپ تو ٹھیک ہوتے ہو بھائی عامر آپ بہت اچھے ہو۔ دعا کرتی ہوں کہ آپ کی زندگی میں کوئی دکھ نہ آئے، ہمیشہ خوش رہو اور ہاں بھائی بھیاں کم کیا کرو یہ نہ ہو کہ جب شادی ہو آپ کو چھٹی نہ ملے۔ عثمان، آپ کا اور آپ کی امی کا مجھ پر بہت احسان ہے۔ آپ لوگ کی وجہ سے ہی میرا گھر سا رہنا ہے کوشش کرو گی کہ زندگی میں آپ کا اور امی کا احسان اتار سکوں۔ عثمان ایک بات کہوں جھوٹ نہ بولا کرو اور میری سانس کے ساتھ مل کر میری برائی نہ کیا کرو۔ آپ کی بھائی ہو گی اور جس کا آپ دل سے پیار کرتے ہو وہ آپ کو جلد سے جلد مل جائے، ویسے تو آپ کے پاس لڑکیوں کی کمی نہیں ہے خوش رہو۔ آپ بھی اچھے ہو آپ کو جب دیکھا آپ اسکول سے باہر ہی ہوتے ہو۔ دل لگا کر پڑھ بھی لیا کرو یہ تاں ہو کہ آپ بھی عامر کی طرح رکشا چاؤ اور ہاں میں دعا کروں گی کہ آپ کو آپ کی دعا مل جائے۔ اگر محبت بھی ہو تو ضرور ملتی ہے، بس میری دعا ہے کہ آپ سب دوست مل کر رہو اور میں دیکھوں گی کہ کون سب سے اچھا دوست ہے عثمان کا۔

(ن کل..... شاہ کڈر)



یادگاہ

جویریہ سید

بے مثال دور فاروقی کی ایک جھلک

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دس سالہ دور خلافت میں اسلامی ریاست ایران، بلوچستان، خراسان (سرحد و بخارا وغیرہ) سے طرابلس الغرب (تقریباً ۲۲ لاکھ ۵۱ ہزار ۳۰۰ مربع میل) تک پھیل گئی جو تاریخ انسانی میں اتنی مدت میں تو جہات کا ریکارڈ ہے۔ اس میں دمشق، رومیوں کا وسط ایشیاء میں دارالحکومت، فلسطین، مصر، طرابلس الغرب، اردن، ایران (جو کہ اس وقت عراق، بلوچستان، کابل، ماورائے نہر، خراسان اور بے شمار علاقوں پر مشتمل تھا) اور ایک ہزار سے زائد بلاد فتح فرمائے اور پھر زمین پر عدل و انصاف اور راستی و دیانت داری کی اعلیٰ مثالیں قائم فرمائیں۔ ایک طرف مخلوق خدا کے دلوں میں حق پرستی اور پاک بازی پیدا ہوئی تو دوسری طرف ایسا فلاحی نظام قائم کیا کہ ہر شخص کی تمام بنیادی ضرورتیں پوری کیں حتیٰ کہ جانوروں کے تحفظ کے لیے قوانین وضع کیے اور فرمایا۔ ”اگر فرات کے کنارے ایک کتہ بھی بھوکا مر جائے تو عمر زمدار ٹھہرے گا۔“

کاش کہ اسلامی ممالک کے حکمران دور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پیش نظر رکھ کر نظام حکومت قائم کریں تو نہ صرف اسلامی ممالک میں خوشحالی اور امن و آشتی کی فضا پیدا ہو جائے گی بلکہ زمانہ بھر کے غیر مسلم اسلام کے اعلیٰ اور کامل فلاحی و سعادت داریں کے ضامن نظام سے متاثر ہو کر حلقہ بدوش اسلام ہونے لگیں گے۔

محاسبہ نفس اور امانت داری

رشتہ

بارخلافت سنبھالنے کے بعد جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امور خلافت کو نظم و ضبط اور عدل و انصاف کے ساتھ اس انداز میں چلایا کہ ایسی مثال سے طبقہ سلاطین عاجز ہے۔ آپ ادنیٰ سے ادنیٰ بات پر اپنا محاسبہ فرماتے تھے آپ کا ضمیر ہمہ وقت بیدار رہتا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ آپ نے بھی اپنی ذات کو اہمیت نہیں دی۔ آپ فرماتے تھے کہ امت کا مال اسی طرح میری عمرانی میں رہے گا جس طرح عظیم کے مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ زید و تقویٰ اور درویشی والی زندگی گزاری۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا طرز زندگی پسند تھا آپ فرماتے تھے کہ میرے دور میں ہیں ان دونوں نے خاص انداز میں زندگی کے دن کاٹے ہیں میری خواہش ہے کہ میں ہو، یہ وہاں کے طریق پر چلوں کیونکہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو میری مثال سے دوسرے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے طریقوں سے انحراف کریں گے۔

ابولؤلؤ فیروز نجوسی کے داک کی وجہ سے آپ کو گھر سے رخصت کر دیا گیا۔ جب آپ کو اس بات کا یقین ہو چکا کہ اب آپ کا صحت یاب ہونا ممکن نہیں تو آپ نے ان تمام رقم کو مہ حساب لکھوا کر آپ کے نزدیک بیت المال کا قرض نہیں یہ رقم آٹھ ہزار درہم سے زائد تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو فرمایا کہ وہ اس رقم کو بیت المال میں ادا کر دے۔ آپ کی شہادت کے دس دن بعد وہ ساری رقم ادا کر دی تھی۔ درحقیقت یہ آپ کا بحیثیت خلیفہ اپنی اور اپنی اولاد کی کفالت کے لیے بیت المال سے لئی رقم کا مجموعہ تھا۔

(پروفیسر عبدالعظیم جاناہاز)

رشتہ، محبت

رشتہ بناؤں تو آنکھوں اور پیکوں جیسا، جب آنکھ میں کچھ چلا جائے تو پلکیں تڑپ اٹھتی ہیں جب پلکیں کچھ دیر نہ پلکیں تو آنکھیں رو پڑتی ہیں۔

محبت: سمجھو تو..... احساس دیکھو تو..... رشتہ سمجھو تو..... لفظ چاہو تو..... زندگی گرو تو..... عبادت نبھاؤ تو..... بندگی ٹوٹ جائے تو..... مقدر

اختیار کچھ بھی برباد کرنے کی طاقت انسان کے ہاتھ میں ہے نہ اختیار میں..... حکم مکن اور عمل (مکین) رب کی خوبی ہے اس کے بندوں کی خیریں (ماہا شیر، نیم شیر، ڈنگ)

شوخی تحریر (۱) علم (۲) دولت (۳) عزت ایک مرتبہ ان کے پھڑکنے کا وقت آ گیا۔ تو علم نے کہا کہ مجھے درس گاہوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے دولت کہنے لگی کہ مجھے بادشاہوں کے محلات میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ عزت کی باری آئی تو.....

عزت خاموش ہی رہی جب دولت اور علم نے اس کی خاموشی کی وجہ دریافت کی تو عزت بولی بھی تو کیا بولی کہنے لگی کہ جب میں کسی سے پھڑکتی ہوں تو..... دوبارہ نہیں ملتی۔ (رحیمہ روشن... آزاد شہر)

درا مسکو آئیے ہمیں نے جب بھی گھر میں خاندانی میٹنگ بلانی ہوئیں وہاں فانی اف کر دیتا ہوں۔ شکر ہے تحریک آزادی پاکستان کے دور میں نہیں بک نہ گئی ورنہ ہم جیسے باہر کی نہ لکھتے پس اندیش اپ ذہن کرتے اور ساتھ لکھ دیتے۔ اس سوچ کو اتنا پھیلاؤ کہ اگر بزرگ صغیر چھوڑ کر بھاگ جائے۔

بچوں کو بڑے ہونے کی جلدی ہے اور بڑوں کو بچپن لوٹ آنے کی آرزو۔ بچپن لوٹ آنے کی آرزو۔ لوگ ریاں کرنے والے اپنے کام کی خفیتوں سے

تالاں ہیں اور بے کاروں کے لیوں پر کام ملنے کی دعا میں ہیں۔

○ غریبوں کو امیروں کی زندگی کی حسرت ہے اور امیروں کو آرام کے لیے ایک لمحے کی تنہا۔

○ مشہور افراد جھپٹنے کے لیے ٹھکانے کی تلاش میں ہیں اور عام لوگ مشہور بننے کے خیال میں۔

○ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ خوشی اور خوشحالی کا ایک ہی طریقہ ہے جو نعمتیں ملی ہیں ان کا شکر ادا کرو۔

(رمضاء ملک.....تلہ رنگ)

ادھوری عید

اے چاند عید کے

شہر خوشاں میں جا کر

قبر مادر پر میرا سندیس دینا

اور دلکش سونے مونی میری ماں سے کہنا

کہ بادل کے بنا برسات نہیں

سورج کے بنا روشنی نہیں

خوشبو کے بنا پھول نہیں

اے میری پیاری ماں

تیری دید کے بنا

جہم الجہم کی عید نہیں.....

(شاعرہ۔ جہم الجہم اعوان.....گورنی)

مسکواہمت کے بھول

نوجی ٹریفک کے دوران آفیسر نے سپاہی سے

پوچھا۔ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

رب نواز ”سریہ بندوق ہے۔“

آفیسر یہ بندوق نہیں تمہاری عزت اور شان ہے

تمہاری ماں ہے ماں۔

آفیسر دوسرے پٹھان سپاہی سے: تمہارے ہاتھ

میں کیا ہے۔

پٹھان: سریہ رب نواز ب کی ماں اور میری خالہ

ہے۔

(ثریا فریال.....شہنواز پورہ)

ماں

ماں کے لیے سب کو چھوڑ دینا لیکن سب کے لیے

ماں کو مت چھوڑنا کیونکہ جب ماں روتی ہے تو فرشتوں

کو بھی رونا آ جاتا ہے۔

کسی نے ماں سے سوال کیا کہ اگر آپ کے

قدموں سے جنت لے لی جائے اور آپ سے کہا

جائے کہ کچھ اور مانگ لو تو آپ خدا سے کیا مانگو گی۔ تو

ماں نے بہت خوبصورت جواب دیا کہ میں اپنی اولاد کا

نصیب اپنے ہاتھ سے لکھنے کا حق مانگو گی۔ کیونکہ

میری اولاد کی خوشی کے آگے میرے لیے ہر جنت

چھوٹی ہے۔

اندر سے ہیں مانگے دیا لے کر جانا

اس کے آنسوؤں کی ضیاء لے کر جانا

جہیں ہزاروں سے بچائے گی جہنم

سو گھر سے ماں کی دعا لے کر جانا

نیند اپنی بھلا کے سلایا ہم کو

آنسو اپنے گرا کے ہسایا ہم کو

درد بھی نہ دینا اس ہستی کو

زمانہ کہتا ہے ماں جس کو

جن کی مائیں حیات ہیں اللہ ان کو ماں کا فرماں

بردار بنائے اور ان ماؤں کو بھی زندگی عطا کرے۔ اور

مجھ سمیت جن کی مائیں اللہ نے اپنے پاؤں چلائیں

انہیں کروٹ کروٹ جنت کی رحمتیں عطا فرمائے۔

آمین۔

(یعنی شکلیاں اولکھ جاناں.....سیالکوٹ)

www.pakurdulibrary.com

http://pakfunspace.blogspot.com

www.pakurdulibrary.com

http://pakfunspace.blogspot.com

آئینہ شہلا عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک نام سے ابتدا ہے جو وحدہ لا شریک ہے۔ اور اس کی جانب سے تمام بہنوں کو عید مبارک اس ماہ عید کی وجہ سے ماہنامہ ”چل“ جلدی ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے جن بہنوں کے تبصرے موصول ہوئے انہیں شامل کر لیا گیا ہے۔ باقی تبصرے تاخیر سے موصول ہونے کی بنا پر شامل اشاعت نہ ہو سکے معذرت چاہتے ہیں۔ اب بڑھتے ہیں بزم آئینہ کی جانب جہاں آپ کے تبصرے ستاروں کی مانند جھلک رہے ہیں۔

کرنی شہزادی۔۔۔ منسہرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ آلِ سلطنتِ برصغیر کی مملکت کا نزول ہوا۔ اس وقت رات کے بارہ بجے تمام مخلوق خدا کو استراحت خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہے۔ مہینہ گزروں کی صدائیں ماحول پر چھائے سکوت کو توڑ کر با آسانی میری سماعتوں کو عزت بخش رہی ہے۔ ویسے نیلگوں آسمان نے سیاہ آجکل اوڑھ رکھا ہے اور اس پر ستاروں کی جھرمٹ میں پورے آسمان و تاب سے چمکتا منفرد سا چودھویں کا چاندن سارے میں اپنی روشنی پھیلا رہا ہے کوئی اور وقت ہوتا تو ہم اسے ٹھنوں سمجھتے لیکن ابھی وقت ہم آجکل سے راز و نیاز کرنے میں مشغول تھے۔ ہماری اس درجہ بے اعتنائی پر چاند نے خفگی بھری نظروں سے ہمیں گھورا پر ہمیں مطلق پروا نہ تھی اور چاند کو مینا کے کارادہ کسی اور وقت پر اٹھ رکھا۔ اس وقت تو ہماری بے تابانہ نگاہیں آجکل پر مرکوز تھیں۔ ہم سوچوں کے سمندر میں ڈوبے خیال کا ہاتھ تھامے لفظوں کا میلہ لگائے بیٹھے تھے۔ الفاظ جیسے صفیر قمر طاس پر ہمیرنے کے لیے چل اٹھے۔ ہماری خرد و نگاہوں نے جنبش کی اور الفاظ جوق در جوق صفحہ پر منتقل ہونے لگے۔ دلچسپ سرورق نے آنکھوں کو رات بخشی۔ البتہ ابتدا میں قیصر آرائی کی شہد آئیں لیجے میں سرگوشیاں سنیں۔ حمد و نعت پڑھی، بہت پسند آئی۔ ”جواب دے“ میں مدبرہ صاحبہ کے دوستوں کے خطوط پر روچیلی دھوپ جیسا مہربان جواب تاملے پڑھے۔ دانش کدہ سے مستفید ہوئے، اللہ تعالیٰ ہمیں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی توفیق دے آمین۔ ہمارا آجکل میں تمام دوستوں کے تعارف ایچھے لگے۔ پھر بڑھے تجاریر کی طرف، سلسلہ وار ٹائٹلز میں ”تیزی زلف کے سر ہونے تک“ شکر ہے یاد کے دل سے باپ کے لیے جو کدوت تھی ختم ہوئی۔ باپ بیٹے نے مل کر تھوڑا اموشل کیا، آخر تو کل اشراج کے شیش میں گرفتار ہو ہی گئی۔ عمرانیہ ٹیکہ کی بہن کا اپنی اصلیت دکھانے پر اور بھائی کے گستاخانہ رویے پر دماغ ٹھانے آگیا ہو گا آگے دیکھتے ہیں کہ مکمل عمل آئی ہے کہ نہیں۔ عشا کوڑھ سا رانا نیلسلہ وار ٹائٹلز ”کائی“ ہمیں تعظیم ہند سے پہلے کے دور میں لے گیا۔ گستا سے اماں جان ٹھہرا گئی ہیں۔ جو اب صاحب کے ازالہ کا کہنے پر ان کے صاحبزادے کے بچانے ان کا پر دو نزل لینا چاہ رہی ہیں۔ چہرہ نہ کسی تو جواری شے باز پتار۔ جان میاں ہی انہیں فاطمہ کے لائق سمجھتے آخر کیوں؟ ابھی تو دوسری قسط ہی دیکھتے ہیں کہ کیا ہوا ہے۔ مکمل ٹائٹلز میں عاشر نور محمد کا نام دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ فضا مشک بار ہوئی، ہوائیں رقص کرنے لگیں اور ہم بے اختیار ان کی طرف کھنچے چلے گئے۔ ”تم میری ہو“ اس تحریر نے علم میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ کیا ہاں روز جیسی انسان بھی اس دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ جو اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی لا حاصل ہی رہی۔ صرف ایک فقص کو پانے کے لیے وہ دین و دنیا دونوں سے گئی۔ ”سہانی رات کا سحر“ ائم سلطانہ کا مکمل ٹائٹلز بہترین رہا۔ بلا خراشہر بیتا کے سحر میں گرفتار ہو گیا۔

انسانوں میں ”روشن صبح“ حقیقت پر مبنی تحریر تھی۔ ہمارے معاشرے میں اکثر ایسے گھرانے پائے جاتے ہیں جو لڑکے چاہے کھٹو کیوں نہ ہوں، اپنی ساری جمع پونجی اس پر لگا دیتے ہیں کہ وہ کچھ بن جائے اور اس کی آنے والی تسلیں سنہور جائیں۔ جب کہ لڑکی کا کیا ہے، اسے پڑھ لکھ کر چاہا چوکی ہی کرتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اکثر والدین کہتے ہیں میرا بیٹا ڈاکٹر بنے گا۔ ایجنڈے کا اور اسے وہی بنانے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں جو کہ بہت غلط ہے۔ عاقب اور ثروت نے بھی بروقت سمجھ داری کا فیصلہ کیا۔ آخر کو ایک مقام پر پہنچے۔ صبا و نسل کا افسانہ ”جاپانی مشین“ عمدہ تحریر تھی۔ ویسے پس کی بات ہے ”جاپانی مشین“ تو مجھے کبھی نہ خالی کی گئی۔ ان میں دبا ہوا اور وہ شروع ہو گئیں۔ حسین انجم انصاری کا افسانہ ”کھتی“ بھی بہترین رہا، سچ کھتا مرد ذات کھتی ہی ہے۔ شاہ زیب جو فرال کی محبت کا دم بھرتا تھا اس سے شادی ہوتے ہی اسے اس کے پہلے شوہر کا خیال آگیا۔ ماوراء الطحی کا ”خلقیت کار“ اور سیما بخت عامر کا ”ایک ادھوری ابھی کہانی“ بھی بہترین تجاریر تھیں۔ مستقل سلسلوں میں ”بیاض دل“ میں سیرا صوفی، سیدہ لوبا سجاد، فائزہ بھٹی اور مدیحہ نورین بھگ، ”یادگار لکھے“ میں سیدہ لوبا سجاد، ارم کمال، پروین افضل شاہین اور سحر لیس کے انتخاب پسند آئے۔ ”تیر تک خیال“ سباس گل انجم انجم انجم، ”ماریا ماسر اور رب وازی“ نظریں اور سحر لیس کی غزل پسند آئی۔ ”دوست کا پیغام“ آفر امتیاز بہت شکریہ دعاؤں کے لیے۔ گلشن چوہدری گل دوستوں کی محفل میں خوش آمدید۔ تمنا بلوچ پتہ ہی نہیں چلا، ایک سال بھی ہو گیا حریم فاطمہ کو بچھڑے۔ ابھی گل ہی کی تو بات بات لگتی ہے جب آپ کا خط پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو جلد صحت مند اولاد سے نواز سکے۔ سیرا صوفی یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جسے انسان بھول جائے۔ تو ہمیں بھولی ہی نہیں ہوا۔ رتہ ہی ہم آپ کو انور کر رہے ہیں۔ بہت مرتبہ ”دوست کا پیغام“ میں پیغام بھیجا پر ہمارا آپ نے ہمارے لیے نو انٹری کا بورڈ لگا دیا ہے۔ اب تو آپ کی کٹھی ہو گئی ہوگی۔ آفر اُخت، فائزہ بھٹی، مشی خان، سمیر کنول، عطشہ لور تمنا بلوچ، ارم کمال، پروین افضل شاہین، کوثر خالد فرید، فری گل، مینا، حیدر سانچ ایس، ایس رب نواز، مدیحہ نورین بھگ، سیدہ لوبا سجاد، ذکا ہ زرگر، کے ایم نورالاشمال، سحر بلوچ، آفر امتیاز، راجہ منظور، اسماء گل مغل، ربابہ لبر انجم، انانیا، دعا عمر، عاشر رحمان، تبسم شہیر، طیبہ خاور، اینڈ ڈکس مریم اور جن کے نام رہ گئے ہیں ان سے معذرت آپ سب کو عید الفطر کی ڈھیروں خوشیاں مبارک ہو۔ زندگی رہی پھر حاضر ہو گی۔ تب تک کے لیے اللہ حافظ۔ پاکستان زندہ باد۔

شہزادہ ششم میواتی۔۔۔۔۔ کہتیلی خلص قصور۔ زندہ وید اردل کے ساتھ چشم نگراں نیوں کے ساتھ، تحریک؟ ششم خواہیدہ بچوں کے ساتھ، شوریدہ جذبات کے سنگ، پیار و محبت کے انمول اور قیمتی جذبات کے ساتھ قلم کو تھامے اپنے ہاتھ میں تاکہ انچول میں الفاظ کے ابرو و چین کے ساتھ، احساسات کی نکلت کے کرا چل، ہاؤس میں، ارے آپ حیران ہو رہے ہیں کہ میں بغیر پیسوں کے اتنا طویل سفر کر کے منٹوں میں نہیں سیکندوں میں پہنچی بغیر تھکاوٹ کے اب کچھ تو آؤ بھگت ہوئی چاہیے۔ سوٹ وہی ہے، ہمارا افطار تک سیرا کرنے کا ارادہ ہے۔ ذرا احتیاط سے لگا بیٹری آئی! اب سے پہلے آجکل پر تبصرہ کرنے کی بجائے میں اس ختمے کا جزاک اللہ اکرام چاہوں گی جو آپ نے مجھے سواہ القس کی تفسیر کی صورت میں بھیجا۔ ”جزاک اللہ خیراً“ اور انکل مشتاق احمد اللہ آپ کو مزید تفسیری حیدران میں قبول فرمائے (آمین) ایک لکم کے ساتھ آگے برحوں کی جو خالعتا انکل مشتاق کے لیے ہے۔

میرے نقش کے دامن میں ہیں گو بر لعل اب بھی
جوا دکھ زور و دانش کے مالک ہیں اب بھی
رہتے ہیں جتا غوش علم کی کھنی چھاؤں میں
علم دین دنیا کا ایسے توالے ہیں اب بھی

توجہ سمیٹ لی۔ اور پھر یہاں کیا دیکھتی ہوں سودہ کی شادی کی تیاریاں زوروں پر ہیں اور زید میاں خاموش ہیں۔ مگر اب لگتا ہے عمر زید اور صوفیہ بیگم کے جھگڑے یہ خاموشی ختم کر دیں گے۔ اور دوسری طرف نونل اپنے جذباتوں سے نظریں چار رہا ہے۔ اور انٹی بی بی جناب کو پٹوانے پر تلی ہیں۔ اور عمر ان اور رضوانہ فیملی میں جھگڑا کروا کے بڑا ہی نیک کام کیا ہے۔ اب سیرا جی کی شہری عرف مانی کی طرف چلتے ہیں ایک ماہ غیر حاضر رہی ہے۔ پتا تو چلے گیا کہ روری ہے، ارے یہ تو انکیشن کر رہی ہے۔ آئی بہت ہی خوب صورتی سے نکالا ہے شہری کو اور دراصل ماں سے ملنے کا سین بھی خوب تھا اور انکیشن کی پریشانی پر شہری کی بے نیازی کیا بات ہے۔ زبردست سوچ رہی ہیں آئی۔ ”بیاض دل“ میں ارم کمال، عاصمہ، عبدالملک، گل مینا اینڈ حسین علی، اور انیل طالب کے اشعار پسند آئے۔ اور جب اپنے شعر پر نظر کی تو سوچا جب یہ لکھا تھا تو روری تھی اور تازہ آچل میں پڑھا ہے تو دل المیڈاں ڈال رہا ہے۔ عجیب حقیقت ہے یہ خوب صورت ہے۔ ”نیرنگ خیال“ میں سہاس گل، چندہ چوہدری، شمع مسکان اور دعائے محرم کی شاعری بہت اچلی تھی۔ یادگار لمحے میں گلشن چوہدری کے مضمون مولیٰ پسند آئے۔ آئینہ میں ”مفتوح زہرہ“ آپ کا تبصرہ پڑھا۔ اچھا لگا، کیا آپ وہی مقدس ہیں جس سے میری دوستی ”عروہ بھائی کے توسط سے ہوئی تھی۔ اگر آپ وہی ہیں تو آچل کے کسی سلسلے میں ذکر ضرور کیجئے گا۔ آپ سے دو بارہ بات کر کے مجھے خوش ہوگی۔ باقی شازہ زید مطالعہ سب تک کے لیے انتہائی خدا حافظ۔

انیلہ طالب..... گوجرانوالہ آچل گل دستے کے تمام مہکتے پھولوں اور سوہٹ شہلا آئی کو سلام، اس بار جون کا آچل بغیر لمبا انتظار کروائے تجھیں مئی کو مل گیا۔ غالباً رمضان المبارک اور جمعے کے دن کی برکت سے سب سے پہلے حمد و نعت پڑھی۔ سرگوشیاں کے بعد جواب آں میں قدم رکھا اور پھر دانش کدہ سے دانش سمیٹ کے ہمارا آچل پتا کی رہا اب کنولی اور مصباح بتول سے ملاقات اسے دن رہی، ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ کی یہ والی قسط زبردست رہی۔ بے جا رانول مل گیا کرے گا اب، ماوراطحی کا افسانہ بہت عمدہ رہا تم میری ہوا عاشق نور محمد کا ناول ٹھیک تھا۔ تھی اور جاپانی مشین بھی ٹھیک تھی۔ سیما بخت عاصم کو ابھی پڑھا نہیں۔ عشنا کو سردار کا ناول بھی وقت مانگ رہا ہے۔ مگر کیا کریں؟ مصروفیت، مصروفیت اور بس مصروفیت باقی بیاض دل میں کوثر خالد جی میرا سوانحی، انعم زہرہ، ہما طاہر، فائزہ بھٹی، ناز بلوچ مدیحہ نورین مہک نے میدان مار لیا۔ دُش مقابلہ میں ساری ترائی سب سو پڑو پر یونی گائیڈ بے مثال اور نیرنگ خیال میں رابعہ چوہدری، نجم، نجم شیبہ مظفر راجا، نجم انیلیم چھائی رہیں۔ مٹی رب نواز یو آر گریت، بہت اچلی شاعری، دوست کا پیغام آئے میں مجھے یاد رکھنے کے لیے مدیحہ نورین، مدیحہ کنول، قرا ممتاز اور میرا سوانحی آپ سب کا شکریہ آئی میں یو ڈیئر فرینڈ زیادہ کر لے میں ڈکاؤ زگرہ، میرا سوانحی، مجید صائمہ، مشتاق محرش سیدہ لوبہ، ساجد نے کمال لکھا، ہمارا پتھر خراب صورت آواز میں سبحان تیری قدرت کا درد کر رہا ہے اور میں اب اس کی خوب صورت آواز سنتے ہوئے آئینہ میں آئی ہوں۔ جہاں صائمہ مشتاق آئی، ارم کمال، آنٹی کوثر، خالد اور گل مینا اینڈ حسینہ سانچہ ایس نے چار چاند لگا دیے۔ آچل کو میری دعا ہے سب دوست یونی دوستی کی مالا میں پھولوں کی طرح مہکتے اور فیروزہ کی طرح چمکتے رہیں، آچل کے لیے بعد محبت اور دعا میں۔ خوش ہو اللہ حافظ۔

اسمہ صلیحہ، سمینہ مصری..... سالانہ ویدین کھٹہ السلام علیکم تمام مسلمانوں کو عید الفطر مبارک ہو۔ آچل جون کا تبصرہ حاضر خدمت ہے۔ لگتا ہے آچل والے ناراض ہو گئے۔ مسلسل دو ماہ سے بزم آئینہ میں داخل ہونے کا اذن نہیں مل رہا۔ بہر کیف۔ امید پر دنیا قائم ہے۔ سب کے تعارف اچھے لگے۔ مگر شازہ نواز، جی ہمیں جھٹک کے لوگ بہت پسند ہیں۔ سچ کھرے، سر دھڑکی بازی لگانے والے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ کے دیوانے ”جاپانی مشین“ صبا انیل۔ ہالہا یقین کیجئے ہم بھی اول تو مشین ہی سمجھتے رہے۔ مگر ناں جی جاپانی مشین تو تشبیہی پڑوسیوں کی

بھوکی۔ ”الامان والحقیق“ خوب افسانہ تھا۔ ”تم میری ہو“ عاشقہ نور محمد آئیں تو طویل وقت کے بعد مگر چھا گئیں۔ جلد از جلد روشن اور خوب صورت تحریر کے ساتھ۔ ”تخلیق کا“ ماوراجی افسانے تو آپ کے پہلے بھی پڑھتے ہیں، مگر یہ افسانہ دیگر افسانوں پر غالب دکھائی دیا۔ انداز ہی نرالہ ہے۔ سارا پر جا ایک طرف، آپ کا افسانہ ایک طرف۔ سینکڑوں صنف نازک کے لیے آپ کی یہ اونچی تحریر مشکل راہ ثابت ہوئی ہوگی۔ ”ایک ادھوری الجھی کہانی“ سیما بخت عاصم! کیا خوب بہت اچھا فیصلہ کیا شہریار کی خالد زید نے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ زبردست موثر ہے۔ قراء جی آپ ایسا کریں (مفت کا مشورہ لیں) عید کا موقع اچھا ہے۔ زید اور سودہ، انشراح اور نونل کو ایک کرویں، عمران اور شوانہ لگتا ہے رشتے دار ہیں، باقی رسالہ زید مطالعہ ہے۔ شاعری کی سائنس ثابت ہوئی۔ ”نیرنگ خیال“ سہاس گل، شیبہ مظفر، مٹی رب نواز، آپ پر رہی۔ آئینہ کرن شہزادی نورالاشمال بلندہ صیس (شکریہ آپ کا) کوپسا لکھ کی بات ہے آئینہ ہمارے بنا اقراء، فائزہ اسامہ صدیقہ کے ہاں سونا لگتا ہے ناں؟ شمنہ جی عید کی ڈھیر دن مبارک اور اب اس بات کے ساتھ اجازت! آچل والو..... گزشتہ مہینوں کی طرح میرا تبصرہ روری کی نوکری نہ قسم کر جائے اور مجھے سے شمنی عید منائے، کیوں کہ ہمارا تبصرہ پیشہ جاتا ہے۔

محسن عزیز حلیم..... کوئٹہ کلاں السلام علیکم تمام آچل انشاف ریلڈ زرائد رانول ہمارے طرف سے چاہت بھر اسلام امید ہے کہ آپ سب ہی خیریت سے ہوں گے، پیاری بہن، ہم سب آپ کو کوئی ناراضی ہے کیا؟ جون کا شمارہ جلدی ہی مل گیا۔ سرور قی بہت پیارا تھا۔ سب سے پہلے مدیحہ آپ کی سرگوشیاں پڑھیں، پھر حمد و نعت سے مستفید ہوئے۔ پھر درجواں آں، میں مدیحہ جی کے جواب پڑھے۔ پھر انگور کا مطالعہ کیا، ہمارا آچل میں رہا اب کنول، شہناز فضل، شازہ نواز، مصباح بتول، کا تعارف پڑھا اچھا لگا۔ پیاری بہن، ہم نے پچھلے سال میری بہن ثروت عزیز نوشی کا تعارف بھیجا تھا؟ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ یہ قسط سیٹ تھی۔ ”اکائی“ ”اف اتنی پابندیاں، قاطعہ پر یہ قسط بھی لگا جواب تھی۔ پڑھتے ہوئے سحر طاری ہو جاتا ہے، مکمل ناول میں ”سہانی رات کا سحر“ ایم سلطانہ فخر، ویری سیٹ ”تم میری ہو“ ویری گدا افسانوں میں ”روشن صبح“ ویری ناخیر، ”اک ادھوری الجھی کہانی“ سیما بخت عاصم ویری گدا ”تخلیق کا“ ماوراطحی ویری گدا ”جاپانی مشین“ صبا انیل ویری ناخیر، ”تعلیمی“ ”عشیں انجم انصاری ویری گدا اور باقی تمام سلسلے بہترین تھے۔ پورے کا پورا شمارہ بیٹ تھا، انصاری کے وقت ہم آپ پر یون افضل شاہین اور تنہا بلوچ کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جلدی اولاد سے نوازیں اور تنہا آئی آپ دینی مت ہو یا کریں اور اللہ تعالیٰ ہر کمال بھر وسدھیں اور ماں یا آئی آپ دونوں (یا مصور) کا کثرت سے درد کیا کریں۔ ہمارے ہاں ایک خاتون کو اولاد دیکھیں ہو رہی تھی تو اسے کسی نے یہی ورد کرنے کو کہا تھا اس نے دوا تین ماہ یہ روکیا اور اللہ کے کرم سے وہ اب ماں کے رتبے پر فائز ہونے والی ہے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں بڑی برکت ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر نہ کہتے تھے کہ شاید یہ کبھی ماں بنے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنا کرم کرے آمین اور اب اس دعا کے ساتھ اجازت جا ہیں گے کہ آچل یونی ترقی کرتا رہے۔

اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت پاکستان کو دینی دنیا تک قائم رکھے اور اس عید کی خوشیاں تادیر قائم رکھے آمین۔





ہمسفر چوچھیہ

شمالیہ کاشف

دقیقہ فک تحصیل میلسی و ملتی

س: شوقانی عید مبارک ہو کی گزری عید آپ کی؟

ج: خیر مبارک۔ بہت خوب صورت اور دھیروں عیدی جمع کر کے۔ اب میری فرمائیاں کتنے مت پیڑہ جانا۔

س: سنائے اس بات آپ کے ان کی عید پر بڑی درگت بنی ہے آپ کے ہاتھوں اب اللہ بچائے۔

ج: تم یہ چھوٹی کہانیاں خود بنائی ہو یا کوئی اور میری تو ابھی شادی نہیں ہوئی۔

س: آپ کی اگر بہت بڑا والد آپ کا عزیز انسان آپ کو بہت زیادہ ڈرتے تو کیا کرتا ہے۔

ج: پھر تو میں ہر جگہ سے گورنر ونگر انگلہ کر کے اس کی اسکی درگت بنائی چاہیے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھے۔

اوم کمال فیصل آباد

س: شمالیہ جانو یہ زندگی کے راستے اتنے تیز سے میڑھے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: کیونکہ ان راستوں سے گزر کر عید بھی تو آتی ہوتی ہے ناں۔

س: کہتے ہیں کہ بھوت پولیس تو کو کاٹے اور ج پولیس تو.....

ج: شمالیہ خفا بدی ہو جائے۔

س: بہادر پھول برساؤ پھو پھو بھلاؤ نا رہا ہے؟

ج: عید اسی سے اور کوئی نئے گچا گل۔

س: شمالیہ جی! جلدی سے بتائیں یہ صبر کا پھل کس موسم میں ملتا ہے۔

ج: ضبط کے موسم میں اب تم ضرور یاد آنا۔

س: ہم تم ہوں گے بادل ہوگا رخص میں سارا جنگل ہوگا۔ یہ کب ہوگا؟

ج: جب تم اچھی سے بکری بن جاؤ گی تب ناہا۔

کرن شہزادی مفسرہ

س: آپ کی دیکھا آپ نے دروازہ نہیں کھولا۔ میں دیوار پھلانگ کر پھر بھی آگئی۔

ج: غالباً یہ چور چور کی آواز تمہارے لیے تھی۔

س: آپ میرا بھانجا ابو کر ابھی سال کا نہیں ہوا لیکن اتنا شرارتی ہے کہ ہر وقت ناگ میں دم کیے رکھتا ہے لگتا ہے آپ کا اثر ہو گیا ہے۔

ج: اچھا ہے ناں تم پہلے سے ٹریڈ ہو جاؤ گی اور سرسرا میں بچے سنہیلے میں آسانی ہو جائے گی۔

س: آپ کی ہر کوئی گائے کے گن گائے بھلا کیوں؟

ج: چلو تمہارے گن گالیے ہیں گائے نہ کہ تم ہی گئی۔

س: جی چاہتا ہے چیخ کر کھوں اس سے ہم کام۔ کچھ تو گئے گی دیر سوال و جواب میں۔

ج: اس چیخ چڑھ سے باز آ جاؤ ورنہ کسی دن اماں سے بہت تنگ۔

س: آپ کی اب بھی وی کے ساتھ اجازت ہے۔

ج: خوش رہو اور گائے سوپ سے گلے ملنے کے کپڑے دھو۔

یو ویمن انفنٹل شاپین..... بھولنگو

س: سنائے کہ رمضان میں شیطان کو بند کر دیا جاتا ہے مگر؟

ج: لیکن تمہارے میاں تمہارے سامنے رہتے ہیں اور اسے کہتے ہیں نظر کاھوگا۔

س: جاندارات کو میرے میاں جانی سامنے والوں کی کھڑکی کو کیوں تلے جا رہے تھے؟

ج: کیونکہ سامنے والی دوشیزہ کو عیدی جو دینی ہوتی ہے عید کی تمہارے لئے۔

س: میرے میاں جانی پرئیں افضل شاہین رمضان میں سموسے پکڑے پکڑے آجھ کے ہی بچے ہوئے کیوں پرئیں کرتے ہیں۔ میں اکیلی جان انطاری کے لوازمات بناؤں یا

سموسے پکڑے بناؤں۔ وہ بازار سے کیوں نہیں لاتے؟

ج: بازار سے لائیں گے تو جب پر بھری پڑے گا اور تم سے خواہ میں گے تو تمہارا وزن کم ہوگا۔

صلیحہ نورین گجرات

س: مری آتے ہی چھرا ایسے آتے ہیں جیسے سیل مٹی ہو بازار میں؟

ج: جب ہی تم ہر جگہ نظر آتی ہو۔

س: دلہا اگر شیر والی قحری جیس کی بجائے دھتی کرتا ہے تو؟

ج: دلہن بقیہ تالے تھاب سمجھے گی۔

س: دہان کی مندریں ہوتی ہیں دہلیہ کی مندریں کیوں نہیں ہوتیں۔

ج: دہلیہ کی دھڑی گھروالیاں جو ہوتی ہیں۔

س: ڈیٹیل سے جراثیم مرتے ہیں کیا جوئیں بھی مرنے ہیں؟

ج: چائیں تم آزما کر ضرور بتانا۔

س: بریفنگ میں بریانی کتنے منٹ میں پختہ ہے؟

ج: پانچ سے دس منٹ میں۔

س: دھوپ میں پسینہ کیوں نہیں سونکتا؟

ج: ذرا ایک گھنٹہ ٹھنڈی ہو کر تو دیکھو پھر بتانا سونکنا یا نہیں۔

س: شبہا آئی ہے؟

ج: بہت خوب صورت اسٹیکس اسٹارٹ اب جل مت جانا۔

س: آپ تو بہت بڑی رہتی ہیں؟

ج: ہاں اور تم فارغ کام کی ساتھ دماغ سے بھی۔

س: آپ کی محفل میں پہلی بار شرکت کرائی ہوں؟

ج: بتانے کا شکریہ اب اس حساب سے خاطر داری کروں گی بتاؤ جو لاؤں یا چائے۔

س: آپ کی ہماری زندگی میں سب کچھ مرضی کے خلاف کیوں ہوتا ہے؟

ج: کیونکہ مرضی صرف دزدی کے پاس ہوتی ہے جب ہی تو عید کے سوٹ اپنی مرضی سے ہی کر دیتا ہے۔

س: آپ کی کھانا کچل کی سالگرہ مبارک ہو۔

ج: تم تو لٹ لطف ہو۔ عید مبارک کہو۔

ج: سالگرہ کے ساتھ عید بھی مبارک۔ خوش رہو۔

س: جن لوگوں سے زیادہ اسیدیں ہوں وہی دھوکہ کیوں دیتے ہیں ملی سیریس؟

ج: پیچیدہ لوگوں کا یہاں داخلہ ممنوع ہے۔

س: یہ جانو (مٹو) کو نکالیں باہر گرہی ہو رہی ہے مجھے کچھ نہ کہنا پلٹ بھی ہوں اور مشکل بھی پانہا؟ دھار دیں جاتے جاتے۔

ج: اگر تم تکی ہو تو باقی تو پھر تمہارے کے ڈھانچا ہوگا۔ خوش رہو۔

س: میں نے پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کی ہے کیا آپ مجھے دیکھ کر کسی کی؟

ج: خوش آمدید عید مبارک لو بیٹھا کھاؤ۔

س: اولو! پانی پیتے پکڑی گئیں آپ۔ میرا نہیں تو رمضان کا خیال ہی کر لیں؟

ج: جمید والے دن تم رمضان کو ساتھ لائی ہو۔ شرم نہیں آتی۔

س: یہ سن گا سز اور بوائے کٹ یہ لڑائیں دکھا کے کس کی زندگی جہنم جانے جارہی ہیں؟

ج: شرم کرو اپنی بڑی ہند سے ایسے بات کرتے ہیں لوگ کیا کہیں گے کم سے کم میری محفل کا ہی خیال کرلو۔

س: سنا ہے کراچی میں برف پادی ہو رہی ہے اپنا خیال رکھیے گا کسی تو دے کے بچھڑا جائے گا؟

ج: لگتا ہے کہ کراچی کی گرمی نے تمہارے دماغ پر اچھا خاصہ اثر ڈالا ہے۔

س: امید ہے آپ کو میری شرکت اچھی لگی ہوگی۔ آئندہ روزہ رکھ کر پالی مت پینا آپ کی ٹانہا۔

ج: تمہارا عید والے دن روزہ تم رکھتی ہو؟

س: ایسا جانی اچھی اور روکی کا اعتبار کیوں نہیں کیا جاتا؟

ج: کیونکہ دنوں عید سے پہلے لڑ جاتے ہیں۔

س: ایسا جانی کیا بڑوں لوگ بھی عشق کے فارمولے کو عمل کر لیتے ہیں؟

ج: نہیں وہ صرف لگی کرتے ہیں۔

ج: ان کے لمن پر ہر دن ہو عید کا۔ شرم کرو لڑکی پڑھائی پر توجہ دو۔

س: ایسا جانی آپ ہر وقت ساس کی مثالیں دیتی ہیں۔

ج: دیکھ لیں مجھے آپ کی بدعا لگ گئی ہے (میری ساس امی نہیں ہیں) آئندہ سوچ کچھ کر لو ایسے گا ورنہ ہم کس لگاؤں گے۔

ج: اس لیے اس چپک رہی ہو۔

س: شہناہ کی کسی ہیں؟ چھوٹی بہن کی طرف سے ایڈوانس رمضان مبارک ہو۔

ج: ارے چھوٹی بہن عقل سے بھی چھوٹی ہو رمضان نہیں عید مبارک کہو۔

س: یاد آیا آپ کو وہ دن بتایا ہے کہیں بھول تو نہیں جائیں گی۔

ج: ایمان سے اگر بھولیں تو تمہارے کان کے نیچے دو لگا دوں گی کیونکہ بڑی بہن کا تو حق ہوتا ہے چھٹوں پر عیب جمانا کان۔

س: آپ کی اتنی گرمی میں یہ کوٹ کیوں پہن رکھا ہے؟

ج: اس میں بہت سی جینٹیل ہیں اور ان میں میری عیدی۔

ج: آئی جی اتنی گرمی میں یہ کوٹ کی محفل میں آئی۔

ج: خوش آمدید عید مبارک۔

س: کیا خیال ہے پہلے کچھ پیٹ پوجا ہو جائے۔

ج: بالکل کب لوگی یا سونیاں۔

س: آپ کی زندگی کے بارے میں آپ کا کوئی خوب صورت خیال؟

ج: زندگی بالکل مجھ جیسی ہے خوب صورت اسٹارٹ حسین اور اللہ کی تمام نعمتوں سے بھرپور نرے مہربانی حمد مت کرتا۔

س: کیا آپ اپنی ویٹی ہوئی ہیں کہ ہمارے سوالوں کا جواب دیتی ہیں؟

ج: جیہ تو آپ سب کی حوصلہ افزائی ہے جو مجھے یہ کام کرنے کو یاد گیا ہے ورنہ حالات دیکھ کر دل کرتا ہے کہ وہ حشر کروں کہ یاد کرو۔

س: میں نے سوچا ایک دفعہ پوچھ لیوں ہوتا ہے کیا؟

ج: تمہاری شادی کب ہوگی جب تمہاری ہند چاہے گی۔

س: دل کی محنتی پرو کچھ کرتا ہے کس کا نام لکھا ہے؟

ج: پروین آئی کا۔ پلیز پورا نام لکھ کر شروع کا نام مت مٹا دینا۔

س: محبتوں میں اغلاص ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے۔ جیسے میں آپ کو اغلاص کے ساتھ لکھ رہی ہوں اگر آپ نے جواب دیا تو میں مجھ جاؤں گی کی؟

ج: آپ کی تو تم اخلاق کے ساتھ ہو کچھ بتانا اخلاق کون ہے۔

ج: منجم النجم اعوان۔ کواچی۔

س: سنا ہے کہ آپ چالیس سال کا ہو گیا ہے تو پھر اس کا قد اور وزن کیوں نہیں بڑھا؟

ج: اب میں یہ تو کہ نہیں کہ اس کا سارا تاج تم کھا جاتی ہو ورنہ پھر تم غائب ہو جاؤ گی۔ اس لیے چھوڑ دو کوئی اور بات کرتے ہیں۔

س: یہ بتائیے کہ فرانی ڈے میں ڈے کتنی بار فرانی ہوتا ہے؟

ج: جتنی بار تمہارا دل چاہے فرانی کر مگر خیال سے جلا مت دینا۔

س: آپ کی کیا مجھ سے کوئی دشمنی ہے جہاں محفل میں مجھے نہیں دیتی؟

ج: اس کو کہتے ہیں الٹا چور کو تو لاؤ کوڑنے آتی خوشیوں اور ناراضگی ہم سے۔

س: اس عید پر میں آپ کے گھر آؤں گی اور بڑا سا گفت بھی لاؤں گی اس تو آنے والی نا ہے گھر؟

ج: بالکل آؤ لیکن خالی ہاتھ مت آنا۔ مچھلی یا تم اپنے مالک صاحب کا ہاتھ تمام آئی ہیں اور کہا تھا کہ کھو خالی ہاتھ نہیں آئی۔ اب ایسا مت کرتا۔

س: میرے بال بہت لیے ہیں اس عید پر کون سا ہیئر اسٹائل بناؤں گا کہ میرے ملک صاحب خوش ہو کر ڈبل عیدی دیں۔

ج: ہیئر اسٹائل مت بناؤ کس سر سے جو کس نکال دو۔ ہر بار وہ جووں کے منہ میں آنے کی حکایت کرتے ہیں۔

س: میں نے سوچا ایک دفعہ پوچھ لیوں ہوتا ہے کیا؟

ج: تمہاری شادی کب ہوگی جب تمہاری ہند چاہے گی۔

س: میں نے سوچا ایک دفعہ پوچھ لیوں ہوتا ہے کیا؟

ج: تمہاری شادی کب ہوگی جب تمہاری ہند چاہے گی۔

آپ کی صحت

آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار لیں۔ Alfalfa Q
کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں کھانے سے پہلے دن
میں تین بار لیں ان شاء اللہ وزن میں اضافہ ہو جائے گا۔

عائشہ احمد کجرات سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ
میرے سر میں درد رہتا ہے جو دن میں زیادہ ہوتا ہے شام
ہوتے ہی آہستہ آہستہ کم ہو کر ختم ہو جاتا ہے سر درد کے
ساتھ ہیستہ بھی آتا ہے جتنا زیادہ سر درد ہوتا ہے اتنا ہی
زیادہ ہیستہ آتا ہے کسی کوئی چیز غور سے دیکھنے یا آنکھوں پر
زور دینے سے بھی سر درد میں اضافہ ہو جاتا ہے دوسرا مسئلہ
میری بہن کا ہے جو یوٹیوٹی میں پڑھتی ہے وہ غیر حاضر
دماغ ہیں آہستہ بہت زیادہ بولنے کی بیماری ہے انارے
چیزیں خریدتی ہے لیکن ان کے بغیر ہی ملتی آتی ہے جب
مجھ بولے تو ٹھوڑی دیر کے لیے دگ جائے سامنے دکھائی
دینے والی چیزوں کے نام بھی چیز بھی بھول جائے یا فوری
ذہن میں نہ آئے لکھتے وقت بھی الفاظ بھول
جائیں پڑھتے یا مطالعہ کرتے وقت بھی یکسوئی اور توجہ قائم
نہیں رہتی۔ اس کے لیے کوئی دوائی تجویز کریں۔

محترمہ آپ Natrum Mur 30 کے 5 قطرے
آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں اور اپنی بہن کو
Lac Caninum 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی
میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

شائلڈ انک سے لکھتی ہیں کہ میرا چھوٹا بھائی جس کی
عمر 32 سال ہے جو ذہنی طور پر وقت اداس رہتا ہے
بہت شرمیلہ ہے دوستوں سے بھی کم ہی ملتا ہے لیکن اکیلا
رہنے سے ڈرتا ہے۔ کاروبار بار بار ہائی پر توچ نہیں دیتا کسی
چیز میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔ حافظہ کمزور ہے کسی قسم کی ذہنی
محنت برداشت نہیں کر سکتا بستر پر لیٹنے اور کمرٹ لینے سے
چکر آتے ہیں۔ سر کو حرکت دینے یا آنکھیں کھولنے سے بھی
چکر آتے ہیں بائیں جانب تکلیف زیادہ محسوس کرتا
ہے۔ بڑی مہربانی ہوئی اس کے لیے کوئی دوا تجویز
کریں۔

محترمہ آپ اپنے بھائی کو Conium 30 کے 5
قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔
نانکلا کبیر لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے
چکنائی والے کھانے اور گرم کھانا و گرم مشروبات کے بعد

طارق محمود اعوان ہری پور سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 44
سال ہے میری شادی کو 18 سال ہو گئے ہیں اب بچے ہیں 5
سال سے ازدواجی زندگی نہ ہونے کے برابر ہے بڑی امید
کے ساتھ خط لکھ رہا ہوں میرے لیے بھی کوئی دوا تجویز
کریں جس کے کوئی سائیڈ ایفیکٹ نہ ہوں۔

محترمہ آپ Staphisagaria 30 کے 5 قطرے
آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار لیں اور آدھا کپ صاحب
کا بنایا ہوا کھانا سلاہ بند کر دیں آدھار کھانا کھاتے ہیں جس کی
قیمت 800 روپے ہے۔ ان شاء اللہ کھانا کھاتے وقت افادہ ہوگا۔

مسز فیضان علی چنگ آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے
شوہر ایک ٹیپنی میں بطور سیل شیجر کام کرتے ہیں انہیں بہت
زیادہ سفر کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے تھکاوٹ کا شکار رہتے
ہیں اور اکثر کندھوں اور پنڈلیوں میں کھپاؤ اور درد کی
شکایت محسوس کرتے ہیں دوسرا مسئلہ میری بیٹی کا ہے جس کی
عمر 8 سال ہے اسے رات کو پیٹ پٹ کر دیا کر بھی سلاؤ پھر
بھی رات کو ہستہ گیلا کر دیتی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ
کوئی دوا تجویز فرمادیں۔

محترمہ آپ اپنے شوہر کو Rhus Tox 30 کے 5
قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار لیں اور درد
کے لیے Apherodite Pain Killer (تیل)
ہمارے کلینک کے پتے پر 700 روپے کا کسی آرڈر کر کے
منگوا سکتی ہیں ان شاء اللہ درد میں بہت افادہ ہوگا اور بیٹی
کو 30 Causticum کے 5 قطرے آدھا کپ پانی

میں دن میں تین بار لیں۔
مبوش مغل آزاد شہر سے لکھتی ہیں کہ ان کی عمر 23
سال ہے اور انہیں بہت چھوٹی عمر سے گھبراہٹ کا مسئلہ درپیش
ہے بہت علاج کروایا مگر آرام نہیں آتا دوسرا مسئلہ ان کو
خارش کا ہے تیسرا مسئلہ وہ بہت کمزور ہیں وزن بھی بہت کم
ہے کوئی ایسی دوائی بتائیں کہ میرے وزن میں اضافہ
ہو جائے۔

محترمہ آپ Kreasotum 30 کے 5 قطرے

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا



ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عمر طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور
20 سال سے زائد عمر سے ماہنامہ "آئیل" کے معروف طبیب کی صحت کے
ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے
رہے۔ مندرجہ ذیل دوائیں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا ثبوت ہیں۔

قدرتی بال، سر کی روغن بحال، چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستحکم خاتمہ

<p>قیمت 900/= روپے</p>	<p>قیمت 700/= روپے</p>
------------------------	------------------------

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 800/= روپے
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے

ایفروڈائٹ پین کٹر
ایفروڈائٹ بریسٹ پیوٹی

<p>قیمت 700/= روپے</p>	<p>قیمت 600/= روپے</p>
------------------------	------------------------

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
ایڈریس: دوکان نمبر C-5، کے ڈی فلیش فیر 4،
شادمان ٹاؤن نمبر 2، بکٹر B-14، نارنجہ کراچی 75850
فون نمبر 021-36997059، صبح 10 تا رات 9 بجے
مٹی آرڈر کی سہولت برص ہونے کی صورت میں فون پر ایڈ کر دیں

محمد عامر مرزا
محمد آصف مرزا
محمد عامر مرزا

کامکباتیں

حب احمد

آخر سن یاس ہے کیا؟

مغربی معاشرے میں لوگوں کی وسط عمر ایشیائی ملکوں کے مقابلے میں بلاشبہ زیادہ ہے اور یہ فرق خاصا ہے جیسے ابھی ملکہ برطانیہ نے اپنی اسی ویس سالگرہ منائی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ دنیا کے ہر خطے کے انسانوں کی کم و بیش خوراک حاصل کرنے کی ضرورت ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ پھر عمر وں میں اتنا فرق کیوں۔ ایک بڑے طبقے کا خیال ہے کہ وہ لوگ اپنی صحت کے معاملے میں بہت محتاط ہوتے ہیں۔ ہر چیز اور ہر خواہش سے زیادہ خواہش ان کی یہ ہی ہوتی ہے کہ جو وہ کھا رہے ہیں یا جو عمل وہ کر رہے ہیں۔ انسانی صحت پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ ان کی طویل العمری اور صحت کا راز جہاں اچھی اور معیاری خوراک حتی الامکان آلودگی سے پاک ماحول ہے وہیں سب سے اہم چیز ہے صحت کے بارے میں شعور۔ بد قسمتی سے ہمارے ہاں ابھی تک اور بالخصوص خواتین میں صحت کے حوالے سے آگہی انتہائی کم بلکہ ملک کی اکثریتی خواتین میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ہماری اکثر خواتین کے لیے سن یاس کا لفظ ہی شاید نیا ہو گا حالانکہ یہ وہ دور ہے جس سے عورت کو گزرنا ہوتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر خواتین سن یاس کے بارے میں علم رکھتی ہوں تو اس دور میں ہونے والی پیچیدگیوں اور منفی تبدیلیوں سے بہت خوبی کے ساتھ نیٹ سکتی ہیں۔ شعور اور آگہی انسان کو کوئی بڑے نقصانات سے بچا سکتی ہے۔

سن یاس کیا ہے؟

سن یاس اس کیفیت کا نام ہے جب عورتوں کو حیض آتا بند ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ سن عرصے کی نشاندہی کرتا ہے جبکہ یاس کا مطلب ہے حسرت یا پاپوی وغیرہ۔ یعنی یہ وہ دور ہے جب عورت نسل انسانی کی بدھوتی

سونیا خان انک سے لکھتی ہیں کہ میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے کہ آپ لوگوں کے مسائل حل کرتی ہیں اور ان کی تکلیف دور کرتی ہیں۔ برائے مہربانی میری والدہ کی تکلیف کا حل بتائیں انہیں سیدھے ہاتھ کے بازو میں بہت دور رہتا ہے ہاتھ اوپر نہیں اٹھا سکتیں بہت علاج کروایا مگر افادہ نہیں ہوا اب ہماری آخری امید آپ ہی ہیں۔

محترمہ آپ 30 Pulsatilla کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔ علیحدہ خان پشاور سے لکھتی ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کی کیفیت لکھ کر بھیج رہی ہوں ان کی کیفیت اچل میں شائع نہیں کیجئے گا ان کے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں اور ایک ماہ کی دوا منگوانے کا طریقہ بھی بتاؤں؟ کیونکہ ہمارے علاقے میں ہو یو پیچک میڈیسن نہیں ملتی۔

محترمہ آپ اپنی پھوپھی کا Pelvis کا الٹرا ساؤنڈ کروا کر رپورٹ ہمارے کلینک کے پتے پر ارسال کر دیں یا 0349-4900800 پر دوائس اپ کر دیں رپورٹ دیکھ کر دوائی تجویز کی جائے گی اور ایک ماہ کی دوا 1000 روپے کی ہوتی ہے مبلغ 1000 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے پتے پر ارسال کر دیں ایک ماہ کی دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

نادیہ خانی بہاولنگر سے لکھتی ہیں کہ میرا بیٹا 5 سال کا ہے اسے شدید فیص کی شکایت ہے کھانا نہیں کھاتا مگر منی چائے کی پتی کھاتا ہے پیٹ میں ہر وقت درد رہتا ہے۔

محترمہ آپ اپنے بچے کا خاص خیال رکھیں کہ وہ ان اشیاء کا استعمال نہ کرے اور اسے 30 Alumina کے 5 قطرے دھا کپ پانی میں دن میں 3 بار پلائیں ان شاء اللہ فیص ختم ہو جائے گا۔

فرحانہ بیگم اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا بیٹا 17 سال کا ہے مگر اس کا پڑھائی میں دل نہیں لگتا یاد رکھنے کے بھول جاتا ہے وہم کا شکار رہتا ہے بدنگان اور بگڑا ہوا ہے کسی براعتاد نہیں کرتا برائے مہربانی کوئی مناسب حل بتائیں۔

محترمہ آپ اپنے بچے کو 30 Aracardium کے 5 قطرے دن میں 3 بار پلائیں اور اس کے ساتھ نری سے خوش آئیں ان شاء اللہ وہ جلدی بہتری کی طرف آجائے گا۔

میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ اب یاری اور نشوونما کی کیاری ہمیشہ کے لیے خیر ہو جاتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انسانی جسم میں سن یاس قدرت کے ایک اہم نظام کا حصہ ہے اور جس طرح انسانی جسم میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی ہیں یہ بھی ایک نوعیت کی تبدیلی ہوتی ہے۔ لازمی بات ہے جب بدن کمزور ہو جاتا ہے تو اس میں نسل انسانی کو جاری و ساری رکھنے کی صلاحیت بھی کمزور سے کمزور پڑنے لگتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ ہمارے قدرتی نظام کے تحت جو ہارمون جسم میں موجود ہوتے ہیں ان کی ضرورت نہیں رہتی اور جسم ان ہارمون اور ہورمون ہارمون بنانا کم سے کم کر دیتا ہے۔

سن یاس کب شروع ہوتا ہے؟

سن یاس اوسطاً عمر کے پینتالیس سے پچیس سال کے درمیانی وقفے میں ہوتا ہے لیکن شاذ و نادر چالیس سال اور بعض خواتین میں پینتیس سال میں بھی مشاہدے میں آتا ہے۔ لہذا مغربی ملکوں میں اکثر خواتین چالیس سال کے بعد ڈاکٹروں سے اس معاملے میں مشورہ کرتی ہیں۔ سن یاس کے بارے میں علامت اور اس میں ہونے والی پیچیدگیوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ تاہم ہمارے ہاں اکثر خواتین اس دور لیے میں اپنی بدلتی کیفیات کو بھی غیبی طرح سے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ سن یاس کے دوران اس بات کی بہت اہمیت ہوتی ہے کہ گھر والے متعلقہ خاتون کا خیال رکھیں۔ اس سے کوئی ایسا کام نہ لیں اور نہ کوئی ایسا کام ویس جس سے اس کی جسمانی اور ذہنی صحت پر ناگوار اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہے۔

ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ جس طرح حیض کے شروع میں ایک لڑکی کے جسم اور مزاج میں کچھ تبدیلیاں ظاہر ہوتی ہیں بالکل اسی طرح حیض کے خاتمے کے دوران بھی ہر خاتون کی عادت مزاج جسم کی ساخت اور موسمی اور معاشرتی تبدیلیوں کے انسانی جسم پر رد عمل کو دیکھا جاسکتا ہے۔ جیسے جیسے حیض کے اختتام کے دن قریب آتے جاتے ہیں جسم کے افعال

میں کئی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ عام طور پر اس عرصے میں سرور پختہ جسم میں گرمی کے بجھکے سے محسوس ہوتے ہیں۔ اعصابی کمزوری پینہ اور کمر سے درد ہوتا ہوا ران تک جاتا محسوس ہوتا ہے۔ ہڈی پریش بردھ جاتا ہے نہایت کے نچلے حصے میں درد اور اوپر کمر سے رینگنے کا احساس ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں گرم رہتے ہیں جیسے مخصوص پر خارش پیشاب کا بار بار آتا یا پھر پیشاب پر قابو نہ رکھنا خون کے دباؤ کا بردھ جانا جسم میں موسم کی مناسبت سے سردی کا احساس نہ رہنا اور سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک پسینے میں شرابور ہونا سن یاس کی واضح علامتوں میں شمار ہوتے ہیں۔

سن یاس کے مکمل ہونے تک حیض آنا بند ہو جاتا ہے۔ اس عرصے کے شروع ہوتے ہی خواتین کو اپنی غذا پر خصوصی توجہ دینی ہوگی۔ اسے ایسی غذا لینی ہوگی جو ہر اعتبار سے صحت کے لیے مفید ہو اور جسم کی تمام ضرورتیں پوری کرتی ہو۔ کیوں کہ خواتین کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس عمر میں ہڈیوں میں گودا بنانا کم ہو جاتا ہے اور ہڈیاں کمزور سے کمزور تر ہونے لگتی ہیں۔ ڈاکٹر ویکٹر صحت بخش غذا کے ساتھ ایک کپ دودھ روزانہ پینے کا ضرور مشورہ دیتے ہیں۔ کیوں کہ سن یاس میں ہڈیوں کے بہت جلد ٹوٹ جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ یہ انداز سے بہت بھر پوری سی ہو جاتی ہیں۔ اس عرصے میں زیادہ دودھ بھی ہضم نہیں ہوتا تاہم بہتر ہے کہ اس معاملہ میں ڈاکٹر سے مدد لی جائے اور اس کے لیے وہ آپ کو ایک ڈائنٹ پلان دے گا جو آپ کے جسم کو مطلوبہ خوراک اور کچھ ضروری اجزاء فراہم کرے گی۔ ڈاکٹر وائمن ڈی کے استہلال کا بھی مشورہ دیتے ہیں۔ بعض ڈاکٹر ملٹی وائمن ٹیکٹے پرتا جب کہ بعض کا خیال ہے کہ خوراک سے حاصل کیے گئے وائمن گولیوں یا کپسول کی صورت میں لینے والے وائمنز سے بہتر ہوتے ہیں۔ خواتین کو روزمرہ کی خوراک میں بھی میکینیزم اور وائمن ڈی کی مقدار کم ہوتی ہے کہ بہت سے خواتین اس میں اور کم ہونے میں ڈاکٹر بھی نہیں ہوتا۔ میکینیزم کی کم مقدار ہضم نہیں ہونے والی اور وائمن ڈی کی مقدار کم ہونے والی ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ اگر وقت ملے تو کچھ وقت سورج کے سامنے کھڑا رہا جائے اس سے بھی بڑی مقدار میں وائمن ڈی مل سکتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ایسے میں جسم کے لیے میکینیزم کی ضرورت اور بھی زیادہ بردھ جاتی ہے کیوں کہ بدن میں یہ بارشوں کے کم پیدا ہونے کی وجہ سے ہونے والے افعال میں غیر مطابقت توازن کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔



حیض کا اچانک بند ہو جانا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ حیض بعض اوقات ایک دم بند ہو جاتا ہے۔ ورنہ عام طور پر حیض کی بندش مختلف وقتوں سے ہوتی ہے۔ کئی ایک وائمنز آنا بند ہو گیا کچھ چند ماہ زیادہ آ گیا۔ کبھی معمولی سا اخراج ہوا اور کبھی بے رنگ۔ حیض کی بندش سے پہلے اس کی کئی شکلوں سے عورت کو سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ حیض کی بندش کے بعد بھی سب عورتوں میں تبدیلیاں ایک سی نہیں آتیں۔ بعض خواتین بہت دیر ہو جاتی ہیں جب کہ بعض دیر پہل ہو جاتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کو محسوس کرنے کا مختلف خواتین میں مختلف انداز ہے کچھ سمجھتی ہیں کہ اچھا ہوا کہ اب۔ ہوا کی کے سمجھتے ہیں۔ چنانچہ کئی کئی مہینے کے وقفے بھی عورتوں میں آتے ہیں اور اس کے بعد کی ممکنہ تکالیف سے بھی وہ آزاد ہو سکتی ہیں۔ خواتین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اس تبدیلی کو کافی دیر سے قبول کرتی ہیں اور جذباتی طور پر کافی منتشر رہتی ہیں۔ عام طور پر جب حیض آنا بند ہو جاتا ہے خواتین دادی بانائی بن چکی ہوتی ہیں اور گھر میں دوسروں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہی ہوتی ہیں۔ ان کا زیادہ وقت گھر میں گزارتا ہے۔ ایسے اس کردار میں وہ معاشرتی اونچ نیچ سے بہتر طور پر آگاہ ہوتی ہیں اور اپنی اولادوں کو بھی اس سے آگاہ کرتی رہتی ہیں۔

خواتین کیا کریں؟